اسلامی
قانون سزا
مؤلف
مولینا شبیہ الحسنین محمدی
ناشر
مکتبہ تعمیر ادب لاہور

اسلامی

قانون سزا

مؤلف:

الحاج مولانا شبیہ الحسنین محمدی

ناشر:

مکتبہ تعمیر ادب پوسٹ بکس ۲۲۵ لاہور

تاریخ اشاعت		مئی ۱۹۸۶ء
تعداد		ایک ہزار
کتابت		اے۔ اے قریشی
پرنٹر		ظفر سنز پرنٹر، لاہور
قیمت	(قسم اول)	۸۵/- روپے
	(قسم دوم)	۵۰/- روپے

:- ملنے کا پتہ :-

۲۸۰۔ علی مراد خیر پور میرس سندھ
محفوظ بک ایجنسی، مارٹن روڈ - کراچی

ناشر

مکتبہ تعمیر ادب

۱۷ ریک روڈ لاہور

صحت نامہ

اسلامی قانون سزا

صحت نامہ

اسلامی قانون سزا

اعتذار :-

میں نے اپنی غیر معمولی مصروفیت کی وجہ سے اس کتاب کی کتابت کی اصلاح اور تصحیح کے لیئے اپنے ایک عزیز دوست کی خدمات حاصل کیں اور ان کو منہ مانگا معاوضہ ادا کیا۔ لیکن جب یہ کتاب چھپ کر میرے پاس آئی اور میں نے اس کے کچھ صفحات پڑھے تو محسوس کیا کہ میرے اس فاضل دوست نے تصحیح کی کوئی زحمت نہیں کی اور جیسا کاتب نے لکھ دیا تھا اسی طرح چھاپ دیا گیا۔ اس مرحلے پر صحت نامہ کے علاوہ اور کیا کیا جاسکتا تھا۔ میری اس مخلصانہ غلطی کو نظر انداز کیجئے اور مطالعے سے پہلے صحت نامہ کے مطابق تصحیح کر لیجئے۔

احقر الکونین

شبیہ الحسنین محمدی

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۳	توابع کرنا	وتوابع زنا	۱۸	۴	اماہیہ	امامیہ
۴	۷	قوحی	قوی	۱۸	۶	پہنچے	پہنچے
۴	۷	صیعف	ضعیف	۲۰	۱۵	الاحقر الاثیم	الاحقر الآثم
۴	۸	اغل	انمل	۲۱	۳	نام	اسلام
۴	۱۰	تلقینات	تلقینات	۲۱	۹	امامیہ	امامت
۴	۱۱	خیر	خیز	۲۲	۲	عمل وعلم	واؤ زائد ہے
۴	۱۳	سرور	سرود	۲۲	۶	باہم	اہم
۵	اول	جنسی مجبوری	زائد ہے	۲۲	۱۲	ابہام کرنے	ابہام دور کرنے
		مجھے اسباب		۲۲	۱۲	بانیر	باخبر
۵	آخری	سزا ہم جنسی	سزائے ہم جنسی	۲۲	۱۶	ثالث	ثالث الغیرین
۶	۱۷	شراب خانہ	شراب خانہ خراب	۲۲	۱۶	شبل الحسنین	شبیہ الحسنین
۶	۱۸	نہیں ہو سکتے	جمع نہیں ہو سکتے	۲۲	آخری	صلق	صلی
۷	۱۲	بہام	بہائم	۲۳	اول	تقریظ	تقریظ
۱۳	۸	عائم	قائم	۲۳	۱۰	اعجاز الحسنین	محمد اعجاز حسن
۱۶	آخری	علامہ	زائد ہے	۲۶	۱۱	چالیس	چالیس
۱۷	۱۱	اخلاف	اختلاف	۲۶	آخری	ملک	کلک
۱۸	اول	گو	کو	۲۸	اول	باللہ	باللہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸	۱۵	تبدیلی	تبدل
۲۸	۱۷	تغیر	متغیر
۲۹	۴	شریعت محمدیہ	شریعت محمدیہ ہے
۲۹	۱۴	مداح	مدح
۲۹	۱۸	نزک	ترک
۳۰	۷	تشنت	تشتّت
۳۱	۳	یقین	تعیّن
۳۱	۱۲	رحمہا	رحمہما
۳۱	۱۳	ظلالہا	ظلالہما
۳۱	۱۵	نمبر غلط ہیں	۱ زنا ۲ لواطہ اتحق قیادت ۳ قذف ۴ شراب خوری ۵ سرقہ (چوری) ۶ قطع الطریق (ڈاکہ)
۳۲	۲	اسی لیئے	اسی طرح
۳۲	۱۴	فی البلہ	فی البلد
۳۲	۱۴	اعلمیتلہ	اعلمیتۂ
۳۲	آخری	طہارۃ المولا	طہارۃ المولد

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۳	اوّل	طہارۃ المولا	دیں طہارۃ المولد
۳۳	۲	طہارۃ المولا	طہارۃ المولد
۳۳	۶	اجتہاد مطلق سے	زائد ہے
۳۴	اوّل	طہارۃ المولا	طہارۃ المولد
۳۵	۴	تبایا	بنایا
۳۵	۱۲	اور ایک شخص	ایک شخص
۳۵	۱۳	"جہنم میں جائے گا"	کے بعد اس عبارت کا اضافہ کریں۔ "اور ایک شخص نے خلاف حق فیصلہ کیا لیکن وہ اس کو جانتا نہیں ہے تو وہ بھی جہنم میں جائے گا"
۳۵	۱۳	بھی	زائد ہے
۳۷	۱۰	سنایا	سنا
۳۷	۱۳	جرا ہم	جرم
۳۸	۱۳	مدعا علیہ	مدعی
۴۱	۵	طہارت مولا	طہارت مولد
۴۲	۶	اس کے لیے	اس لیے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۲	۱۳	۶	۵	۵۹	۴	مفتقر	مفتخر
۴۲	۱۸	فائدے سے لیے	فائدے کے لیے	۵۹	۶	حوس	ہوس
۴۵	۲	للشهاهد	للشاهد	۵۹	۱۵	اختلاط	اختلاط
۴۵	۴	تبت	ثبت	۶۰	۶	ناصر بنام	نام نہاد
۴۵	۱۳	وعی	دعی	۶۰	۹	مذہب	مذمت
۴۵	۱۵	السهداء	الشهداء	۶۰	۱۰	بن رہا ہے	نہیں رہا ہے
۴۶	۱۶	مذہت	مذمت	۶۰	۱۱	زبالجبر	زنا بالجبر
۴۷	۱۹	شوهادة	شهادة	۶۰	۱۲	تقدیر دیا گیا ہے	تعزیر قرار دیا گیا ہے
۵۱	۱۵	تین مرد اور عورتیں	تین مرد اور دو عورتیں	۶۰	۲۰	صنفی اختلاط	جنسی اختلاط
۵۱	۱۸	دوسرے	دو	۶۱	۳	مہتوں	مہنتوں
۵۲	آخری	تشویش	تشویق	۶۱	۴	بدتمیز	بدتمیزی
۵۳	۱۷	علیہ السدم	علیہ السلام	۶۱	۱۲	مکروہات	جنسی مکروہات
۵۳	۱۹	امامتے	اقامتے	۶۱	۱۳	عزائم	جرائم
۵۴	اول	سطر	مطر	۶۲	۸	مسورے	مشورے
۵۴	۷	تقام اللہ	یقام للہ	۶۳	۱۳	شرکت	شکل
۵۴	۱۰	تقادد	تقادو	۶۳	۱۶	باز	باز رہنے
۵۴	۱۱	سمجھا گیا	سمجھایا گیا	۶۳	۱۷	باضرر	ضرر رساں
۵۷	۱۶	انسان	انسانی	۶۴	۲	قرار	زائد ہے
۵۸	۶	اور	زائد ہے	۶۴	۴	زنا کے نزدیک	زنا کے نزدیک بھی
۵۹	۲	علیہ وسلم	علیہ وآلہ وسلم	۶۴	۸	پورش	ست

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۲	۱۲	زنا کے چہرے	زانی کے چہرے
۶۲	۱۳	اللہ تعالیٰ نارضگی	اللہ تعالیٰ کی ناراضگی
۶۵	۶	ازدھے	اژدھے
۶۵	۱۵	عنداللہ	عنداللہ
۶۶	۴	فدیایا	زائد ہے
۶۶	۶	ولایغرو	ولا یثرب
۶۶	۱۰	نفرت وبیزار	نفرت وبیزاری
۶۷	۱۲	ذلك	زائد ہے
۶۷	۱۴	علیہ وسلم	علیہ وآلہ وسلم
۶۸	۴	"	"
۶۸	۹	شب وروز	یہ سب دوزخ
۶۸	۱۰	نغل	فعل
۶۹	۶	گہرا اثر	گہرا اثر
۶۹	۷	حرام اغذا	حرام اغذیہ
۶۹	۱۵	مفعول سے بھی	مفعول بھی
۶۹	۱۷	HOME	HOMO
۶۹	۱۷	SEXOVALATY	SEXUALITY
۷۰	اوّل	گھٹا	گھسا
۷۰	۶	خنزیر کے	خنزیر کی
۷۰	۶	اور زنا دیں	"اور" زائد ہے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۱	آخری	قپاحت	قباحت
۷۲	۱۲	پریشان نہ جائیں	پریشان نہ کی جائیں
۷۳	۴	لعیلکم تفلحون	لعلکم تفلحون
۷۳	۱۸	متعلق	زائد ہے
۷۴	۴	توکہا اللہ	توکہا للہ
۷۴	۴	لابغیرہ	لانغیرہ
۷۴	۱۱	بالبید	بالیدہ
۷۴	۱۳	علیہ وسلم	علیہ وآلہ وسلم
۷۵	۸	طرح	زائد ہے
۷۵	۱۳	اپنے عورتوں	اپنی عورتوں
۷۶	اوّل	خلقی	خلقی
۷۶	۱۱	ام مسلمہ	امّ سلمہ
۷۶	۱۵	الیتمی	الستما
۷۶	۱۶	مسلمہ	سلمہ
۷۶	۱۷	ابن سلمہ مکتوم	ابن امّ مکتوم
۷۷	اوّل	علیہ وسلم	علیہ وآلہ وسلم
۷۷	۱	روزہ	روزے
۷۷	۳	علیہ وسلم	علیہ وآلہ وسلم
۷۷	۹	آرانی نی	آرانی فی
۷۷	۱۵	علیہ	علیہا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۸	۹	کہ گذرو	کر گذرو
۷۸	۱۲	لائیرید	لائیریت
۷۸	۱۵	علیہ وسلّم	علیہ وآلہ وسلّم
۷۹	۲	"	
۷۹	۶	ایدکن	ایدیگن
۷۹	۸	ملاکرتا	ملایاکرتا
۷۹	۱۱	ہیجانات کے	ہیجانات کا۔
۷۹	۱۳	منع ہے	منع فرمایا ہے
۷۹	۱۶	علیہ وسلّم	علیہ وآلہ وسلّم
۷۹	۱۹	مسلتموھن	سلتموھن
۸۰	۸	ییر	ییرو
۸۰	۱۰	لچدار	لچکدار
۸۰	۱۱	قیطمع	فیطمع
۸۱	۸	شرح	شرع
۸۱		سطر ۹ تا ۱۳	زائد ہے لہٰذا "عقل وشرع سے" "وجود میں نہیں آئیں" تک زائد ہے
۸۱	۱۶	مرحلہ اجازت	مرحلہ عبادت
۸۱	۱۹	انمل	انحل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۲	۹	نہ ہوں جنسی	نہ ہوں تو جنسی
۸۲	۹	علیہ وسلّم	علیہ وآلہ وسلّم
۸۲	۱۱		ترجمہ اس جملے سے شروع ہوتا ہے "وہ جو شخص کسی عورت سے اس کے مال و دولت کے لیے شادی کرے تو اللہ اس شخص کو اسی مال کے حوالہ کر دیتا ہے۔"
۸۳	۲	علیہ وسلّم	علیہ وآلہ وسلّم
۸۳	۳	فا	فاذا
۸۳	۴	ایک کی غلامی	ایک طرح کی غلامی
۸۳	۶	کنٹیز میں	کنٹیری میں
۸۳	۱۰	کس سے کے لئے میں ہونا رہے ہیں ہو	کس قسم کا مارتحسب کر رہے ہو۔
۸۳	۱۳	معاشرے سے	معاشرے کے
۸۳	۱۸	علیہ وسلّم	علیہ وآلہ وسلّم
۸۴	۱۱	خروج	تزوج

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۴	۱۳	بیکادوا	لم یکادوا	۸۹	۱۶	الصناد	الفساد
۸۵	۳	پارۂ برجگر	پارۂ جگر	۹۰	۲	خواہش	فواحش
۸۵	۶	علیہ وسلم	علیہ وآلہ وسلم	۹۰	۱۸	فقال	فقال لہ
۸۵	۹،۱۰	علیہم السلام	علیہا السلام	۹۰	۱۹	لأ یعجی	لا یستحیی
۸۵	۱۱	علیہ السلام	"	۹۱	۶	اظہار کو آڈس	اظہار کرنے آڈن
۸۵	۱۲	کی ستی	کی کبر سنی	۹۱	۸	اس وجہ سے	اس جہان سے
۸۵	۱۳	رضی اللہ عنہما	رضی اللہ عنہ	۹۱	۱۰	البانی	البالی
۸۵	۱۶	چند کے روز	چند روز	۹۱	۱۶	علیہ وسلم	علیہ وآلہ وسلم
۸۵	۱۸	جناب کا	جناب امیر کا	۹۲	اوّل	ڈھیلی ہوتی ہے اگر اس میں شادی ہو بھی جائیں۔	ڈھیلی ہوتی ہیں اگر شادی ہو بھی جائے۔
۸۵	۱۹	سن وصال	سن وصال				
۸۶	اوّل	علیہ السلام	علیہا السلام				
۸۶	۹	"	"				
۸۶	۱۵	علیہ وسلم	علیہ وآلہ وسلم	۹۲	۹	باہر نکلنے کو سمجھنا	باہر نکلنے کو جرم سمجھنا
۸۶	۲۰	اظہا	اظہار				
۸۷	۱۲ و ۲۰	علیہ وسلم	علیہ وآلہ وسلم	۹۲	۱۴	ترویج	تزویج
۸۸	۸	علیہ وسلم	علیہ وآلہ وسلم	۹۲	آخری	النخمس	الخمس
۸۸	۱۳	شادی شدہ کو	شادی شدہ کی	۹۳	۶	وہ بڑا جرم	بہت بڑا جرم
۸۸	۱۸	حدیثہ	حدیث	۹۳	۱۷	شمالاً	منتجعاً للاسلام
۸۹	۷	کس	کسی	۹۵	۸، ۱۲	علیہ وسلم	علیہ وآلہ وسلم
۸۹	۱۶	من	زائد ہے	۹۶	۳	اور اپنے	اور اپنے خیر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹۷	اوّل	صاحب بنا دیا	صاحب شرف بنایا	۱۱۰	۶	من بعد	من بعض
۹۷	۱۳	فضیلت نہیں ہوگی	صاحب فضیلت نہیں ہے۔	۱۱۰	۹	من ذ	من ذکر
				۱۱۱	۲۰	القسکم ما	القسکم و
۹۷	۲۰	علیہ وسلّم	علیہ وآلہ وسلّم	۱۱۳	۱۱	عن	عقش
۹۸	۱۹	〃	〃	۱۱۳	۱۳	ہر شخص ہے	ہر شخص سے
۹۹	۶	〃	〃	۱۱۴	آخری	ہو بھی جاتا ہے	ہو بھی جاتا تھا
۹۹	۱۸	〃	〃	۱۱۴	۲	تاخیر	تاثیر
۱۰۰	۹	〃	〃	۱۱۴	۱۴	مستحب	مستحسن
۱۰۰	۱۸	〃	〃	۱۱۵	۶	خواہش	فواحش
۱۰۳	۳	〃	〃	۱۱۵	۹	جرجن	جیب
۱۰۳	۹	〃	〃	۱۱۵	۱۳	فواحس	فواحش
۱۰۳	۱۰	اس کو نسی	اس کی کونسی	۱۱۶	۴	والمز	والمس
۱۰۷	۸	علاج	نکاح	۱۱۶	۲	پائے جائیں گے	پائے جائیں
۱۰۸	۲	عام انسانی	عام انسانی اخلاق سے ناواقفیت	۱۱۷	۵	قواہش	فواحش
				۱۱۷	۱۶	بہت	بہت سے فتنوں کو
۱۰۸	۱۳	العلوا	العلماء	۱۱۷	۱۷	باہر نہ نکلیں	باہر نکلیں
۱۰۹	۳	معروف الٰہی	معرفت الٰہی	۱۱۷	۱۹	من زینتھن	من زینتھن
۱۰۹	۳	ان کی توجیہ	ان کی طرف توجہ	۱۱۸	۱۳	علیہ وسلّم	علیہ وآلہ وسلّم
۱۰۹	۱۹	انہیں نے	انہوں نے	۱۱۸	۱۲	اختیار کی ہے	اختیار کریں
۱۱۰	اوّل	عورتوں	عورتیں	۱۱۸	۱۳	بابا	باتا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۸	۱۴	علیہ وسلم	علیہ وآلہ وسلم	۱۲۴	۵	رقفاء	رفقاء
۱۱۸	۱۴	امتی	آئیؑ	۱۲۴	۹	نہیں رہ سکا	نہیں رہا جا سکا
۱۱۹	۱۰	کنیزہ	کنیز	۱۲۴	۱۰	بجانے	بجانے
۱۱۹	۱۵	علیہ وسلم	علیہ وآلہ وسلم	۱۲۵	۳	انارکلی	انار کی
۱۱۹	آخری	آیت الخمینی	آیت اللہ الخمینی	۱۲۵	۶	ہوتے ہیں	"ہیں" زائد ہے
۱۲۰	۲	عتی الصبی	حتی الصبی	۱۲۵	۱۳		پوری سطر زائد ہے
			والصبیۃ	۱۲۶	۵	ہزاروں	ہزار
۱۲۱	۱۵	ہے اور وہ	ہے وہ	۱۲۶	۶	اسی	انسانی
۱۲۱	اول	مشتمل	مشتمل تصاویر	۱۲۷	۳	حزت	حزن
			اور تماشوں کی	۱۲۷	۴	تال تا ٹھیکا	تال یا ٹھیکا
			نمائش	۱۲۷	۸	مقام الطلاعۃ	مقام الطاعۃ
۱۲۱	۹	کسی آدھ	کسی ایک آدھ	۱۲۷	۱۰	بیت	وربیب
۱۲۱	۱۶	اممتا	اُدمتا	۱۲۷	۱۳	رسول کی	رسول کو
۱۲۲	اول	یجدون	یجدون	۱۲۸	۲	کھینچا	کھینچتا
۱۲۲	۱۲	ضیا	ضیاع	۱۲۸	۳	اگر	اگرچہ
۱۲۲	آخری	لیصلون	لیعتلون	۱۲۸	۱۹	خارابی	فارابی
۱۲۳	۸	رنگ رسیوں میں	رنگ رسیوں کی	۱۲۸	آخری	جس میں	جس کو
			اسلام میں گنجائش	۱۳۰	۹	پکڑ	پڑے
			نہیں ہے تاکہ	۱۳۰	۱۵	گانا بجاتے	گانے بجانے
			داعیہ گناہ پیدا نہ ہو	۱۳۰	۱۷	اسکو صورت حال	اس صورت حال کو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۰	۱۸	ثقافت میں	ثقافت نہیں
۱۳۰	۱۹	تقالی	نقالی
۱۳۲	اوّل	کرے	ہے
۱۳۳	۹	عامل	کامل
۱۳۳	۱۰	وسیلہ ہے	کا وسیلہ ہے
۱۳۵	۶	کر دیا جائے	کر دیا
۱۳۵	۱۲		"اور خواتین" لکھے بعد اس عبارت کا اضافہ کر لیں۔ "گانے بجانے کے قریب بھی نہیں پھٹکتی تھیں اسی لئے حضور نے گانے بجانے والی کنیزوں کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے"
۱۳۵	۱۸	بھی	کبھی
۱۳۶	۳	مسلّمہ	مسلمہ
۱۳۶	۱۳	فی الأمراس	فی الأعراس

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۶	۱۷	کمی گناہ	کمی گنا
۱۳۷	۶	ممالک بھی	ممالک میں
۱۳۷	۸	ٹکرا	ٹکڑا
۱۳۷	۱۶	کر دیتے	کر دیئے
۱۳۷	۱۷	صورت میں	صورت
۱۳۹	۵	جنفی جنم	جنتم
۱۳۹	۵	لایفتنفکم	لایفتنتکم
۱۳۹	۱۷	لباس کو ہوتے	لباس کے ہوتے
۱۴۰	۲	اولی	الاولی
۱۴۰	۷	علیہ وسلم	علیہ وآلہ وسلم
۱۴۱	اوّل	غیر	عقل
۱۴۱	۱۳	سو اپنے	سوائے اپنے
۱۴۱	۱۶	ماموں	مالک
۱۴۲	۲	سامنے	سمجھتے
۱۴۲	۴	تا ہو	زائد ہے
۱۴۲	۹	کے استخفاف	کا استخفاف
۱۴۳	۶	بعد	باوجود
۱۴۳	۷	کمار بازی	قمار بازی
۱۴۳	آخری	پاکستان	پاکستانی
۱۴۴	۱۷	متفق	متفق

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۴۵	۶	بلند	بند	۱۵۲	۱۲		"وہ نہیں کاٹا جا سکے گا"
۱۴۶	۱۰	ذات کو	ذات اور				کے بعد اس عبارت
۱۴۶	۵	تمنھیدًا	تنزھیدًا				کا اضافہ کر لیں۔
۱۴۶	۶	الامسادۃ	الاساءۃ				"اور کہا گیا ہے کہ
۱۴۶	۱۳	استعمال میں	استعمال				وہ محض فساد کے لیے
۱۴۶	۱۴	نقرین	نضرین				کاٹا جا سکے گا"
۱۴۶	۱۵	کسبھلا	کسبھا	۱۵۴	۱۰	دیانت	دیانتدار
۱۴۶	۱۶/۱۸	نفرین	نضرین	۱۵۴	۱۱	بگاڑ کر	بگاڑ کی
۱۴۶	آخری	"	"	۱۵۵	۱۶	مستحقق	متحقق
۱۴۷	۲	عیب	غیب	۱۵۵	۱۷	ماں کی وجہ	مال کی وجہ
۱۴۷	۸/۱۱	علیہ وسلم	علیہ و آلہ وسلم	۱۵۵	۱۷	"قطع ید کو	"قطع ید کی
۱۴۷	۱۴	کسی	کسبی	۱۵۵	آخری	ہر	زائد ہے
۱۴۷	۱۵	"	"	۱۵۶	۱۲		"دی جائے گی"
۱۴۷	۱۹	مسائل	وسائل				کے بعد اس عبارت
۱۴۸	۱۶	بلارعایت	بلا رو رعایت				کا اضافہ کر لیں۔
۱۴۹	اوّل	تجارت سے	تجارت سے				"کہا گیا ہے کہ ہاتھ کی
۱۴۹	۱۶	نمونہ	زائد ہے				جا سکیں گی اور اس سلسلہ میں
۱۵۱	۸	وہ	جو				حدیث بھی موجود ہے لیکن
۱۵۱	۷	والآخر	والآخرۃ				بہتر یہ ہے کہ قطع کی سزا
۱۵۲	اوّل	قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم	زائد ہے				نہ دی جائے"

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵۷	۴		"دامت ظلالہ	۱۶۷	۷	مانع حمل کا ادویہ	مانع حمل ادویہ
			الوارفہ" سے	۱۶۸	۱۲	جد	بجد
			قبل آیۃ اللہ	۱۷۰	۴	ولاھا	ولدھا
			العظمٰی السید	۱۷۲	۷	وجود	وجوہ
			ابوالقاسم الخوئی"	۱۷۳	۹		سطر ۹ زائد ہے
			کا اضافہ کرلیں	۱۷۳	آخری	تغیر	تعزیہ
۱۵۷	۲۰	جیسے	جسے	۱۷۴	۱۰	عادت زیادہ	عادت
۱۵۷	۲۱	رحم	رحمھم	۱۷۶	۸	دونوں	زائد ہے
۱۵۹	۳	جھوٹ کذب	جھوٹ اور کذب	۱۷۷	۶	ستاروں کا	ستاروں اور سیاروں کا
۱۵۹	۷	ہوگی	ہوگئی	۱۷۹	۶		سطر ۶، ۷، ۸
۱۵۹	۸	جنس شدہ	جنس زدہ				زائد ہیں
۱۵۹	۱۴	دالیوں	دائیوں	۱۷۹	۹	اپنی اور	اپنی طبعی اور
۱۵۹	۱۷	نہ تو	تو نہ	۱۸۰	۱۱	کان الشیطین	کان الشیطان
۱۶۰	۱۴	جائیں گے	جائیں تاکہ	۱۸۱	۹	کنزھم	کنزتم
۱۶۰	۱۶	کلی مد شرب	اکل و شرب	۱۸۲	۱۰	کی	کو
۱۶۲	۱۳	نچیز	نخچیر	۱۸۳	۸	عن الفاس	عن النّاس
۱۶۲	اوّل	سر زقھم	سر زقکم	۱۸۳	۱۹	سورا لکتناز	سورہ ، اکتناز
۱۶۳	۴	کہ	تو	۱۸۵	۱۴	ماخوذُ الذمہ	ماخوذ الذمہ
۱۶۴	۷	تصور ہے	"ہے" زائد ہے	۱۸۷	۶	کے لیے بعد	کے بعد
۱۶۵	۱۱	علیہ وسلم	علیہ و آلہ وسلم	۱۸۸	۱۹	نقیر	فقیر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹۰	۱۰	تشویش	تشویق
۱۹۳	اوّل	عرض	غرض
۱۹۳	۳	دوگنا لایا	پیل دوگنا لایا
۱۹۳	۱۳		"بہتر" سے آگے اس عبارت کا اضافہ کر لیں "ہے جس سے بعد تکلیف پہنچائی جاتی اور اللہ بے نیاز بزرگ ہے۔"
۱۹۴	۶	نخاف	نخاف
۱۹۴	۸	نقرۃ	نضرۃ
۱۹۴	۹	سمسا	شمسًا
۱۹۴	۱۵	یہ سبب	بہ سبب
۱۹۶	۱۸	بیوقوں	بیوقوفوں
۱۹۷	۵	پہنے	پہننے
۱۹۸	۴	زبا بالجبر	زنا بالرضا
۱۹۸	۱۷	کافی وفراتی	کافی ووافی
۱۹۸	۱۹	ہے	ہیں
۱۹۸	۱۴	سنے	زائد ہے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹۹	۲	بے صبری	بے بصری
۱۹۹	۱۶	نافذ کرنے	نافذ کرنے والے
۲۰۱	اوّل	برائے	برائی
۲۰۱	"	اسارہ	اشارہ
۲۰۳	۹	دیتا	دینا
۲۰۳	۱۲	اینٹی کرشین	اینٹی کرپشن
۲۰۴	۱۸	رسوت	رشوت
۲۰۵	۶	معدم	معدوم
۲۰۶			عنوان زائد ہے
۲۰۷	۱۳	لولان	"ن" زائد ہے
۲۰۷	۱۲	انلہ	امثلہ من
۲۰۷	۱۳	السوآ ع	السوءَ
۲۰۸	۸	اور اس کی	ان کو
۲۰۸	۱۴	امی	إلی
۲۰۹	۱۰	انغش	غش
۲۱۰	۷	المرفت	المرفت
۲۱۱	۱۶	الخدعن	العادون
۲۱۲	۶	حدۃ	فواحدۃ
۲۱۳	۵،۷	نسبت	نسب
۲۱۳	۱۵	ادر بجانجی	اور بھانجی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٢١٢	٢٠		اور جو رشتے ، سے	٢٣٨	١١	استرطت	اشترطت
			بعد اس عبارت کا	٢٣٨	١١	ولن	وإن
			اضافہ کریں۔	٢٣٩	٤	نہیں کرسکتی	نہیں کرسکتیں
			"نسب کی وجہ سے	٢٤٣	٣	امن	من
			حرام ہوتے ہیں	٢٤٤	اول	حصاص	جصّاص
			وہی رشتے"	٢٤٧	٢	عنده	عنده
٢١٥	٩	داماذی	دامادی	٢٥٠	٥	فنھی	نھی
٢١٥	٣	سبب کا کی قسمیں ہیں	جملہ زائد ہے	٢٥٣	٦	کوتہ	کوفہ
٢١٥	١٣	بیٹے زوجہ	بیٹے کی زوجہ	٢٥٩	١٠	زمانے	زمانے میں
٢١٦	١٠	احورھن	اجورھن	٢٦١	٧	کا	زائد ہے
٢١٧	٨	متعہ کی ترجمہ	متعہ کا ترجمہ	٢٦٥	٥	فرختم بھن	فرضتم لھن
٢١٧	١٠	گو	زائد ہے	٢٦٥	١٠	آدھا	زائد ہے
٢٣٢	٦	یہ اقرار	یہ اقرار	٢٦٦	١٢	اگر	اور
٢٣٤	١٩	تعاون	معاون	٢٦٧	١٢	یستبزی	تستبری
٢٣٣	٣	تشریح	تشریع	٢٧١	١٠	تغرق	تفرق
٢٣٣	١٠	"	"	٢٧٢	١٩	فی	زائد ہے
٢٣٦	٦	یابعداہت	بالبداہت	٢٧٣	١١	ابن عباس	ابی ابن کعب
٢٣٦	١٣	فحضنۃ	فحیضنۃ	٢٧٣	٩	النزوج	النزواج
٢٣٤	١٦	متاع	متعہ	٢٧٥	اول	بقیۃ	ببقیۃ
٢٣٦	٧	بلا	لا	٢٧٨	١١	تبزرجت	اُتزوجت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۷۹	۶	کافی	کافیؔ				ھ دیوانے پر نہیں
۲۸۲	۱۳	الغربیۃ	العزبۃ				اور اگر کوئی بچہ
۲۸۵	۲	اسماعیل	اسماعیلی				کسی بالغ سے
۲۸۶	۱۶	للآیۃ	(الآیۃ)				خلاف وضع فطرت
۲۸۶	۱۶	زبیر کو	زبیر سے				کرے تو بالغ پر
۲۸۷	۱۹	بھی	بہا				حد جاری کی جائیگی
۲۸۸	۷	یھسلھا	یمسھا	۳۲۷	۹	بچّے	پاگل
۳۰۳	۱۳	ذلت	ذات	۳۲۷	۱۰	ہو ہو	ہوا ہو
۳۰۷	۱۳	امزنیہ	مزنیہ	۳۲۸	۹	اوقیں	اوقیت
۳۱۲	آخری	تے	زائد ہے	۳۳۱	۲	اگر شخص	اگر کوئی شخص
۳۱۵	۱۴	بناتی من	بناتی ھن	۳۳۱	۹	صنعت	صفت
۳۱۶	آخری	لے	لے کر	۳۳۲	۱۸	نقاب میں	نقاب بھی
۳۱۸	۷	باکبازی	پاکبازی	۳۳۸	۱۲	اکبر	اکبر ہے
۳۱۹	۱۴	علاماً	غلاماً	۳۳۹	۲	چیتی	چیٹی
۳۲۳	۸	علّت انیہ	علّت ابنہ	۳۳۹	آخری	زن وشوہردار	زن شوہردار
۳۲۴	اوّل	کم	کم عمر	۳۴۰	۷	تو ہر مساحقہ	اور ہر مساحقہ
۳۲۶	۸	آغشتہ	آغشتہ ہو	۳۴۰	۷	دہ بارہ	دوبارہ
۳۲۶	۸		"حد جاری کی جائیگی"	۳۴۳	اوّل	کچھ لوگ	کچھ لوگ آئے
			کے آگے اس عبارت	۳۴۵	۳	کٹتا پا	کٹتا
			کا اضافہ کریں۔	۳۴۹	۱۰	شھرا	شھد آکھ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۴۹	۱۰	فاحبدوھم	فاجلدوھم	۳۹۵	۶	المرأ	المرأۃ
۳۵۰	۳	نفس روح	نفس وروح	۳۹۶	۲	علیہ السلام	علیہما السلام
۳۵۰	۱۰	لعفوئی	لعنوا	۳۹۷	۹	آحمل	احمل
۳۵۰	۱۱	وایدیھم	وایدیھم ارجلھم	۳۹۸	۱۹	فتاع	فقاع
۳۵۱	۱۸	اکل الربیلہ	اکل الربلو	۴۰۱	۱۴	حیاؤں	حیائیوں
۳۵۴	۳	نہیں دی	نہیں دی جائے گی	۴۰۶	۷	کچا ہو	کچلہو
۳۶۴	۵	جنابہ	جناب	۴۰۸	۱۲	زنی	زنا
۳۶۴	۱۰	علیہ السلام	علیہا السلام	۴۰۸	۱۷	کی ذیل	کے ذیل
۳۷۱	آخری	ایک	ایک شخص	۴۱۲	۸	مگر	زائد ہے
۳۸۱	۱۰	ناپسند کیا	ناپسند کیا گیا	۴۱۳	آخری	شتقاہ	شقتاہ
۳۸۲	۱۰	ملامت گو	ملامت گر	۴۱۳	۸	نقلیلہ	فقلیلہ
۳۸۴	۱۷	کو بھی	کو بھی مرتد	۴۱۴	۱۶	لیف	تخویف
۳۸۵	۷	من بعد	من بعد ایمانہ	۴۱۵	اول	کرنے سے	کرنے سے پہلے
۳۸۵	۱۷	کی والد	کی والدہ	۴۱۵	۱۴	اتم الخبائث	اتم الخبائث سے
۳۸۶	۱۹	غلام کے	غلام کی	۴۱۹	۱۲	جن کے	جن کی
۳۸۶	۱۹	پوچھا	پوچھا	۴۲۲	۴	ایام	محترم ایام
۳۸۸	۵	بانز	بانغ	۴۲۲	۱۱	واقع	واقعہ
۳۹۰	اول	دلی	ولی	۴۲۲	۱۷	انی	الی
۳۹۱	۱۴	مسلمان میں سے	مسلمانوں میں سے	۴۲۳	اول	بلے	زائد ہے
۳۹۳	۱۴	نہیں کیا	نہیں کھایا	۴۲۴	اول	بدرو	عید ورد

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۲۳	۴	علی	علیہ	۴۵۵	۷	علین	غیر
۴۲۵	۱۳	انداز	اندازہ	۴۵۷	۵	مبہوث	مبہوت
۴۲۷	۶	مسکر	مُسْکِرٌ	۴۵۸	۹	الصلاۃ	للصلاۃ
۴۲۷	۱۶	بہلا	بہا	۴۶۰	۱۰/۱۱	داؤد	دُواد
۴۳۳	۱۱	ابوالحسن	ابوالقاسم	۴۶۲	۷		"خدا کی" سے آگے عبارت اس طرح ہے "قسم دیتا ہوں کہ جو کچھ آپ کو علم ہے اس کا اظہار فرمائیے تو آپ نے فرمایا جب ... نے خدا کی"
۴۳۵	۱۳	عورتیں	عورتین				
۴۳۶	۱۱/۱۲	اور کسی	اور کسی نام سے				
۴۴۴	۱۰	شروع ہوتا ہے	شروع کرتا ہے				
۴۴۴	۳	لہٗ	لہٖ				
۴۴۵	۷	وھبت	اِن وھبت				
۴۴۵	۱۶	تمہارے	تمہارے لیے ہے				
۴۴۶	۱۶	کوئی	جو کوئی				
۴۴۷	۱۰	زمانے	کے زمانے	۴۶۴	۸	گٹھے	گٹھے کہاں
۴۴۸	۲	آزمائیوں میں	آزمائش	۴۶۴	۱۹	گٹھو	گٹھے
۴۴۸	۱۶	قائم کیے	مدرسے قائم کیے	۴۶۴	اوّل	کے پیر	کے طور پہ
۴۴۸	۱۷	جو	زائد ہے	۴۶۷	۳	اعتقادِ عمل	اعتقاد و عمل
۴۴۹	۳	علی النار	من النار	۴۶۷	۷	ناطر	ناظر
۴۴۹	۴	کی نے	کی اس نے	۴۶۷	۱۶	یہ	یہ کہ
۴۵۲	۳	واللہ	والآ	۴۶۹	۱۰	حافیہ	حاضیہ
۴۵۵	۲	شانے	شانے تک	۴۷۴	اوّل	فی السلان	وفی السلان

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۷۳	۲	ملک	مالک	۵۰۷	اول	چورائے	چرائے
۴۷۴	۶	بارے میں	بارے میں کیا	۵۰۹	۸	فبیکھا	فبیعھا
۴۸۰	۷	آبادی سے	آبادی سے باہر	۵۰۹	۸	صابھا	صاحبھا
۴۸۲	۲	اور جبس	سجن اور جبس	۵۱۰	۴	وامرت	وامت
۴۸۲	۱۲	معروض	معلوم	۵۱۲	۲	معمداً	متعمداً
۴۸۳	۱۱	حکم	نا محکم .	۵۱۲	۱۱		"تم نے ٹھیک کہا" کے بعد اس عبارت کا اضافہ کریں: "پھر آپؐ نے فرمایا تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو کعبہ میں عمداً یہ حرکت کرے؟ میں نے عرض کیا کہ وہ قتل کیا جائیگا۔ آپؐ نے فرمایا تم نے ٹھیک کہا۔"
۴۸۴	آخری	من اخاد	من اخاف				
۴۸۵	۳	ومن اخاف	ومن اخاف السبیل				
۴۸۸	۷	صاعنه	صاغر				
۴۹۹	آخری	محاذب مالنار	"محارب بالنار"				
۵۰۲	۱۲	یحب	یحب				
۵۰۲	۱۸	العدو	زائد ہے				
۵۰۳	۶		"اس صورت حال سے" "کام لے" تک عبارت زائد ہے۔				
۵۰۴	۲	اورمرد نواہی	اوامر و نواہی				
۵۰۵	۱۱	کم	حد سے کم				
۵۰۵	۹	الرجیس	الرحیل				

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۱۴	۱۲	علیہا السلام	علیہما السلام	۵۱۶	۱۱	ناجائز	جائز
۵۱۶	۵	مال کو	مال کی حفاظت کو	۵۲۲	۱۷	برانیم	بدانیم
۵۱۶	۷	اپنے کے	اپنے				

فہرست

جنسی کج روی کے اسباب

زنا کی سزا

لواطہ

حصہ دوم

تعزیرات

کتابیات

انتساب
بنام نامی اسم سامی عالی جناب المجتهد المصلح
المرجع الدینی الاعلیٰ آیۃ اللہ العظمیٰ
حاج آقائے السید میرزا حسن
الحائری الاحقاقی مدظلہ
شبیہ الحسنین محمدی

المجتهد المصلح المرجع الدینی الاعلیٰ آیت اللہ العظمیٰ

حاج آقائی میرزا حسن الحائری الاحقاقی
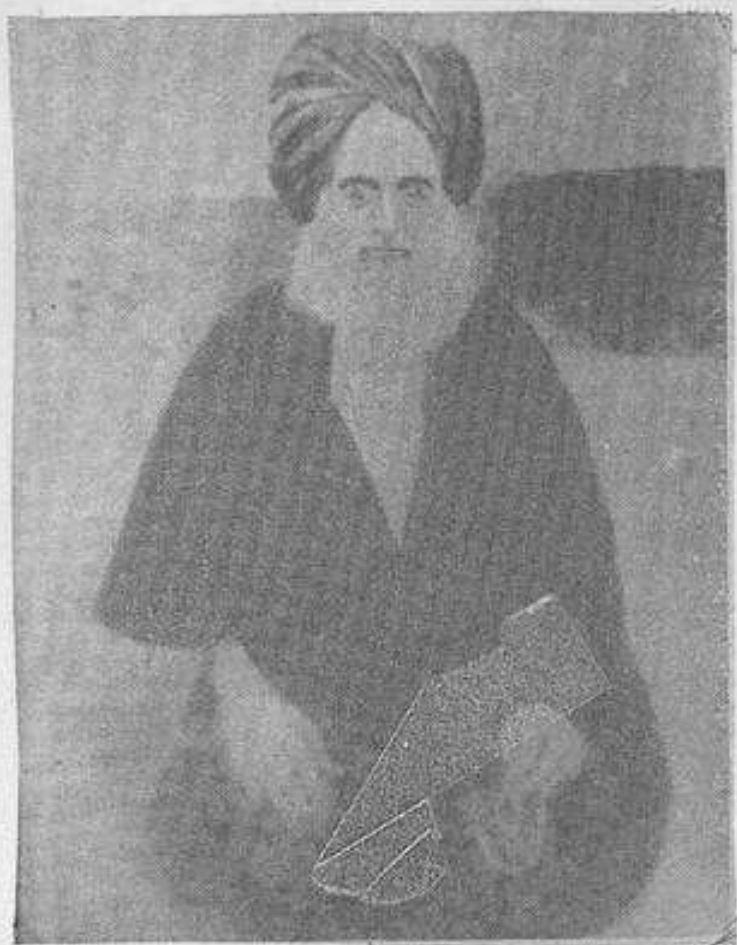
مصنف کے جد امجد

حجۃ الاسلام مولینا محمد جعفر حسین محمدی اعلی اللہ مقامہ

مصنف کے والد ماجد

حجۃ الاسلام شمس العلماء مولینا محمد حاجی حسن محمدی اعلی اللہ مقامہٗ

مولینا شبیر الحسنین محمدی

حجۃ الاسلام مولینا محمد نذر الحسنین حسن اعجاز محمدی

فخر الملت مولانا فخر الحسنین مجاہدیؒ

تعارف

از

قلم

مولانا سید علی غضنفر کراروی [illegible]ظلہ العالی

مولانا الحاج شبیہ الحسنین محمدی، قبل قیام پاکستان بدایوں۔ یوپی کے ساکن تھے تشکیل ملک کے بعد ۱۹۴۷ء سے خیرپور میں قیام پذیر ہیں اور اب بدایونی کی جگہ خیرپوری کہلاتے ہیں۔

آپ کے آباد اجداد عرب سے ایران اور ایران سے ہندوستان آکر دہلی ہوتے ہوئے بدایوں میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ خانوادہ جلیل حضرت محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے علمی عزت کا مالک رہا ہے۔ اور ہر پشت میں جلیل القدر علماء پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جناب ممدوح کے والد ماجد سند العلماء اعجاز الملت حضرت علامہ محمد اعجاز حسن طاب ثراہ، ناظمیہ عربی کالج اور مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے تاحیات پروفیسر رہے ۱۹۳۲ء میں ڈیرہ اسمٰعیل خان میں بر سر منبر انتقال ہوا اور وہیں کوٹلی امام حسینؑ میں دفن ہیں۔ جناب تقریباً ڈیڑھ سو کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ کے دادا مولانا محمد جعفر حسن رحمۃ صاحب کرامت علم دین تھے۔ ان کا مزار سادات کے معروف قصبے "جلالی ضلع علی گڑھ" میں ہے پردادا علامہ محمد علی حسین مجتہد رح بحکم امام مظلوم علیہ السلام، صحن مقدس حسینی میں مدفون ہیں۔ مولانا موصوف کے کئی بزرگ مغل دور حکومت میں قاضی القضاۃ کے درجے پر بھی فائز رہے۔

مولانا محمدی صاحب تحریر و تقریر دونوں میں ید طولیٰ رکھتے ہیں شخص واحد میں ان دونوں صفتوں کا اجتماع و استعمال بہت کم دیکھا گیا ہے۔ مولانا عنفوان شباب ہی سے قومیات اور سیاسیات میں عملی حصہ لیتے رہے ہیں، آل انڈیا شیعہ کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے مؤثر کارکن رہے ہیں اور قیام پاکستان سے آج تک پاکستان مسلم لیگ سے وابستہ ہیں۔ آپ اتحاد بین المسلمین کے بہت بڑے داعی ہیں۔ اور فرقہ پرستی، صوبہ پرستی اور لسان پرستی وغیرہ سے سخت نفرت کرتے ہیں، اسی لئے فرقہ پرستوں کی نازیبا تنقید کا نشانہ اکثر بنتے رہتے ہیں۔ آپ بڑے ہی اصول پرست عالم ہیں حق گوئی میں بھی تذبذب کا شکار نہیں رہتے اور بڑے سے بڑے نقصان کی پرواہ نہیں کرتے۔ نواب زادہ لیاقت علی خان آپ کی صلاحیتوں پر بڑا اعتماد کرتے تھے، پنجاب کے انتخاب ۱۹۵۱ء میں آپ کو اپنے نمائندے کی حیثیت میں انتخابی معرکے میں حصہ لینے کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ جس حلقہ میں بھی آپ گئے کامیابی مسلم لیگ کے حصہ میں آئی۔

۱۹۷۰ء میں دینیات تیسرے درجہ سے دسویں درجہ تک کا نصاب لکھنے کے لئے پانچ شیعہ علماء اور پانچ سُنی علماء مقرر کئے گئے، مولانا محمدی صاحب کا نام اس وقت کی تمام شیعہ جماعتوں (پاکستان شیعہ کانفرنس، ادارہ تحفظ حقوق شیعہ، پاکستان شیعہ مطالبات کمیٹی، مجلس عمل شیعہ علماء پاکستان)، نے بالاتفاق پیش کیا۔ دیگر چار علماء کے اسمائے گرامی زیر نظر ہیں

- علامہ مرزا یوسف حسین پرنسپل منظر المدارس مدرسۃ الواعظین لاہور۔
- مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی پروفیسر منظر المدارس مدرسۃ الواعظین لاہور
- مولانا سید نجم الحسن کراروی مرحوم، مولانا ملک مہدی حسن علوی مرحوم

جناب موصوف نے اس سلسلہ نصاب کی ترتیب و تدوین میں بھرپور حصہ لیا اور یہ کتابیں آج کل بھی تمام سرکاری مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ وقت تالیف سے اسی

وقت تک ان کتابوں میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

۱۹۷۹ء میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے "نیشنل کمیٹی برائے دینی مدارس" کی تشکیل کی اور اس میں علامہ محمدیؒ کو شامل کیا۔ یہ کمیٹی بڑی اہم، وقیع اور موثر تھی، اس کی عظمت کا اندازہ بآسانی اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ اس میں پاکستان کی پانچ یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر ممبر کی حیثیت سے شامل کئے گئے تھے، خیبر یونیورسٹی، اسلام آباد یونیورسٹی، سندھ یونیورسٹی، بلوچستان یونیورسٹی اور بہاول پور یونیورسٹی۔ معروف ماہر تعلیم ڈاکٹر عبد الواحد ہالے پوتہ اس کمیٹی کے چیئرمین تھے۔ مولانا محمدی صاحب کی کوشش اور توجہ دہانی کے بعد مولانا سید صفدر حسین نجفی پرنسپل جامع المنتظر ماڈل ٹاؤن لاہور کو بھی اس کمیٹی میں شامل کر لیا گیا تھا۔ نیشنل کمیٹی برائے دینی مدارس نے تمام دینی مدارس کے لئے یکساں اور ہموار نصاب تیار کیا اور ایک جامع رپورٹ جناب صدر کو پیش کی۔ جناب صدر پاکستان نے یہ اعلان فرمایا کہ آج تک کسی موضوع پر اتنی جامع رپورٹ تیار نہیں کی گئی۔

حکومت پاکستان نے جناب ممدوح کو وفاقی رویت ہلال کمیٹی میں شامل کیا۔ اور یہ خدمت آپ پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ حکومت پنجاب کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خاں نے مولانا کو صوبائی زکوٰۃ کونسل میں اب دوبارہ نامزد کیا ہے مولانا محمدی وہ واحد ہستی ہیں جن کو دوبارہ نامزد کیا گیا ہے۔ اور اس تعلق میں آپ کی خدمات یقیناً بہت وقیع ہیں۔ حکومت پنجاب نے آپ کو مساجد کمیٹی، امن کمیٹی اور سیرت کمیٹی میں بھی نامزد کیا ہوا ہے۔ آپ وفاقی شرعی عدالت کے مشیر بھی ہیں۔ یہ تمام عہدے اعزازی ہیں اور ان دائروں میں بھی آپ قابل اعتناء خدمات انجام دے رہے ہیں۔

دینی مدارس کی تشکیل آپ کا خاندانی شوق ہے خیرپور میں آپ نے ایک دینی مدرسے کے قیام کی کوشش کی جو کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ اور "سلطان المدارس" کے نام سے ایک مدرسہ قائم ہو گیا اس مدرسے کے قیام کے سلسلہ میں آپ نے اپنا رہائشی مکان جو لاکھوں روپے

کی ملکیت ہے۔ مدرسہ کو دے دیا اور خاصی مقدار میں نقد مدد بھی دی۔ حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد قاسم زیدی متع اللہ المومنین بطول بقائہ کو اس مدرسہ کی پرنسپل شپ کے لئے ہندوستان سے بلوایا۔ الحمدللہ کہ حضرت علامہ اب تک سلطان المدارس خیرپور میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا محمدی صاحب کے دونوں صاحبزادوں مولانا حسن اعجاز مدظلہ الحسنین محمدی اور مولانا حسین اعجاز فخر الحسنین محمدی نے علامہ سید محمد قاسم زیدی دامت ظلالہٗ سے بھرپور استفادہ کیا۔ الحمدللہ مولانا کے دونوں صاحبزادے مسلّم عالم دین ہیں۔

۱۹۷۰ء میں مولانا موصوف نے نواب مظفر علی خاں قزلباش مرحوم و مغفور کو مظفر المدارس ؒ مدرسۃ الواعظین کی تاسیس کی طرف متوجہ کیا۔ یہ مدرسہ لاہور میں مسلسل درخشاں خدمات انجام دے رہا ہے اس مدرسہ سے تربیت پا کر اب تک تقریباً بیس واعظین پاکستان کے مختلف حصوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولانا اس کے ناظم بھی ہیں اور پروفیسر بھی۔ آپ نے اپنے دورانِ قیام لاہور میں کسی قسم کی کوئی تنخواہ نواب مظفر علی قزلباش مرحوم سے قبول نہیں کی بلکہ صرف نواب صاحب مرحوم کے مہمان کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔

مولانا محمدی زمانۂ تحصیلِ علم سے ہی تحریری خدمات انجام دیتے رہے ہیں آپ کے کثیر مضامین سیاسی، قومی اور مذہبی مباحث پر ملک کے مختلف جرائد میں شائع ہو کر دادِ تحسین حاصل کرتے رہے۔ زیر نظر کتاب "اسلامی قانون سزا" کے علاوہ بعض دیگر کتابیں بھی منتظرِ اشاعت ہیں مثلاً "دخترِ رسولؐ" یہ سیرت جناب فاطمہ علیہا السلام کے متعلق ایک بالکل منفرد کتاب ہے۔ اس کے بعض مضامین ۱۹۴۳ء۔۱۹۴۲ء کے "البرہان" میں شائع ہو چکے ہیں (۲) "غالب اور اہلِ بیتؑ" یہ کتاب اہل بیت علیہم السلام کے متعلق غالب کے اندازِ فکر کی عکاسی کرتی ہے۔

مولانا ایک پختہ کار صاحب قلم ہیں، ایک طویل عرصہ تک ادارہ "البرہان" لدھیانہ سے منسلک رہے۔ ہفت روزہ صداقت کی ادارت بھی آپ ہی کے سپرد تھی قیام پاکستان کے بعد "الاسلام" کوئٹہ کے مدیر رہے۔ کوئٹہ کی سردی کی شدت کا مقابلہ نہ کر سکے اور خیرپور منتقل ہو گئے۔ وہاں آنے کے بعد تعلیمی، ثقافتی، صنعتی، سماجی تقریباً ہر محاذ پر عوام کی تابناک خدمات انجام دیں۔ "تاریخ خیرپور" میں حضرت مولانا کی خدمات کو وقیع انداز میں سراہا گیا ہے۔ سہ روزہ اخبار "مراد خیرپور" میں بھی آپ برابر مضامین لکھتے رہے۔ آج کل ضلع خیرپور اور کراچی میں کچھ دینی مدارس قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب ممدوح کو ہر میدان میں کامیابی عطا کرے بحق محمد و آل محمد آپ اور آپ کے صاحبزادگان کو تادیر سلامت رکھے اور ان کو قومی و ملی اور ملکی خدمات سے موفق کرے۔

گنہگار

سید علی غضنفر کراروی

سخن ہائے گفتنی

زیرِ نظر کتاب یعنی "اسلامی قانونِ سزا" میں نے اپنے دو محترم دوستوں مولانا سید ابرار حسین صاحب شیرازی اور مولانا سید علی غضنفر صاحب کراروی کی فرمائش پر سنہ ۱۹۷۸ء کے ابتدائی مہینوں میں شروع کی تھی۔ کافی عرصے تک یہ کتاب قسط وار رسالہ "المنتظر" لاہور میں چھپتی رہی۔ تاہم میری علالت کی وجہ سے تسلسل ٹوٹتا بھی رہا خصوصاً اندرون و بیرونِ ملک سفروں نے تسوید و تحریر میں بڑے رخنے ڈالے۔ بہر حال سنہ ۱۹۸۳ء کے آخر میں کسی نہ کسی طرح یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔

ایک اضافہ: میرے محترم کرم فرما جناب سید علی عباس صاحب تقوی ایڈووکیٹ خیرپور اس کتاب کی بعض قسطوں کو "المنتظر" میں پڑھتے رہے تھے۔ موصوف نے مجھے مشورہ دیا کہ اسلامی قانونِ سزا کی بحث کے ساتھ "قانونِ شہادت" اور "صفاتِ قاضی" کے متعلق کچھ نہ کچھ گفتگو کی جائے تاکہ کتاب کی افادیت کے ساتھ ساتھ قاری سزا سے متعلق جملہ قوانین سے آگاہ ہو سکے۔ اور اسے کسی قسم کی جستجو نہ رہے۔ چنانچہ میں نے امکانی اختصار کے ساتھ "اسلامی قانونِ شہادت" اور "صفاتِ قاضی" کا بھی تذکرہ کر دیا ہے۔

استناد: ظاہر ہے کہ یہ ایک اسلامی قوانین کے متعلق کتاب ہے اس میں مجتہدین کرام کے فتووں کی روشنی ہی میں کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ اس لئے میں نے ماضی کے فقہاء کے علاوہ ہم عصر فقہاء میں سید الفقہاء آیۃ اللہ العظمیٰ مجاہد کبیر السید ابوالقاسم الموسوی الخوئی کے فتووں کو خصوصیت سے سامنے رکھا کہ وہ میرے مقلَّد اور مجتہد ہیں۔ موجودہ زمانے میں عدیم النظیر اور بے مثال شخصیت ہیں۔ ان کی عظمتِ علمی پر نظر ڈالنے سے اپنی بے مائیگی کا شدید احساس ہوتا ہے۔ اور

اس حقیقت کے ادراک میں آسانی ہوتی ہے کہ جب نائب امام کا مرتبہ علمی ہمارے وہم و ادراک کے احاطے سے باہر ہے تو ائمہ اطہار علیہم السلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مرتبہ علمی کیا ہوگا ..... ؟ کہ ان نورانی حضرات کے تمام علوم وہبی ہیں۔

سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ السید روح اللہ الخمینی بفضلِ خدا اس وقت اسلامی جمہوری ایران کے سربراہ ہیں اور ان کے فتاویٰ سکۂ رائج الوقت کے حکم میں ہیں۔ اس لئے میں نے ان کے ارشاداتِ عالیہ کو بھی سامنے رکھا ہے۔

سرکار آیۃ اللہ السید محمد شیرازی کی معرکہ آراء کتاب "الفقہ" سے بھی میں نے تمسک کیا ہے اور اس موضوع پر اتنی عظیم القدر کتاب ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ مشہد مقدس کے جلیل القدر مجتہد مرحوم آیۃ اللہ السید عبد اللہ شیرازی کی کتابیں بھی میرے مطالعہ میں رہی ہیں۔ اور میں نے ان سے بھی مناسب استفادہ کیا ہے۔

انتساب: اس کتاب کو میں نے المجتہد المصلح آیۃ اللہ میرزا حسن الحائری الاحقاقی کے نام نامی اور اسم سامی کے ساتھ معنون کیا ہے کہ موصوف اس وقت ہندوستان پاکستان، ایران، لبنان، شام، کویت، افریقی ممالک، اور انگلستان وغیرہ میں ملتِ اسلامیہ کی گراں قدر خدمت انجام دے رہے ہیں۔

کچھ تصویروں کے متعلق: اس کتاب میں چند فوٹو شائع کر رہا ہوں۔ سرکار میرزا حسن الحائری الاحقاقی مدظلہ العالی کا فوٹو کہ یہ کتاب موصوف سے منسوب کی گئی ہے۔ اپنا فوٹو کہ میرے احباب کا اصرار ہے کہ مجھ ایسے ہیچ میرز کی تصویر بھی چھپے دادا مرحوم حضرت مولانا محمد جعفر حسن طیب اللہ رمسہ الشریف اور والد علام سند العلماء مولانا الحاج محمد اعجاز حسن محمدی طاب ثراہ کے فوٹو تاکہ ان دونوں بزرگوں کی کچھ

یاد تازہ ہو جائے۔ اپنے دونوں بیٹوں مولانا نذر الحسنین حسن اعجاز محمدی اور مولانا فخر الحسنین حسین اعجاز محمدی کی تصویریں کہ یہ دونوں میری خاندانی روایتوں کے آئینہ دار ہیں۔ اور بفضل خدا دونوں عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ انگریزی میں بھی دستگاہ رکھتے ہیں۔ اور ایم اے اور بی اے ہیں۔ اس کتاب کی تالیف میں بھی دونوں نے میری معاونت کی ہے۔ خصوصیت سے میرے چھوٹے بیٹے نے پہلے کتاب کو لکھا اور پھر مسودہ کو بڑی محنت سے صاف کیا۔ اگر فرزند ارجمند یہ خدمت انجام نہ دیتے تو یہ کتاب منصۂ شہود پر نہ آسکتی تھی۔

حرفِ تشکر :- میں حجۃ الاسلام مولانا الحاج آغا سید علی موسوی خطیب مسجد کشمیریاں لاہور کا شکر گزار ہوں کہ موصوف نے اپنے کتب خانہ سے کئی کتابیں دیں عمدۃ العارفین مخدوم سید محمد راجو گردیزی اس کتاب کی تالیف میں ہر طرح ہمت افزائی کرتے رہے۔ میرے محترم دوست الحاج سید شمشاد علی زیدی مرحوم مولانا الحاج سید ابرار حسین شیرازی اور مولانا الحاج سید علی غضنفر کراروی تو اس کتاب کے محرک ہیں۔ میں ان سب حضرات کا شکر گزار ہوں۔

میرے اساتذہ :- میرے اساتذہ میں سے والد گرامی علامہ مولانا محمد اعجاز حسن محمدی مرحوم، سرکار علامہ مفتی سید محمد علی مجتہد، سرکار علامہ مفتی سید احمد علی مجتہد، سرکار علامہ سید ابو الحسن نقوی مجتہد (سید العلماء مولانا سید علی نقی کے والد ماجد) اور مفکر اسلام علامہ سید محمد سبطین سرسوی رحلت فرما چکے ہیں۔ بفضل خدا دو بزرگوار حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں تا قیام قیامت سلامت رکھے۔ سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب مجتہد اور سید المتکلمین حجۃ الاسلام علامہ سید محمد قاسم زیدی پرنسپل سلطان المدارس خیر لور۔ اول الذکر چونکہ ہندوستان میں تشریف فرما ہیں اس لیے میں اپنی زیر نظر کتاب کے لیے کوئی استفادہ نہ کر سکا۔ لیکن سید المتکلمین علامہ

علامہ محمد قاسم مدظلہ، متع اللہ المومنین بطول بقائہ ہر مرحلہ پر میری رہنمائی فرماتے رہے ہیں۔ قرآنِ کریم، احادیث مبارک اور علماءِ کرام کے فتووں کے فہم کے تعلق میں، میں جہاں بھی تردد کا شکار ہوا، حضور سید المتکلمین نے میری رہنمائی فرمائی اور اس طرح میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ ساری کتاب سید المتکلمین کی نگرانی میں لکھی گئی ہے عالی جناب علامہ مرزا یوسف حسین صاحب پرنسپل مظفر المدارس مدرسۃ الواعظین لاہور نے بھی مجھے بھرپور تعاون دیا۔ جناب صدر الشعراء علامہ سید قائم رضا نسیم امروہوی جو ایک عظیم مرتبہ شاعر ہی نہیں بلکہ بہت بڑے عالم دین بھی ہیں، انہوں نے اس کتاب کو جستہ جستہ ملاحظہ فرمایا ہے۔ میں ان سب علماء اعلام کا ممنون اور شکر گزار ہوں۔ خداوندِ عالم ان سب کو سلامت رکھے۔

ایک درخواست: یہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے بعض اندراجات سے کسی صاحب کو اختلاف ہو تو مہربانی فرما کر مجھے مطلع فرمائیں، مشورہ وزنی ہوا تو قبول کر لوں گا اور اگر بحث و مباحثہ کی دنیا میں آنا چاہیں تو بڑی خوشی سے قلم اٹھا سکتے ہیں، لیکن اندازِ گفتگو عالمانہ ہو، عامیانہ نہ ہو، تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے اس لیے کہ میں آج کل بعض ایسے افراد کے ہاتھ میں قلم دیکھتا ہوں جو علمی مسائل پر گفتگو کرنا تو کجا ان کو سمجھنے کے بھی اہل نہیں ہیں۔ اور وہ موضوعِ گفتگو چھوڑ کر ذاتیات پر اتر آتے ہیں۔ علمی، قومی اور سیاسی مباحث میں ذاتیات سے بات کرنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو مذکورہ دائروں میں ذہنی افلاس اور علمی دیوالیہ پن کا شکار ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے اشخاص اپنی عادت کے مطابق اگر دشنام طرازی کی مشق فرمائیں گے۔ تو میں سکوت اختیار کروں گا۔ کہ عقلاء کہہ گئے ہیں۔۔

"جوابِ جاہلاں باشد خموشی"

ایک ضروری گذارش: یہ واضح اور ظاہر ہے کہ اسلامی قانون میں

گئی ہیں نے فقہ امامیہ کے نقطہ نظر کے مطابق مرتب کیا ہے
تاہم اس حقیقت کا اظہار و اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ حدود کی حد تک فقہ امامیہ، فقہ حنفیہ، فقہ مالکیہ، فقہ شافعیہ اور فقہ حنبلیہ میں کوئی جوہری اور بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ صرف چور کی سزا میں قطع ید کی کیفیت میں فرق کیا ہے۔ یعنی فقہ امامیہ میں اگر چوری کا جرم ثابت ہو جائے تو انگوٹھا چھوڑ کر چار انگلیاں جڑ سے کاٹی جائیں گی اور اہل سنت کی رائے میں پہنچے سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔ دوسرا فرق شرابی کی سزا میں پایا جاتا ہے۔ کہ جب ایک شرابی کو تین بار شرعی سزا دی جا چکی ہو اور پھر بھی وہ ارتکاب جرم کرے تو ایسے شرابی کو فقہ امامیہ میں قتل کیا جائے گا۔ جبکہ علمائے اہل سنت کا کہنا یہ ہے کہ ایسے شرابی کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اولاً قتل ہی کی سزا دی تھی۔ لیکن بعد میں واپس لے کر اس کو دُرّے لگانے کا حکم دیا ہے۔ یہ دونوں اختلاف آسانی سے افہام و تفہیم کے جذبے کے تحت باہمی گفتگو سے طے کئے جا سکتے ہیں۔ اس تعلق میں کسی ایجی ٹیشن، جلسے جلوس اور ہنگامہ آرائی کی ضرورت مجھ ایسے آدمی کے دائرہ فہم سے باہر ہے۔ خداوند عالم ہم مسلمانوں کو اتحاد اور اتفاق کی توفیق عطا فرمائے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

احقر الکونین
شبیہ الحسنین محمدی
جنرل سیکرٹری مجلس عمل علماء شیعہ پاکستان
مہتمم منظفر المدارس مدرسۃ الواعظین
۲۰۔ ایمپریس روڈ۔ لاہور ۵

تقاریظ

تقریظ

از قلم عالیجناب حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد قاسم صاحب قبلہ مدظلہ
سابق پرنسپل منصبیہ کالج میرٹھ (یوپی) حال پرنسپل سلطان المدارس
اور نٹیل کالج خیرپور میرس

باسمہٖ سبحانہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین وسید المرسلین ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین والطاہرین المعصومین۔ اما بعد کتاب مستطاب اسلامی قانون سزا مؤلفہ عمدۃ الافاضل الکرام مولانا الحاج شبیہ الحسنین صاحب محمدی ابن العلامہ الفقیہ مولانا الحاج محمد اعجاز حسن صاحب محمدی اعلی اللہ مقامہٗ نظر قاصر سے گزری اس کتاب کی تالیف میں مولانا نے علمائے متقدمین وفقہائے متاخرین کی کتب فقہ کو پیش نظر رکھا ہے اسلامی قانون کی سزا کے جو مسائل مذہب شیعہ اثنا عشریہ کے لحاظ سے اس کتاب میں درج ہیں وہ بلا اختلاف قابل عمل ہیں خداوند عالم مولانا شبیہ الحسنین صاحب محمدی کو جزائے خیر عنایت فرمائے کہ آپ نے اردو زبان میں وہ کتاب تالیف فرمائی جسکی اشد ضرورت تھی۔ فقط۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہ الطاہرین۔

حررہٗ

الاحقر الاثیم
السید محمد قاسم

تقریظ

حجۃ الاسلام والمسلمین استاذ العلماء سرکار علامہ مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ لکھنوی
پرنسپل منظر المدارس مدرسۃ الواعظین لاہور

نام عالمگیر مذہب ہے ۔ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور وقت کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جس کے لیے اسلام میں قوانین موجود نہ ہوں جو انسان کی فلاح کی ضمانت ہیں حشر و نشر اور روز جزا و سزا ، قیامت کا دار و مدار ہی توحید و رسالت اور امامت کی معرفت اور ان کی ہمہ گیر تعلیمات کی روشنی میں کردار کی بلندی پر ہے اسلیے علماء اعلام نے جہاں توحید و رسالت و امامت کی معرفت اور محشر کی ضرورت پر تحقیقات کے دریا بہائے ہیں وہاں یہ بھی ضروری سمجھا ہے ۔ کہ اعمال کے لیے جو ترازو قدرت نے مقرر فرمائی ہے ۔ اور قرآن و حدیث سے جو استنباط ہو سکا ہے اسے بھی جمع کر دیا ہے ۔ تاکہ کوئی انسان اپنی زندگی کے کسی مرحلے

میں اجنبی اور ناواقف نہ رہے اس لئے کہ بروز آخرت نجات ایمان لانے کے بعد
عمل پر موقوف ہے۔ اور عمل وعلم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے فقہاء نے
اپنی عمریں تحقیق و تدقیق اور تصنیف و تالیف میں صرف کر دیں۔ اور قرآن وحدیث سے
احکام اخذ کر کے انہیں مرتب کیا ہے۔ اسی کا نام فقہ ہے۔

اگرچہ علماء کبار اور مراجع عظام نے جو کتب تصنیف فرمائی ہیں ان میں اجمال کے
ساتھ با اہم اور پیش نظر تشریح کے ساتھ ہر موضوع پر احکام جمع فرمائے ہیں۔

مگر عام طور پر عبادات کے موضوع پر تعلیم و تعلم میں زیادہ انہماک رہا ہے۔
معاشیات یا حدود و تعزیرات کی جانب کم توجہ کی جاتی ہے اس لئے اکثر حضرات کو
یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ عبادات کی طرح معاشیات یا حدود و تعزیرات کے موضوعات
میں دوسرے برادران اسلامی کے مسالک اور مسلک اہل بیت اطہار علیہم السلام میں
کیا فرق ہے؟ اور یہ فرق کیوں ہے؟

یہ ابہام کرنے اور ہر خاص و عام شیعہ و غیر شیعہ کو باخبر اور متوجہ کرنے
کے لئے ایسی مفصل کتاب کی ضرورت تھی جس کے مطالعہ کے بعد ہر حقیقت آئینہ کی
طرح صاف نظر آنے لگے۔

مجھے یہ دیکھ کر روحانی مسرت ہے۔ کہ دور رواں میں فخر المحققین ثالث
مولانا شبیر الحسین صاحب فاضل مشرقیات نے یہ ضرورت محسوس کر کے
حدود و تعزیرات کے موضوع پر کتاب تصنیف فرما کر یہ ضرورت پوری کر دی۔ اس
لئے کہ یہ تصنیف منیف زبان اردو میں حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے مولانا نے،
اس کی تصنیف میں جس کد و کاوش اور محنت و تلاش سے کام لیا ہے۔ اور اصول
عدل و انصاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر مسئلہ کا حل سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کی مقدس آل کے ارشادات کی روشنی میں پیش کیا

ہے اس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔

میری دعا ہے کہ خداوند عالم ہر مسلمان اور خصوصاً پاکستان کے مسلمانوں کو جو احکام فقہ کی تلاش میں ہیں موفق کرے کہ وہ اس سے استفادہ کریں اور مکمل مطالعہ کر کے صحیح نتیجہ تک پہنچیں اور عدل و انصاف جو اسلام کا بنیادی قانون ہے اس کو میزان پر پرکھ کر صحیح راستہ اختیار کریں۔ اور اتفاق و اتحاد اور محبت و یگانگت کو اپنا مقصد حیات تصور فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مرزا ابو یوسف حسین عفی عنہ

۲۰ دسمبر ۱۹۸۹ء

تقریظ

حجۃ الاسلام عالیجناب مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب لکھنوی صدر الافاضل

پروفیسر مدرسۃ الواعظین لاہور

مولانا شبیہ الحسنین محمدی صاحب۔ صاحب قلم مصنف اور صاحب نظر خطیب ہیں۔

موصوف نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں قابل قدر ولائق فخر حصہ لیا۔ اس لئے وہ سیاسی معاملات سے بھی قربت

وا خبری رکھتے ہیں۔ جناب محمدی صاحب برصغیر کے علمی مجلے "البرھان"

کے مدتوں ایڈیٹر رہے۔ اسی بناء پر انہیں صحافت

کے تجربے بھی ہیں۔ کے والد

مولانا محمدی صاحب

مکرم و معظم مولانا

اعجاز الحسنین صاحب

قبلہ طاب ثراہ مدرستہ

الواعظین کے رکن ،

مبلغین کے استاد

اور مشہور مناظر و ماہر علم

کلام تھے فقہ میں مہارت رکھتے تھے۔

ان کے آباؤ اجداد ہمیشہ علم و علماء سے وابستہ رہے۔ اور اکابر

ملت میں شمار ہوتے ۔ ان کے خاندان میں علماء کا سلسلہ جاری ہے اور یہ

ایک بڑی توفیق خداوندی ہے۔

مولانا شبیہ الحسنین صاحب محمدی ، داعی اتحاد ، اور شیعہ سُنّی یکانگت و وحدت کے زبردست حامی ہیں۔ اور آج بھی ان کا یہی مؤقف ہے۔ زیر نظر کتاب بھی اتحاد و یکجہتی کے لئے ایک

مثبت قدم ہے۔ نقطۂ اتحاد، عقیدۂ توحید و رسالت و قرآن و اہل بیت کے نتیجہ میں ۔۔۔ فقہ ۔۔۔ ہے یعنی "فقہ" وہ نقطہ ہے جس پر شیعہ اور سنّی متفق ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ مطالعے میں گہرائی اور ایک دوسرے کے مؤقف کو سمجھنے میں بدگمانیاں شریک نہ ہوں۔ ہم دونوں کی فقہ، کتاب و سنت پر مبنی ہے۔ ہم دونوں کے مفتی قرآن و حدیث کے مطابق فتوے دیتے ہیں۔ پھر دشمنی کا جواز باقی نہیں رہتا ہے۔

حدود و تعزیرات، جرائم اور سزاؤں پر حاصل مطالعہ اور شیعہ مؤقف کی وضاحت پر سادہ لفظوں میں باحوالہ گفتگو اس کتاب کی خصوصیت ہے۔ مولانا نے اس سلسلہ میں بڑی محنت اور جانفشانی کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کتاب سے اہل نظر کو فائدہ اور اہل بحث و نظر کو روشنی ملے گی۔ اگر صاحبانِ مطالعہ نے تعاون کیا تو یقیناً دوسرا ایڈیشن اس سے بہتر اور کامل تر ہوگا۔

دعا ہے کہ خداوند عالم بحق محمد و آل محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام مولانا کو توفیق دے کہ سلسلۂ نظر و فکر اور تالیف و تصنیف کو جاری رکھیں۔

سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

ناخدائے سخن سرکارِ علامہ سید نسیم امروہوی مدظلہٗ

حضرتِ اعجاز حسن کے خلفِ نیک انجام — فلسفے میں تبحر ہے نہ منطق میں کلام

کون اعجاز؟ بدایوں کا وہ مردِ فاضل — سو کتب جس کی ہیں دینِ نبوی کا پیغام

موت نے جس کا دہن بر سرِ منبر چوما — اور کیا اس سے سوا ہو گی قبولیتِ عام

چمنِ ثالث حسنین محمد کی بہار — گلِ نوبادۂ گلدستۂ اشرافِ کرام

خدمتِ دینِ نبی جس کے سلف کی میراث — بادۂ علم سے سرشار جو تھا جام بہ جام

اب و جد جس کے تھے تشریع و تفقہ میں سند — پیشوا قوم کے اور احمدِ وحید کے غلام

ان افاضل کے گھرانے کا ہے یہ چشم و چراغ — جس کی تالیفِ گرامی یہ صحیفہ ہے تمام

ہیں مناسک میں جو مرقوم فتاویٰ میں حدود — ترجمہ ان کا یہ قانونِ جزائے اسلام

متن میں جس کے بسی ہے وہ خوئی کی خوشبو — جس کی لگ جائے ہوا بھی تو مہک جائیں مشام

وہ خوئی حوزۂ علمی نجف کے قائد — افقہِ عہدِ رواں، سید ابوالقاسم نام

ترجمے کی ہے وہ پُر لطف زبانِ شیریں — ہونٹ چاٹیں جو پڑھیں اس کو فصحائے عظام

متن اک افضلِ عالم کے قلم کی برکت — ترجمہ فاضلِ مشرق کے قلم کا ارقام

ترجمے میں یہ مزہ ہے کہ اسے جو بھی پڑھے — جی یہ چاہے کہ پڑھے جائے نہ جب تک ہو تمام

مستقل اک ہے یہ تصنیف یہ ہوتا ہے گماں — اس سلیقے سے ہے ترتیبِ مطالب کا نظام

ترجمہ متن سے میں نے جو ملا کر دیکھا — صرف ہے فرقِ زباں، ایک ہیں لیکن احکام

عربی میں جو وہاں ہے، وہی اردو میں یہاں — ہر قدم دل نے کہا اس پہ درود اس پہ سلام

سنِ تکمیل جو لکھنے کا کیا عزمِ نسیم — عالمِ غیب سے یہ شعر ہوا تب الہام

حذفِ قرآں میں سیہ کاروں کے لکھے ہیں حدود = ۹۹۷

مرحبا کلکِ شبیہِ الحسنین علّام = ۹۸۸

۱۹۸۵ء

حرفِ آغاز

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین ابی القاسم محمد صلی اللہ علیہ والہ الطیبین الطاہرین المعصومین اما بعد۔

انسانی برادری پہاڑوں میں آباد ہو یا میدانوں میں، جنگلوں میں رہتی ہو یا دریائی سمندری جزیروں میں، متمدن ہو یا وحشی، شہر اور قصبے آباد کیے ہوں یا خانہ بدوشی کی زندگی گزار رہے ہوں۔ بہرحال انسان کسی نہ کسی قانون کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ قانون کسی ایک شخص نے بنایا ہو یا چند اشخاص نے بزرگوں کی روایتوں سے اخذ کیا گیا ہو یا کسی قوم کے عقلاء نے اسے مرتب کیا ہو بہرکیف قانون کے بغیر انسانی زندگی ممکن نہیں ہے۔ دنیا میں کوئی قوم، قبیلہ یا ملک ایسا نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی قانون رائج نہ ہو خواہ وہ روایتی ہو یا تحریری، سینکڑوں قانون رائج ہیں، ہر انسانی گروہ اپنی ضرورت کے مطابق قانون بناتا ہے اور اسی لیے دوسرا گروہ اسے قبول نہیں کرتا اور وہ اپنے لیے ایک الگ قانون وضع کرتا ہے۔ یہ سینکڑوں قانون جو ازبس تھے یا ہیں سب انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں اور یہ سب محل تبدیلی و تغیر میں ہیں۔ نسل اور عصر کی نسبت سے بھی تبدیل ہو جاتے ہیں اور ایک ہی عصر اور ایک ہی نسل میں تجربہ کی بنیاد پر بھی بدل جاتے ہیں۔ انسانی تخلیق خواہ وہ ذہنی ہو یا مادی تبدیل اور تغیر ہوتی ہی رہتی ہے۔ ساری دنیا میں صرف ایک قانون ایسا ہے جس کے متعلق اس کے ماننے والے دعویٰ کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے اور وہ ہے اسلامی قانون۔ اسلامی قانون کے علاوہ تمام قوانین مسلمہ طور پر انسانوں کے ساختہ پرداختہ ہیں۔ اسلامی قانون کی تشکیل و تدوین خود خداوند عالم نے فرمائی ہے اس لیے اس میں کوئی تغیر اور

کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ نہ عصر کے زیرِ اثر اور نہ نسل کے واسطے سے اور اسی وجہ سے اس کو شریعت الٰہیہ کہتے ہیں۔ اسی قانون کو شریعت محمدیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ نے اس کی تدوین فرمائی ہے اس لیے شریعت الٰہیہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اس کو نافذ و رائج کیا ہے اس نسبت سے شریعت محمدیہ۔

بنا بریں اسلامی قانون کے ماخذ و مصدر جوہری طور پر دو ہیں قرآن کریم اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور مجموعی طور پر علمائے اسلام کی تصریح کے مطابق چار ہیں یعنی اجماع اور عقل بھی ماخذ و مصدر قوانین اسلام ہیں۔ قرآن کریم اور سنتِ رسولؐ کے بعد بعض علماء عقل کی جگہ قیاس کو دیتے ہیں۔ ہمیں اس میں کوئی بحث نہیں یہاں کی مرضی ہے۔

اسلامی شرائع کے عنوان پانچ ہیں (۱) واجب (۲) حرام (۳) سنت یا مستحب (۴) مکروہ اور (۵) مباح۔ انسانی زندگی کے تمام حرکات و سکنات انہی عناوین خمسہ کے دائرہ میں وجود پذیر ہوتے ہیں۔

(۱) **واجب** : وہ فعل ہے جس کا بجا لانا ضروری موجب ثواب اور لائق مدح ہے اور ترک جرم، قابلِ مذمت اور لائق سزا ہے۔

(۲) **حرام** : وہ فعل ہے جس کا ترک قابلِ مدح اور جس کا ارتکاب گناہ، عصیان اور قابلِ مذمت و سزا ہے۔

(۳) **سنت یا مستحب** : وہ اعمال ہیں جن کا بجا لانا موجب ثواب قابلِ مدح اور جن کا ترک گناہ اور جرم نہیں ہے

(۴) **مکروہ** : وہ فعل ہے جس کا ترک کرنا موجب مدح و ثواب ہے اور کوئی شخص کرے تو کوئی گناہ نہیں ہے اور لائق مذمت بھی نہیں۔

(۵) **مباح** : وہ افعال ہیں جن کا کرنا نہ کرنا مساوی ہے۔ اگر کسی انسان

کے لیے مفید ہو تو کرے اگر کوئی مفید نہیں سمجھتا تو نہ کرے۔ اس کے ترک اور اختیار میں مدح و مذمت کا سوال پیدا نہیں ہوتا جرم و سزا صرف واجب اور حرام سے متعلق ہیں۔ ترک واجب بھی گناہ ہے اور لائق سزا ارتکاب حرام بھی عصیاں اور موجب سزا اور یہیں سے اسلامی قانون سزا وجود پذیر ہوتا ہے۔ بعض جرم سنگین ہوتے ہیں اور بعض سبک اور معمولی۔ ان کی سزاؤں میں بھی یہی توازن و تناسب رکھا گیا ہے تاکہ انسانی معاشرہ جرم و شرارت اور انتشار و تشتت سے محفوظ اور امن و امان کا گہوارہ رہ سکے۔ آنے والے صفحات میں جرم و سزا کے متعلقہ مسائل سے حسب ضرورت اجمالاً یا تفصیلاً گفتگو کی جا رہی ہے۔

اسلامی قانونِ سزا کی قسمیں

۱۔ حد (۲) تعزیر (۳) قصاص و دیت

۱۔ حد :۔ کسی جرم کی اس سزا کو کہتے ہیں جس کا تعین اللہ اور رسول[۱] کی طرف سے قرآن و سنت میں کر دیا گیا ہے۔

۲۔ تعزیر :۔ کسی جرم کی ایسی سزا کو کہتے ہیں جس کا تعین حاکم کے دائرہ اختیار میں ہے۔

۳۔ قصاص و دیت : اگرچہ سزا ہیں لیکن حدود و تعزیر کے دائرہ میں نہیں آتے اس لیے کہ اس سزا میں مقتول کے ورثاء یا مجروح کو بدلہ لینے معاف کر دینے یا خون بہا لینے کا حق حاصل ہے۔ ہم زیرِ نظر کتاب میں صرف حدود و تعزیرات سے بحث کریں گے۔

وہ جرم جن کی سزا اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے معین و مقرر ہے شہیدِ ثانی۔ زین الدین۔ محقق حلی نجم الدین رحمہا اللہ، جناب آیت اللہ السید روح اللہ الخمینی اور جناب آیت اللہ العظمیٰ سرکار السید ابوالقاسم الخوئی دامت ظلالہا کی تصریح کے مطابق یہ ہیں۔

۱۔ زنا ۲ لواطہ ۳ سحق ۴ قیادت ۵ قذف ۶ شراب خوری ۷ سرقہ، چوری ۸ قطع الطریق (ڈاکہ)[۱]

علامہ سید امیر حیدر کاظمی نے قابلِ حد جرم سات لکھے ہیں لیکن یہ اختلاف عدد

---

(۱) شرح لمعہ کلانتر ج ۹ کتاب الحدود و قسم ط، شرائع الاسلام کتاب الحدود ص ۱۳۶ ط تہران۔ تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۵۰۵ تا ۶۲۲ ط نجف، مبانی تکملۃ المنہاج ج ۱ ص ۱۳۹۰ اول نجف

صرف اس لیے پیدا ہوا ہے کہ موصوف نے مساحقت کو الگ شمار کیا ہے (۲) باقی علماء کے نزدیک مساحقت اسی لیے لواط کے ذیل میں آتی ہے جس طرح قیادت۔ اس لیے اصولاً لائق حد جرم چھ ہی ہیں جیسا کہ ذکر کیا گیا ارتداد کو بھی تمام علماء اسلام نے قابل حد جرم قرار دیا ہے اس لیے اس کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔

قابل حد جرموں کی تفصیلات سے پہلے قضا اور شہادت کا ذکر ضروری ہے۔ اس لیے کہ سزاؤں کا اجراء اور نفاذ قاضی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور اگر مجرم کی طرف سے اقرار نہ ہو تو ثبوت جرم کے لیے شہادت ضروری اور لازمی ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے قاضی اور گواہوں کی صفات سے گفتگو کی جاتی ہے۔

صفات قاضی :- آیت اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئی مدظلہ کے مطابق قاضی میں آٹھ صفتیں ہونا چاہئیں۔ ۱۔ بلوغ (۲) عقل (۳) ذکورۃ (مرد ہونا) (۴) ایمان (۵) طہارۃ المولد (حلال زادہ ہونا) (۶) عدالت (۷) رشد (۸) اجتہاد (۱)

جناب آیت اللہ سرکار السید روح اللہ الخمینی مدظلہ نے بھی قاضی کی صفات آٹھ ہی ذکر فرمائی ہیں۔ (۱) بلوغ (۲) عقل (۳) ایمان (۴) عدالت (۵) اجتہاد مطلق (۶) ذکورۃ (مرد ہونا) (۷) اعلمیۃ ممن فی البلاد (۲)

صاحب شرائع محقق حلیؒ نے سات صفات کا ذکر کیا ہے (۱) بلوغ (۲) کمال عقل (۳) ایمان (۴) عدالت (۵) طہارۃ المولد (۶) علم (۷) ذکورۃ (مرد ہونا) (۳)

صفات قاضی کے تعلق میں مندرجہ ذیل سات صفتوں پر تمام علماء متفق ہیں۔
۱۔ بلوغ (۲) عقل (۳) ذکورۃ (۴) ایمان (۵) طہارۃ المولد (۶) عدالت (۷) اجتہاد۔

سرکار خوئی

---

(۲) الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم ص ۲۲۹ ط کویت (۱) مبانی تکملہ ج ۱ ص ۱۰،۱۱ (۲) تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۵۳۶ (۳) شرائع الاسلام کتاب القضاء والشہادت ج ۲ قسم ۴ ص ۶۷ ۔

(۱) بلوغ (۲) عقل (۳) ایمان (۴) عدالت (۵) اجتہادِ مطلق (۶) ذکورة ، طہارة المولا
جناب خمینی

(۱) بلوغ (۲) کمال عقل (۳) ایمان (۴) عدالت (۵) طہارت المولا (۶) علم (۷) ذکورة
محقق حلّی

تاہم ایک صفت کے تعلق میں لفظی اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ محقق حلیؒ نے جس حقیقت کو علم کہا ہے اس کو جناب آیت اللہ العظمیٰ السید ابو القاسم الخوئی نے اجتہاد سے تعبیر کیا ہے اور آیت اللہ السید روح اللہ الخمینی نے اجتہاد مطلق سے اجتہاد مطلق سے ظاہر ہے کہ یہ لفظی فرق ہے مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ یعنی قاضی میں قوت اجتہاد اور دلائل شرعیہ سے استنباط کی صلاحیت پائی جاتی ہو اور وہ دوسرے مجتہد کا سہارا لیے بغیر خود فیصلہ کر سکتا ہو۔ آٹھویں صفت سرکار آیت اللہ العظمیٰ السید ابو القاسم الخوئی نے رشد قرار دی ہے اور آیت اللہ السید خمینی نے اعلمیت قاضی، لیکن اس سے مطلق اعلمیت مراد نہیں ہے بلکہ جس علاقے میں قاضی کا تقرر ہوا ہے اس میں وہ قاضی اعلم ہو۔ اگر ان دونوں صفتوں کو جداگانہ ذکر نہ بھی کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ اعلمیت، اجتہاد میں شامل ہو سکتی ہے اور رشد بہر حال عدالت کے عنوان میں آجاتا ہے۔ تاہم چونکہ یہ صفات سرکار آیت اللہ السید ابو القاسم الخوئی اور آیت اللہ السید روح اللہ الخمینی ایسے مجتہدین جائز التقلید کی بیان کردہ ہیں اس لیے ان کو بیان کر دیا گیا ہے اب تھوڑی سی صفات کی وضاحت بھی ضروری ہے:

۱۔ بلوغ : نابالغ قاضی مقرر نہیں ہو سکتا۔
۲۔ عقل : پاگل یا خفیف العقل قاضی نہیں ہو سکتا۔
۳۔ ذکورة : عورت قاضی مقرر نہیں کی جا سکتی

طہارۃ المولا: حرام زادہ مسند قضا پر نہیں بٹھایا جاسکتا۔

۵۔ عدالت :- ایسی صفت ہے جس کے فقدان سے اسلامی معاشرے میں کوئی شخص قاضی تو کیا گواہ بھی نہیں ہو سکتا۔ عادل ایسے شخص کو کہیں گے جو گناہ کبیرہ تو کرتا نہ ہو اور گناہان صغیرہ سے بھی بچنے کی کوشش کرتا ہو۔ صاحب الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم نے عدالت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے :-

العدالۃ: وھی ان لا یرتکب المرء اکبائر من الذنوب کالزنی والقتل وشرب الخمر واللواط والغیبۃ والنمیمۃ (وھی التجسس علی المؤمنین) وغصب اموال الناس وظلمھم ونحوھا ولا یصر علی صغائرھا من غیر توبۃ اذ لا کبیرۃ مع الاستغفار ولا صغیرۃ مع الاصرار کما فی الحدیث وقیل ان الاصرار ھو ان یذنب الذنب ولا یستغفر اللہ ولا یحدث نفسہ بتوبۃ (۱)

"عدالت یہ ہے کہ انسان گناہان کبیرہ سے کسی کا ارتکاب نہ کرے جیسے قتل، زنا شراب خواری، اغلام، غیبت، چغل خوری، لوگوں کا مال زبردستی ہتھیا لینا اور ان پر کسی بھی نہج سے ظلم کرنا وغیرہ اور گناہان صغیرہ پر اصرار نہ کرے۔ توبہ کے بغیر، اس لیے کہ استغفار کے بعد کوئی کبیرہ، کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار کے ساتھ کوئی صغیرہ، صغیرہ نہیں رہتا بلکہ وہ کبیرہ بن جاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اصرار یہ ہے کہ انسان گناہ کرے اور استغفار نہ کرے اور اپنے نفس کو توبہ پر آمادہ نہ کرے

عہدۂ قضا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جب تک انسان مرتبہ اجتہاد پر فائز نہ ہو یعنی دلائل شرعیہ (قرآن، سنت، اجماع اور عقل) سے استنباط کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اس وقت تک اس عہدہ کو قبول نہیں کرنا چاہئیے کہ ذرا سی بے خبری کے نتیجہ میں جہنم کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔

(۱) الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم ص ۲۱۹

حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے ہی مؤثر انداز میں عہدہ قضا کی نزاکت کو بیان فرمایا ہے: عن محمد بن محمد عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: من جعل قاضیاً فقد ذبح بغیر سکین (۱) "جو قاضی بنایا جاتا ہے وہ بغیر چھری کے ذبح ہو جاتا ہے۔"

اسی حقیقت کی وضاحت کے لیے امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیر نظر حدیث مبارک سے استفادہ کیا جا سکتا ہے القضاۃ اربعۃ: ثلاثۃ فی النار وواحد فی الجنۃ رجل قضی بجور وھو یعلم فھو فی النار ورجل قضی بجور وھو لا یعلم فھو فی النار ورجل قضی بالحق وھو لا یعلم فھو فی النار ورجل قضی بالحق وھو یعلم فھو فی الجنۃ (۲) "قاضی چار قسم کے ہوتے ہیں۔ تین کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایک جنت میں جائے گا۔ اور ایک شخص نے خلاف حق فیصلہ کیا اور وہ اس حقیقت کو جانتا ہے یہ بھی جہنم میں جائے گا۔ ایک شخص درست فیصلہ کرتا ہے لیکن وہ اس حقیقت کو سمجھتا نہیں ہے تو وہ بھی جہنم میں جائے گا اور ایک شخص درست فیصلہ کرتا ہے اور اس کو وہ سمجھتا بھی ہے تو ایسا شخص جنت میں جائے گا۔

اس حقیقت کو سرکار آیت اللہ روح اللہ الخمینی نے عہدہ قضا کی اہمیت کے ذیل میں درج فرمایا ہے۔ جناب خمینی نے افہام و تفہیم حقیقت کے لیے یہ بھی فرمایا ہے یحرم القضاء بین الناس ولو فی الاشیاء الحقیرۃ اذا لم یکن من اھلہ فلو لم یر نفسہ مجتھداً عادلاً جامعاً شرائط الفتیا والحکم، حرم علیہ تقدیہ وان اعتقد الناس اھلیتہ (۳) معمولی چیزوں میں بھی نا اہل

(۱) وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۸ ط ۱ (۲) وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۱۱ (۳) تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۵۳۶۔

کے یے لوگوں میں فیصلے کرنا حرام ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو فتوے اور حکم کی شرائط کا جامع اور مجتہد عادل نہیں محسوس کرتا ہے تو اس پر عہدۂ قضا کا قبول کرنا حرام ہے اگرچہ لوگ اس کی اہلیت کے قائل اور معتقد کیوں نہ ہوں۔

قاضی یا حاکم کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنا فیصلہ، گواہی، اقرار اور قسم کی روشنی میں کرے۔ لیکن اگر کسی مسئلہ اور معاملہ میں اس کو ذاتی علم بھی حاصل ہے تو وہ گواہی، اقرار اور قسم کے بغیر فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ خواہ وہ انسانوں کا حق ہو یا اللہ کا (۴) جناب آیت اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئی کی اصل عبارت یہ ہے:

کما ان للحاکم ان یحکم بین المتخاصمین بالبینۃ و بالاقرار بالیمین کذلک لہ ان یحکم بعلمہ بینہما ولا فرق فی ذلک بین حق اللہ وحق الناس۔

سرکار خوئی مدظلہ نے اس حکم میں یہ اضافہ فرمایا ہے: نعم لا یجوز اقامۃ الحد قبل مطالبۃ صاحب الحق ہاں حاکم کے لیے صاحب حق کے مطالبہ سے پہلے حد کا جاری کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر قاضی کو مترجم کی ضرورت ہو تو دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر ترجمہ قابل قبول نہ ہوگا۔ (۵) اگر قاضی کو مقدمے کی کارروائی لکھنے کے لیے کاتب یا پیشکار یعنی منشی کی ضرورت ہے تو لازم ہے کہ یہ پیشکار بالغ، عاقل، مسلمان اور عادل ہو۔ اگر قاضی گواہوں کی عدالت کا علم نہ رکھتا ہو تو بذاتِ خود اس کی تفتیش کرے۔ (۱)

قاضی کی ذمہ داریاں: فریقین مقدمہ، یعنی مدعی اور مدعا علیہ کے تعلق میں قاضی کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کو سلام کرنے، ان کے سلام کا جواب دینے، ان کے محل نشست

۱۔ مبانی تکملہ ج ۱ صفحہ ۱۳۔ تحریر الوسیلہ ج ۲ صفحہ ۴۱۵ شرائع الاسلام کتاب القضاء ص ۹۵ و وسائل الشیعہ کتاب القضاء ج ۱۸ ص ۔ الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم صفحہ ۲۰۱ ، تحریر الوسیلہ ج ۲ صفحہ ۴۳۹ ۔
۳۔ الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم صفحہ ۲۰۵ ۔ ۱۱

متوجہ کرنے اور ان کی طرف دیکھنے، ان سے گفت گو کرنے، انھیں خاموش کرنے اور ان کی بات کو سننے میں برابری کا سلوک کرے اور خوش روئی سے پیش آئے فیصلہ میں انصاف وعدالت کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھے۔ تاہم اگر مقدمہ کا ایک فریق غیر مسلم ہو تو مسلمانوں کی خصوصی تکریم جائز ہے۔ مثلاً غیر مسلم کو کھڑا رکھے اور مسلمانوں کو بیٹھنے کی اجازت دے دے۔ لیکن فیصلہ بالکل عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق کیا جائے گا اور اس میں کسی قسم کی رعایت نہیں کی جائے گی۔

قاضی کے لیے فریقین میں سے کسی کو، کوئی ایسی بات بتانا جائز نہیں ہے جس سے دوسرے فریق کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔

اگر چند مقدمے کسی قاضی کی عدالت میں پیش ہوں تو جو مقدمہ پہلے آیا ہے اس کو پہلے سنایا جائے گا۔ (۱)

قابل سماعت دعوے کی شرائط:

کسی معین اور معلوم شئی کا دعویٰ کیا جائے (۲) کسی معین شخص پر دعویٰ کیا جائے (۳) دعویٰ جزم ویقین کی بنیاد پر ہو۔ احتمال وگمان کی کوئی قیمت نہیں ہے (۴) مدعا علیہ کو بھی معین کیا گیا ہو خواہ وہ ایک ہو یا زیادہ (۵) کسی ایسے امر کا دعویٰ کیا گیا ہو جو جائز اور مشروع ہو مثلاً کوئی مسلمان یہ دعویٰ کرے کہ فلاں کے پاس میری شراب اور سور ہے وہ دلوایا جائے تو چونکہ یہ اشیاء غیر مشروع ہیں اس لیے دعویٰ نہیں سنا جائے گا (۶) دعویٰ ایسے امر کا ہو کہ جس پر کوئی اثر مرتب ہو سکتا ہو مثلاً دو آدمی مقدمہ لڑیں، مدعی کہے کہ زمین حرکت کرتی ہے اور مدعی علیہ کہے کہ حرکت نہیں کرتی تو یہ دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا اس لیے کہ یہ ایک علمی بحث ہے جس پر فیصلے کی کوئی مادی تاثیر نہیں ہوگی (۷) مقدمے کے تعلق میں مدعی کا بالغ اور عاقل ہونا ضروری ہے (۸) مدعی دعوے سے

---

(۱) تحریر الوسیلہ ج ۲ صفحہ ۵، شرائع الاسلام کتاب القضاء صفحہ ۸۰۔ الشیعہ فی عقائدہم واحکامہم صفحہ ۳۰۹

ذاتی تعلق رکھتا ہو یا اس کو کسی کی وکالت اور ولایت حاصل ہو۔(۱)

مقدمے میں مدعا علیہ کا رویہ: کسی دعوے کے تعلق میں مدعا علیہ کا رویہ پانچ طرح کا ہو سکتا ہے (۱) دعوے کی صحت کا اقرار کرے گا (۲) انکار کرے گا (۳) خاموشی اختیار کرے گا (۴) اپنی لاعلمی کا اظہار کریگا یا یہ کہے گا کہ میں مدعی کا مطالبہ ادا کر چکا ہوں

(۱) اگر مدعیٰ علیہ اعتراف واقرار کرے تو حاکم مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے گا۔

(۲) اگر مدعیٰ علیہ نے انکار کیا تو حاکم مدعی سے شہادت طلب کرے گا۔ اگر شہادت مہیا کر دی جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کر دے گا اور اگر مدعی شہادت پیش نہ کر سکے تو حاکم، مدعی علیہ سے حلف لے گا۔ مدعی علیہ حلف کرے تو دعویٰ خارج ہو جائے گا۔

(۳) مدعا علیہ کی خاموشی اور سکوت کی صورت میں مدعی سے شہادت طلب کی جائے گی۔ اگر شہادت مہیا کی جائے تو اگر مدعی راضی ہو تو مدعیٰ علیہ سے حلف لیا جائے گا۔ اگر اس صورت میں مدعا علیہ نے حلف اٹھا لیا تو فیصلہ مدعیٰ علیہ کے حق میں ہو جائے گا اور اگر وہ حلف اٹھانے کے لیے تیار نہ ہو تو قاضی مدعیٰ علیہ سے حلف لے کر اس کے حق میں فیصلہ کر دے گا اور اگر مدعی مدعا علیہ سے حلف اٹھوانے کے لیے تیار نہ ہو تو فیصلہ فوراً نہیں کیا جائے گا بلکہ مدعی کو شہادت پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا۔

(۴) اگر مدعیٰ علیہ اپنی بے خبری کا اظہار کرے اور مدعی اس کی تکذیب نہ کرے تو مدعیٰ علیہ سے حلف نہیں لیا جائے گا ورنہ مدعیٰ علیہ کے عدم علم پر اس سے حلف

---

(۱) مبانی تکملة المنهاج ج ۱ ص ۱۲، تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۱۵ تا ۴۱۸، شرائع الاسلام کتاب القضاء ص ۸۳۔!

لیا جائے گا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا

۵: اگر مدعی علیہ یہ کہے کہ میں مدعی کا مطالبہ ادا کر چکا ہوں یا اس نے میرے ہاتھ پر چیز بیچی ہے یا مجھے بخش دی ہے وغیرہ وغیرہ تو اس صورت حالات میں مدعا علیہ کو مدعی قرار دیا جائے گا اور اس سے مدعی کی حیثیت میں ثبوت لے کر مقدمے کا فیصلہ کیا جائے گا

ایک ضروری مسئلہ: اگر مدعی علیہ، عدالت میں حاضر نہ ہو تو قاضی کو اس کے حاضر کرنے کی کوشش کرنا چاہیے اور کسی وجہ سے اس کی حاضری ممکن نہ ہو تو گواہوں کے بعد مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا (۱)

اگر دعویٰ "میت" کے خلاف ہو تو مدعی سے گواہوں کے ساتھ قسم بھی اٹھوائی جائے گی

کیفیت حلف و قسم: مقدمات کے فیصلوں میں خداوند عالم کے کسی نام سے حلف ضروری ہے۔ انبیا علیہم السلام، ائمہ اطہار علیہم السلام، کتب اربعہ (توراۃ، زبور، انجیل اور قرآن مجید) اور مقدس مقامات جیسے کعبہ، روضۂ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کربلا، نجف وغیرہ کی قسم کی کوئی تاثیر نہیں ہوگی۔

اگر قسم کا تعلق کسی گونگے سے ہو تو اس کی قسم، قابل فہم اشارے سے کافی ہوگی۔ اگر حلف کرنے والے غیر مسلم ہوں تو جناب آیت اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئی کی رائے میں، غیر مسلموں کے اعتقادات کے مطابق حلف لیا جائے گا لیکن آیت اللہ السید روح اللہ الخمینی مسلمان اور کافر سب کے لیے حلف باللہ ہی ضروری جانتے ہیں۔

(۱) المبانی تکملۃ المنہاج، ج ۱ ص ۱۳ تا ۱۸! (۲) تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۵۵۵ تا ۵۵۸

اگر حلف اٹھانے والا، عدالت میں حاضری سے معذور ہے جیسے عورت یا مریض تو قاضی حلف لینے کے لیے اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے

حلف کے لیے عربی زبان ہی ضروری نہیں ہے کسی بھی زبان میں قسم کھائی جا سکتی ہے۔ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ حلف سے پہلے قاضی، حلف اٹھانے والے کو اس کے نتائج و عواقب اور عذاب سے آگاہ کرے۔ [۳]

۱۔ مبانی تکملۃ المنہاج، ج ۱ ص ۲۵تا۲۷، تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۵۵۹،۵۵۹ الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم ص ۳۱۲ !!

قانون شہادت

کسی مقدمے میں بھی گواہی کے بغیر قاضی کے لیے فیصلہ ممکن نہیں ہے۔ اس لیے گواہ کی ان صفتوں کا بیان ضروری ہے جن کی وجہ سے ایک شخص کو گواہ کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ چھ صفات ہیں

گواہ کی صفات: ۱۔ بلوغ ۲۔ کمال عقل ۳۔ ایمان ۴۔ عدالت ۵۔ طہارت مولد ۶۔ ارتفاع تہمت

۱۔ **بلوغ:** بچوں کی گواہی، قتل کے علاوہ کسی مقدمے میں بھی قبول نہیں کی جائے گی اور قتل میں بھی ان کے ابتدائی بیان کی اہمیت ہوگی اور اسی کو قبول کیا جائے گا۔ بلوغ سے مراد بلوغ شرعی ہے، بلوغ قانونی نہیں ہے اس لیے کہ بلوغِ قانون مختلف ملکوں میں مختلف ہے اور اس کا تعین صرف عمر سے کیا جاتا ہے

۲۔ **عقل:** دیوانے، بیوقوف، پیدائشی طور پر اچھے اور برے میں تمیز کی صلاحیت نہ رکھنے والے اور ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جس پر سہو و نسیان غالب ہو۔ تاہم ایسے شخص جس پر جنون کے دورے پڑتے ہوں اور کبھی وہ تندرست ہوتا ہو کبھی پاگل، تو تندرستی کی حالت میں اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی جبکہ قاضی جانچ پڑتال سے یہ

---

(۱) مبانی تکملۃ المنہاج ج ۱ ص ۹۰ تا ۱۰۹، تحریر الوسیلہ ۲ ص ۴۴۰، شرح لمعہ کتاب الشہادت ج ۳ ص ۱۲۵ تا ۱۳۱، شرائع الاسلام ج ۲ کتاب الشہادت ص ۱۲۵ تا ۱۳۲، ۲، الغیہ فی عقائدہم و احکامہم ص ۲۱۶۔

اطمینان کر لے کہ اس کا دماغ درست ہے اور اس کی قوت فہم معیاری ہے۔

۳۔ **ایمان**: غیر مومن کی شہادت قابل قبول نہیں ہے اس لیے عدم ایمان فسق کی دلیل ہے۔ ۔ ۔ ہاں اگر فریقین مقدمہ غیر مسلم ہوں تو ان کی شہادتیں ایک دوسرے کے حق میں یا خلاف قبول کی جائیں گی

۴۔ **عدالت**: نفس انسانی کا ایک ایسا ملکہ ہے جو اس کو گناہ سے باز رکھتا ہے اس کے لیے کسی بھی فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جا سکتی ہے۔

جو لوگ عفیفہ عورتوں پر الزام تراشی کرتے ہیں یا جوئے بازی کے آلات سے شغل فرماتے رہتے ہیں خواہ اس میں شرط ہو یا نہ ہو۔ جو لوگ آلات موسیقی بجاتے رہتے ہیں یا غنا میں مصروف رہتے ہیں یا عالم امن میں ریشمی کپڑے پہنتے ہیں۔ جو لوگ سونے کی بنی ہوئی اشیا۔ انگوٹھی یا بٹن استعمال کرتے ہیں یہ سب فاسق کے حکم میں ہیں اور ان کی شہادت قبول نہیں کی جا سکتی۔

۵۔ **طہارت مولد**: ولد الزنا کی شہادت کسی حالت میں قبول نہیں کی جائے گی خواہ وہ پکا مومن اور یقینی عادل ہی کیوں نہ ہو۔ تاہم ایسے شخص جس کو لوگ حرامزادہ کہتے ہوں لیکن اس کا تفصیلی حال کسی کو معلوم نہ ہو اور وہ معین باپ کی طرف منسوب ہو تو اس کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔

۶۔ **ارتفاع تہمت**: یعنی گواہ پر کسی قسم کا الزام عائد نہ کیا جا سکتا ہو مطلب یہ کہ وہ اپنے فائدے کے لیے یا نقصان سے بچنے کے لیے یا ذاتی عداوت کی وجہ سے کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے گواہی دے رہا ہے۔ اس قسم کے الزام کی صورت میں گواہ کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ یعنی گواہ کو ہر مؤثر الزام اور تہمت سے بری ہونا چاہیے تاہم نسبتی رشتہ داری کی وجہ سے یا گہری دوستی یا دینی اختلاف کی وجہ سے

کسی کی شہادت کو رد نہیں کیا جائے گا۔ دنیاوی امور میں اگر دشمنی ثابت ہو جائے تو دشمن کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

پیشہ ور بھکاریوں کی شہادت بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ رضا کارانہ گواہی یعنی نہ تو گواہ کو مدعی یا مدعی علیہ نے طلب کیا ہے نہ قاضی نے، بلکہ ایک شخص خود ہی شہادت کے لیے حاضر ہوتا ہے تو اس کی شہادت بشرطیکہ اس میں تمام اوصاف شہادت پائے جاتے ہوں۔ اللہ اور انسانوں کے حقوق میں قابل قبول ہوگی۔ یہ مختار آیت اللہ العظمیٰ سرکار السید ابوالقاسم الخوئی مدظلہٗ کا ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا ہے: "لا یبعد قبول شہادۃ المتبرع بھا اذا کانت واجدۃ للشرائط بلا فرق فی ذلک بین حقوق اللہ تعالیٰ وحقوق الناس" ؎

آیت اللہ جناب السید روح اللہ الخمینی مدظلہ حقوق الناس میں رضا کارانہ شہادت کا قبول کرنا ضروری قرار نہیں دیتے مگر یہ کہ وہ مسائل عامہ سے متعلق ہو۔ جیسے مدرسہ اور اسپتال وغیرہ تو ان کے نزدیک ان امور میں رضا کارانہ شہادت قبول کر لی جائے گی۔ حقوق اللہ میں سب علماء متقدمین و معاصرین متفق ہیں کہ یہ شہادت قبول کی جائے گی۔ ؎

شہادت کے مستند ہونے کے ذرائع یا اسباب: گواہی کی کوئی قیمت نہیں ہے اگر گواہ کو اس امر کا یقینی اور قطعی علم حاصل نہ ہو جس میں وہ شہادت دے رہا ہے اور حقیقت کا علم، حواس خمسہ میں سے کسی حاسّہ کے ذریعے ہوتا ہے یا شہرت عامہ کی بنا پر۔

شہادت میں زیادہ تر انحصار مشاہدہ اور سماعت پر ہی ہوتا ہے۔ مشاہدہ کے ذیل میں ان امور کی گواہی آتی ہے جس کو دیکھا جا سکتا ہے جیسے چوری، قتل، زنا وغیرہ۔ سماعت کے دائرے میں وہ امور آتے ہیں جن کا مشاہدہ ممکن نہیں ہے بلکہ سماعت

ہی پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ جیسے نکاح، طلاق، وصیت اور وقف وغیرہ۔
اگر گواہ اندھا ہو تو۔ اگر وہ کسی کی آواز پہچانتا ہو تو اس تعلق میں اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ اگر گواہ بہرا ہو تو شاہداتی امور میں اس کی شہادت درست ہوگی۔ گونگے گواہ کی گواہی، اگر قاضی اس کے اشاروں کا مطلب سمجھتا ہو یا دو عادل گواہ اس کے اشاروں کی حقیقت سمجھائیں تو قابل قبول ہوگی [۱]

وجوب شہادت: جو شخص کسی معاملہ کا علم یقینی و واقعی رکھتا ہو اور اُسے گواہی کے لیے بلایا جائے۔ تو اگر کسی نقصان کا خطرہ نہ ہو تو گواہی دینا واجب ہے اور گواہی سے بچنے کی کوشش کرنا اور حقیقت کو چھپانا جرم ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا (پ بقرہ آیت ۲۸۲) اور گواہ انکار نہ کریں جب وہ بلائے جائیں دوسری جگہ فرمایا ہے:- وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ط وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (پ۳ بقرہ آیت ۲۸۳) اور شہادت کو نہ چھپاؤ، اور جو شہادت کو چھپائے تو اس کا دل یقیناً گنہگار ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

تمام فقہاء کا یہی فتویٰ ہے۔ آیت اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئی فرماتے ہیں لاخلاف فی وجوب اداء الشہادۃ بعد تحملہا مع الطلب اذا لم یکن فیہ ضرر علیہ۔ گواہی کا اہل گواہ جب بلایا

---

[۱] مبانی تکملۃ المنہاج، ج ۱ ص ۱۰۱-۱۰۲ : تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۴۵، شرائع الاسلام کتاب الشہادات ص ۱۳۱، الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم ص ۴۲۲ : [۲] مبانی تکملۃ المنہاج، ج ۱ ص ۱۱۱، تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۴۵ تا ۴۴۶، شرائع الاسلام کتاب الشہادات ص ۱۳۲ [illegible]

جائے تو گواہی دینا واجب ہے جبکہ گواہ کو کوئی نقصان اور ضرر نہ ہو دوسری جگہ فرمایا ہے: ولیس للشاهد ان یکتم شهادته وان علم ان المشهود له یتوصل الی اثبات مدعاه بطریق آخر. نعم ان اثبت الحق بطریق شرعی سقط الوجوب۔ "گواہ کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی شہادت چھپائے اگرچہ وہ یہ جانتا ہو کہ دعوے دار کسی دوسرے وسیلے سے اپنا دعویٰ ثابت کر سکتا ہے۔ ہاں اگر اس کی شہادت کے بغیر، حق کسی شرعی طریقے سے ثابت ہو جائے تو گواہ پر وجوب شہادت نہیں رہے گا۔"

اگر گواہ کو شہادت کے لیے نہ بلایا جائے تو اسے اختیار ہے کہ چاہے شہادت دے یا نہ دے (۱)

ان مسائل کو احادیث کی روشنی میں ملاحظہ کیجیے: عن ابی الصباح عن ابی عبد الله علیه السلام فی قوله تعالیٰ ولا یاب الشهداء اذا ما دعوا۔ قال لا ینبغی لاحد اذا دعی الی شهادة یشهد علیها ان یقول لا اشهد لکم علیها." ابو الصباح کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے آیت قرآن مجید ولا یاب الشهداء اذا ما دعوا کے ذیل میں فرمایا کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ جب وہ کسی معاملہ میں گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ یہ کہے کہ میں اس مسئلہ میں تمہاری گواہی نہیں دیتا۔"

دوسری حدیث میں فرمایا ہے: عن جراح المدائنی عن ابی عبد الله

۱: مبانی تکملة المنهاج، ج ۱ ص ۱۳۹، ۱۴۰، تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۵۴۹ شرائع الاسلام کتاب الشہادات ص ۱۲۷، ۱۲۸، شیعہ فی عقائدهم احکامهم ص ۲۳۲

علیہ السلام قال : اذا دعیت الی الشھادت فاجب" جراح مدائنی کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تمہیں شہادت کے لیے بلایا جائے تو ضرور جاؤ۔" ۲؎

عن محمد بن الفضیل عن ابی الحسن علیہ السلام فی قول اللہ عز وجل ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا فقال اذا دعاک الرجل تشھد لہ علی دین اوحق لم ینبغ لک ان تقاعس عنہ" ۳؎

محمد بن فضیل کہتے ہیں کہ امام رضا علیہ السلام نے قربان خدا ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا کے سلسلے میں فرمایا کہ جب تم کو کوئی شخص قرض یا کسی حق کے بارے میں گواہی دینے کے لیے بلائے تو تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تاخیر کرو اور گھر بیٹھے رہو۔

انہی محمد بن فضیل نے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ : لا ینبغی للذی یدعی الی الشھادۃ ان یتقاعس عنھا۔" جس شخص کو گواہی کے لیے بلایا جائے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ تاخیر کرے اور بیٹھا رہے ۴؎

شہادت کا چھپانا موجب عقاب آخرت ہے اور لائق مذمت ہے

عن جابر عن ابی جعفر علیہ السلام قال قال رسول اللہ : صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم من کیتم شھادۃ او شھد بھا لیھدر بھا دم امرء مسلم او لیزوی مال امرء مسلم اتی یوم

۱؎ وسائل الشیعہ ج ۱۸ صفحہ ۲۲۵ !! ۲؎ وسائل الشیعہ ج ۱۸ صفحہ ۲۲۶ !

القیامۃ وبوجھہ ظلمۃ مد البصر، وفی وجھہ کدوح تعرفہ الخلائق باسمہ ونسبہ ومن شھد شھادۃ حق لیحیی بھا حق امرئ مسلم اتی یوم القیامۃ وبوجھہ نور مد البصر تعرفہ الخلائق باسمہ ونسبہ ثم قال ابو جعفر علیہ السلام الا تری ان اللہ عزوجل یقول: واقیموا الشھادۃ للہِ (۱)" امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص شہادت کو چھپائے یا اس طرح شہادت دے کہ جس کی وجہ سے کسی مسلمان کا خون ضائع ہو جائے یا کسی مسلمان کا مال چھن جائے تو وہ قیامت کے دن اس طرح میدان حشر میں آئے گا کہ حد نظر تک اس کے چہرے کی تاریکی پھیلی ہوئی ہو گی اور اس کے چہرے پر خراشیں ہوں گی اور ساری مخلوق اس کے نام و نسب سے اسے پہچانتی ہو گی اور جو شخص درست شہادت دے تاکہ اس سے کسی مسلمان کا حق ثابت ہو جائے تو قیامت کے دن وہ آئے گا تو اس کے چہرے کا نور حد نظر تک پھیلا ہوا ہو گا اور سب لوگ اسے اس کے نام و نسب سے پہچانیں گے۔ پھر امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے" اللہ کے لیے گواہی قائم کرو۔"

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے: وان سئلت عن الشھادۃ فادھا فان اللہ یقول: اِنَّ اللہ یأمرکم ان تؤدّوا الامانات الی اھلھا وقال ومن اظلم ممن کتم شھادۃ عندہ من اللہ۔" اگر تم سے گواہی کی خواہش کی جائے تو گواہی دو اس لیے کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ:

---

(۱) وسائل الشیعہ: ج ۱۸، ص ۲۲۷ فروع کافی ۷، ص ۳۸۰!!

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اہل امانت کی امانت انکو دے دو اور آپ نے فرمایا اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو شہادت کو چھپائے جو کہ اللہ کی طرف سے اس کی ذمہ داری ہے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا: ومن رجع عن شہادتہ أو کتمھا، اطعمہ اللہ لحمہ علی رؤوس الخلائق ویدخل النار وھو یلوک لسانہ (۱) جو شخص اپنی گواہی سے پھر جائے یا اس کو چھپائے تو خداوند عالم ساری مخلوق کے سامنے اس کا اپنا گوشت اس کو کھلائے گا اور وہ دوزخ میں اس حال میں جھونکا جائے گا کہ وہ اپنی زبان چباتا ہوگا۔

الحسن بن علی العسکری علیہما السلام فی تفسیرہ عن امیرالمومنین علیہ السلام فی قولہ تعالیٰ: ولا یأب الشہداء اذا ما دعوا قال من کان فی عنقہ شہادۃ فلا یاب اذا دعی الاقامتھا ولیقمھا ولینصح فیھا ولا تاخذہ فیھا لومۃ لائم ولیأمر بالمعروف وینھی عن المنکر (۲)

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی تفسیر میں قول خدا "ولا یاب الشہداء اذا ما دعوا" کے سلسلے میں جناب امیر علیہ السلام کا ارشاد بیان فرمایا ہے کہ: جو شہادت کا ذمہ دار ہو اسے جب بھی ادائے شہادت کے لیے بلایا جائے تو انکار نہ کرے اور ضرور گواہی دے۔ اس میں خیر خواہانہ انداز اختیار کرے اور کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کرے بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔

اگر گواہ مقرر نہ کیا جائے: عن ابی عبداللہ علیہ السلام: اذا سمع الرجل الشہادۃ ولم یشھد علیھا فھو بالخیار ان شاء

---

(۱) وسائل الشیعہ ج ۱۸، صفحہ ۲۲۷ (۲) وسائل الشیعہ ج ۱۸، صفحہ ۲۲۸ تا ۲۲۹

شهد وان شاء سکت وقال اذا اشهد لم یکن له الّا ان یشهد[۱]

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ: جب کوئی شخص گواہی سے مکرا ہے خود گواہ مقرر نہ کیا گیا ہو تو اسے اختیار ہے، چاہے گواہی دے، چاہے خاموش رہے لیکن اگر اسے ہی گواہ مقرر کیا گیا ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ شہادت دے۔

عن محمد بن مسلم عن ابی جعفر علیہ السلام قال: اذا سمع الرجل الشہادۃ ولم یشھد علیھا فھو بالخیار ان شاء شھد و ان شاء سکت الّا اذا علم من الظالم فیشھد ولا یحلّ له الّا ان یشھد[۲] امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ: جب کوئی شخص گواہی سے واقف ہو لیکن وہ خود گواہ نہ ہو تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے گواہی دے یا خاموش رہے مگر جب کہ اسے یہ علم ہو کہ صاحب معاملہ کو کسی ظالم سے نقصان پہنچ جائے گا تو اسے چاہیے کہ گواہی دے اور ایسی صورت میں گواہی نہ دینا جائز نہیں ہے۔

گواہی پر گواہی: اگر کسی مقدمہ میں اصلی گواہ شہادت کے بعد مر جائیں یا کسی وجہ سے ان کی شہادت کے متعلق یہ بحث چھڑ جائے کہ انہوں نے گواہی دی ہے یا نہیں تو ہر ایک گواہ کے بدلے دو عادل گواہ شہادت دے دیں کہ اصل گواہ نے یہ شہادت ہمارے سامنے دی تھی تو وہ انسانوں کے حقوق میں خواہ وہ کسی قسم کے بھی ہوں یعنی سزا سے متعلق ہوں جیسے قصاص و دیت یا سزا سے متعلق نہ ہوں جیسے طلاق، قرض اور معاہدے وغیرہ قبول کر لی جائے گی۔ جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے تو جن امور میں حد جاری ہوتی ہے خواہ وہ صرف حقوق الٰہی ہوں جیسے زنا اور لواطہ وغیرہ، یا انسان اور خدا کا مشترک حق ہو جیسے قذف اور سرقہ

۱؎ فروع کافی ج ۲ صہ ۳۸۱، وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۲۳۱ ؛ ۲؎ فروع کافی ج ۲ صہ ۳۸۱، وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۲۳۲

تو شہادت پر شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

تاہم ایسے امور کے تعلق میں جن میں حد جاری نہیں ہوتی ہے شہادت اصلی پر شہادت قبول کر لی جائے گی جیسے زکواۃ، خمس وقف اور رویت ہلال وغیرہ۔

اگر چوری کے مقدمے میں، فرعی گواہ، شہادت دیں تو وہ صرف اس حد تک قبول ہوگی کہ چور سے مال، مالک کو واپس دلوایا جائے گا۔ اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔

شہادت فرعی میں بھی وہ تمام اوصاف ضروری ہیں جو اصل میں ضروری ہیں ہر اصلی گواہ کے لیے دو فرعی گواہ ہونا چاہئیں۔ اگر ایک اصلی گواہ موجود ہو اور وہ فرعی گواہ کے ساتھ مل کر فرعی گواہ کی حیثیت سے گواہی دے تو قابل قبول ہوگی۔ عورتوں کی فرعی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ [1]

جھوٹی گواہی دینا:

جھوٹی گواہی دینا بہت بڑا جرم ہے اس کو گناہان کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے تاہم اگر کوئی بدنصیب جھوٹی گواہی دے دے تو اگر اس کی شہادت پر قاضی حکم دے چکا ہے تو اسے اپنا حکم واپس لے لینا چاہیے اور اگر یہ حکم مال سے متعلق ہے تو صاحب مال کو مال واپس دلوانا چاہیئے اور اگر وہ ضائع کر چکا ہو تو اس کا تاوان دلوائے اور اگر جھوٹی گواہی حدود میں دی گئی ہو اور ان شہادتوں کی وجہ سے کسی کا ہاتھ کاٹ دیا گیا یا قتل یا رجم کر دیا گیا ہو تو گواہوں سے قصاص لیا جائے گا اور قصاص کے ضوابط کو ملحوظ رکھا جائے گا

---

[1] مبانی تکملۃ المنہاج، ج ۱، ص ۱۴۲، تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۷۹ تا ۵۸۰۔ شرائع الاسلام، کتاب الشہادت ص ۱۳۵، الشیعہ فی عقائدھم و احکامھم ص ۲۲۲ :

جناب آیت اللہ العظمیٰ سرکار السید ابوالقاسم الخوئیؒ نے فرمایا ہے :

تحرم الشهادة بغير حق وهي من الكبائر فان شهد الشاهدان بشهادة الزور وحكم الحاكم بشهادتهما ثم ثبت عنده ان شهادتهما كانت شهادة زور ، انتقض حكمه وعندئذ ان كان المحكوم به من الاموال ضمناه ووجب رد العين على صاحبها ان كانت باقية والا غرما وان كان المحكوم به من غير الاموال كقطع اليد والقتل والرجم وما شاكل ذلك اقتص من الشاهدين

(ترجمہ مندرجہ بالا ہے)

اقسام حقوق : اسلامی معاشرے میں کچھ خدائی حقوق ہیں اور کچھ بندوں کے . یعنی حقوق کی دو قسمیں ہیں (۱) حقوق اللہ اور (۲) حقوق العباد

۱. **حقوق اللہ** : حقوق اللہ کے دو حصے ہیں . حصہ اوّل میں وہ حقوق ہیں جو چار مردوں کی شہادت سے ثابت ہوتے ہیں اور وہ تین ہیں (۱) زنا (۲) لواط اور (۳) سحق - زنا سزا کے اعتبار سے دو قسم کا ہے ایک تو وہ ہے جس کوڑے مارے جاتے ہیں دوسرے جس میں سنگسار کیا جاتا ہے . جس زنا میں کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے اس میں تین مرد اور عورتیں یا دو مرد اور چار عورتیں گواہ ہوں تو اس کا ثبوت ہو جاتا ہے لیکن جس زنا کی سزا سنگساری ہے وہ صرف چار مردوں کی شہادت ہی سے ثابت ہو سکتا ہے .

حصہ دوم میں وہ حقوق اللہ ہیں جن کا ثبوت دو دیگر مرد گواہوں کی شہادت سے ہوتا ہے اور اس میں وہ تمام جرم شامل ہیں جو زنا ، لواطے اور سحق کے علاوہ ہیں جیسے چوری ، شراب خوری اور قذف وغیرہ

---

(۱) مبانی تکملۃ المنھاج ، ج ۱ صف ۱۵۵/۱۵۲

حقوق الٰہیہ میں سے کسی حق کے ثبوت کے لیے ایک مرد گواہ اور دو عورتوں، یا ایک مرد گواہ اور قسم، یا صرف عورتوں کی شہادت کافی نہیں ہوا کرتی

۲۔ **حقوق العباد**: حقوق العباد کی تین صنفیں ہیں۔

صنف اول میں وہ حقوق شامل ہیں جن کے ثبوت کے لیے دو مردوں کی شہادت درکار ہوتی ہے اور عورتوں کی شہادت ان کے تعلق میں ناقابل قبول ہے اور یہ طلاق، خلع، وکالت، وصیت، نسب اور رؤیت ہلال ہیں۔

صنف دوم میں وہ حقوق داخل ہیں جو دو مرد گواہوں یا ایک مرد گواہ اور دو عورتوں یا ایک مرد گواہ اور قسم کے ذریعے ثابت ہوتے ہیں اور اس میں تمام مال و قرض سے متعلق معاہدے اور ایسے جرموں کا ارتکاب جن میں دیت لازم ہوتی ہے اور وہ تمام معاہدے داخل ہیں جن میں لین دین یا معاوضہ اور مزدوری شامل ہیں۔

صنف سوم میں وہ امور ہیں جن میں اگر دو مرد گواہی دے دیں تب بھی ان کا ثبوت ہو جاتا ہے یا فقط چار عورتیں گواہی دے دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دے دیں تو ان کا ثبوت ہو جائے گا اور یہ ولادت، استہلال (بچہ کا وقت ولادت رونا) رضاعت یا عورتوں کے باطنی عیوب ہیں (۱)

اجرائے حد کی افادیت و اہمیت:

ہر معاشرہ میں بعض افعال و اعمال کو قبیح اور قابل نفرت سمجھا جاتا ہے اور ان افعال و اعمال میں ارتکاب اور اعادۂ ارتکاب سے روکنے کے لیے قانون بنائے جاتے ہیں لیکن چونکہ یہ قوانین انسانوں کے وضع کردہ ہوتے ہیں اس لیے برائی اور سرکشی کا قلع قمع نہیں کر سکتے بلکہ بعض حالات میں تو قانونی سزا ارتکاب جرم کی تشویش کا سبب بنتی ہے اور موجودہ دنیا کی تمام حکومتوں کے قوانین اور ان کی

---

(۱) جابی تکملۃ المنہاج (ج) اول ص۱۱۸ تا ص۱۲۹

تاثیریں ہمارے سامنے ہیں، کسی ملک میں بھی جرم کا خاتمہ ہونا تو کیا، کمی بھی نظر نہیں آتی۔ جتنے قانون ارتکاب جرم سے روکنے کے لیے بنتے جاتے ہیں اتنا ہی حوصلۂ ارتکاب جرم زیادہ ہوتا چلا جاتا ہے ۔ ۔ ۔ !!!

اس جرم نواز اور جرم پرست دنیا میں اگر جرم اور حوصلۂ جرم کو ختم کیا جا سکتا ہے تو صرف اسلامی سزاؤں کے ذریعے اور ایک مشاہداتی حقیقت ہے کہ اسلامی قرونِ اولیٰ میں جبکہ اسلامی قانون سزا پر عمل کیا جاتا تھا تو شاذ و نادر ہی ارتکاب جرم ہوتا تھا یعنی کوئی بدنصیب اور شقی ترین انسان ہی ارتکاب جرم کرتا تھا۔ ہمارے زمانے میں بھی حجاز میں اسلامی قانون سزا نافذ ہے اور اس کے نتیجے میں وہاں وقوع جرم نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور اب ایران میں بھی اسلامی سزاؤں کے نفاذ کے نتیجے میں ارتکاب جرم محدود ہوتا چلا جا رہا ہے یعنی جنسی جرائم، شراب خوری، ڈاکے اور چوری کا نام و نشان مٹتا جا رہا ہے اس لیے یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ جہاں بھی اسلامی سزائیں نافذ کی جائیں گی جرم و گناہ کا ارتکاب محدود سے محدود تر ہو جائے گا۔ جیسا کہ ماضی اور حال کے مشاہدے سے ثابت ہے اس طرح اجرائے حدود یعنی اسلامی سزاؤں کا نفاذ معاشرے میں طہارت اور پاکیزگی کردار کی بحالی کا سبب بنے گا اور شرافت کی زندگی کا رواج ہوگا

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔

"اقامۃ حد خیر من مطر اربعین صباحا۔" حد کا جاری کرنا چالیس دن کی بارش سے زیادہ سود مند ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا[۱]

---

[۱] مبانی تکملۃ المنہاج، ج ۱ ص ۱۱۸ تا ۱۲۹، تحریر الوسیلہ ۲ ص ۵۷۷ الشیعۃ فی عقائدھم والاسلام محکم ص ۲۲۱، ۲۲۲ شرائع الاسلام کتاب الشہادات ص ۱۴۳ تا ۱۴۷

حد يقام فى الارض انزكى فيها من سطر اربعين ليلة و ايامها " زمین میں اجرائے حد، چالیس دن رات کی مسلسل بارش سے زیادہ نفع بخش ہے۔

ایک دوسری حدیث میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے:

ساعة امام عادل افضل من عبادة سبعين سنة وحد يقام الله فى الارض افضل من مطر اربعين صباحا۔ امام عادل کی زندگی کی ایک ساعت، ستر سال کی عبادت سے افضل ہے اور زمین میں جو کسی مجرم پر حد جاری کی جاتی ہے وہ چالیس دن کی بارش سے زیادہ بہتر ہے۔[۱]

ان احادیث مبارکہ کا منطوق و مفہوم ظاہر ہے کہ امت مسلمہ کو نفاذ و اجرائے حدود کی افادیت و اہمیت کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے بڑے سادہ الفاظ میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ چالیس دن کی بارش سے جو محض مادی منافع انسان کو پہنچتے ہیں، حد کے اجراء سے اس سے کہیں زیادہ مادی روحانی و اخلاقی نفع حاصل ہوتا ہے ظاہر ہے کہ روحانی و اخلاقی منافع کے مقابلے میں فقط مادی فوائد کی کوئی خاص اہمیت اور قیمت نہیں ہے۔

ساری دنیا میں مسلم معاشروں نے صدہا سال خود ساختہ قوانین سے تمسک کر کے اخلاقی و روحانی بیچارگی اور ردیالیپن اور امن و سکون سے محرومی کا عالم دیکھ لیا ہے اس لیے عقل کا تقاضا یہ ہے کہ حدود الٰہیہ کو نافذ کر کے ہر قسم کے اخلاقی اور مادی نقصان سے بچنے کا اہتمام کیا جاتا۔

تاہم اجرائے حد میں ضروری ہے کہ وقوع جرم کا مکمل ثبوت کے سہارے یقین حاصل کیا گیا ہو۔ اگر ثبوت جرم میں کوئی شبہ پیدا ہو جائے تو ہرگز حد جاری نہ

---

[۱] فروع کافی ج ۷، ص ۱۷۵ تا ۱۷۶ وسائل الشیعہ ج ۱۸، ص ۳۰۸

کی جائے ۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :۔
ادرأوا الحدود بالشبہات ۔" شبہات کی وجہ سے حدود کو دفع کردو یعنی ترک کردو ۔ اس لیے عدالت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس تعلق میں مکمل احتیاط سے کام لے ورنہ شبہ کے باوجود سزا دے دی گئی تو قاضی ماخوذ اللہ ہوگا

لہ : وسائل الشیعہ ج ۱۸ کتاب الحدود ص ۳۳۶ !!

حدِّ زنا و توابع زنا

کی قانونی تفصیل سے پہلے جنسی جرائم کے
وقوع کے علل و اسباب پر ایک نظر

جنسی کج روی کے اسباب

جنسی جذبہ اور اس کا وقتاً فوقتاً ہیجان انسانی فطرت اور جبلت کا عطیہ اور کرشمہ ہے اور اس کی تسکین کے لیے قدرت ہی نے انسان کو دو صنفوں میں تقسیم کر کے ایک دوسرے کی طرف میلان اور جھکاؤ اور اس کے نتیجے میں اتصال کو قرار دیا ہے۔ بعض نفس پرست حکماء نے جنسی جذبے کو بھوک اور پیاس کا مماثل قرار دے کر اس کی تسکین کے لیے کسی ضابطے اور قاعدے کی پابندی ضروری نہیں سمجھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ حکماء ذہنی طور پر اتنے جنس زدہ تھے کہ وہ عقل کے اس تقاضے کو بھی فراموش کر گئے کہ بھوک پیاس کا حیاتی مقصد خرچ شدہ طاقت کی بحالی کے سہارے بقائے ذات ہے۔ جب کہ جنسی جذبہ کی تسکین میں تولید نسل کے واسطے سے نسل انسانی کا تسلسل مقصود ہے بھوک پیاس، انسان کے وجود کے ساتھ آتی ہے اور موت کے وقت تک جاری رہتی ہے۔ لیکن جنسی جذبہ عمر کی ایک خاص حد پہ پیدا ہوتا ہے اور ایک خاص مرحلہ میں جا کر ختم ہو جاتا ہے لہٰذا جزوی مماثلت اور مشابہت کے سہارے جنسی جذبہ کی آزاد تسکین کا حکم لگا دینا تقاضائے عقل نہیں ہے اس لیے کہ خود کھانے پینے میں بھی انسان یہ مناسب اور جائز نہیں جانتا کہ وہ گلی سڑی چیزوں کو کھائے۔ گندی نالی کا پانی پیئے یا ایسے برتنوں سے پانی پی لے جن میں پیشاب رکھا گیا ہو۔ کسی دوسرے کا جھوٹا کھانا بھی کوئی انسان مناسب نہیں سمجھتا تو پھر جنسی جذبہ کی تسکین کے لیے قواعد اور ضوابط سے بے نیاز ہو جانا کس طرح مناسب ہو سکتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ؟ یہی وجہ ہے کہ انسان تاریخ کے ہر دور اور موڑ پہ ہر انسانی معاشرہ جنسی وظائف کی انجام دہی کے لیے کچھ قواعد و ضوابط کو لازمی

سمجھا رہا ہے۔ دنیا کے وحشی سے وحشی قبائل میں بھی ایسی رسمیں اور رواج موجود ہیں جو جنسی وظائف کی تعمیل و تکمیل کے لیے دستور کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت بڑی درد ناک ہے کہ انسانی تاریخ کا کوئی دور، جنسی کجروی اور جنسی انارکی کے واقعات سے خالی نہیں ہے بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ما قبل اسلام جتنے معاشرے ابھرے اور جن علاقوں میں تہذیب و تمدن نے ترقی کی وہاں جنسی کج روی بھی ارباب علم و اقتدار کی سرپرستی میں پھلتی پھولتی رہی۔ یونان کے بہت سے فلاسفر اور طوائفوں کے والہ و شیدا تھے اور آزادانہ ان کی تعریف و توصیف کے نغمے الاپا کرتے تھے۔ یونان کے بعض حکماء تو اتنے جنس زدہ تھے کہ وہ حیوانوں کی طرح بازاروں اور میلوں ٹھیلوں میں بھی برسر عام جنسی فعل کے ارتکاب میں تذبذب اور تکلف کا شکار ہونا تو کیا اس کا عریاں مظاہرہ ضروری سمجھتے تھے۔ رومن ایمپائر جب اپنی ترقی کے عہد شباب سے گذر رہی تھی تو بڑے بڑے حمام اور مکان جنسی رنگ رلیوں کے لیے آراستہ پیراستہ رہتے تھے۔ برطانیہ وغیرہ میں سرکاروں درباروں کا تو ذکر کیا ہے مقدس صلیبی جنگوں میں بھی ہزاروں عورتیں فوجیوں کی جنسی تسکین کے لیے موجود رہتی تھیں۔ روس میں باقاعدہ حکومت کی سرپرستی میں جنس کا کاروبار ہوتا تھا اور "پیلے پٹے" کے نام سے جنس فروش عورتوں کو اپنا کاروبار جاری رکھنے کا (لائسنس) دے دیا جاتا تھا۔ فرانس کے شاہی دربار میں سینکڑوں طوائفیں اپنی چھل بل دکھا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے آزاد تھیں۔ قیاصرہ کے زمانے کے جرمنی میں جنسی بے راہروی پر کوئی پابندی نہیں تھی اور ہٹلر کے زمانے میں تو عورت کا یہ فرض قرار پا گیا تھا کہ وہ جس طرح سے بھی ہو جرمن سپاہیوں سے ہم آغوش ہو کر زیادہ سے زیادہ جرمن نسل کے بچے پیدا کرے۔ مصر، بابل اور نینوا کی تہذیبوں میں بھی جنس کی کج روی پر کوئی قدغن نہ تھی۔ عرب کی سرزمین ایام جاہلیت میں بداخلاقیوں کی آماجگاہ تھی۔ بڑے بڑے سردار، بیسوا عورتوں سے بے باکانہ

ربط رکھتے تھے۔ جنس فروش عورتوں میں سے اکثر جو زیادہ باوقار سمجھی جاتی تھیں "جھنڈے والیاں" کہلاتی تھیں۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور صحابیات میں سے کئی ایک بلند مرتبہ اور مقتدر افراد، ایام جاہلیت میں رنگ رلیوں میں مصروف اور اس پر مفتخر رہے تھے۔ ایشیائی ملکوں میں ہندوستان بھی جنسی انارکی میں کسی سے پیچھے نہ تھا۔ یونان کی طرح یہاں بھی مندروں اور بت خانوں میں دیوداسیاں اور پجارنیں مذہب میں لپٹی ہوئی ہوس کا نشانہ بنتی تھیں۔ ہندوستان میں یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے جاپان میں اچھے سے اچھے گھرانوں کی لڑکیاں بھی زینت بازار بنتی ہیں۔ جن محل نما مکانوں میں یہ لڑکیاں رہتی ہیں ان کو "یوشی وارا" کہا جاتا ہے اور یہ لڑکیاں "جی شیا گرلز" کہلاتی ہیں۔ یہ کاروبار زیادہ تر حکومت کی نگرانی میں چلتا ہے اور کچھ "یوشی وارا" نجی ملکیت میں ہیں۔ "جی شیا گرلز" سے شادی جاپان میں کوئی عیب نہیں ہے۔ بڑے سے بڑا آدمی "جیشیا گرل" سے شادی کر لیتا ہے اور اس کے معاشرتی مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ان لڑکیوں کو گانے بجانے کی تعلیم اور خاص طور پر ناز و نخرہ کی تربیت دی جاتی ہے۔ امریکہ میں عام طوائفوں کے علاوہ آج کل "وکٹری گرلز" کی کثرت ہے "وکٹری گرلز" وہ لڑکی کہلاتی ہے جو تعلیم حاصل کرکے ملازمت یا کسی کاروبار میں شامل ہونے کے لیے دفتر و بازار میں آجاتی ہے اور زن و مرد کے عمومی اختلاط کی وجہ سے جنسی کج روی کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ آج کل باقاعدہ پیشہ ور طوائفوں کے مقابلے میں یہ خانگی لڑکیاں بدرجہا زیادہ تعداد میں سامانِ عیش و نشاط بنتی ہیں (مندرجہ بالا معلومات امریکہ کے مشہور قلم کار مسٹر ڈائی سن کارٹر کی کتاب "سن اینڈ سائنس" سے لی گئی ہیں۔ قارئین تفصیل کے لیے اصل کتاب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں)

افسوسناک اور شرمناک پہلو اس صورتحال کا یہ ہے کہ ان نام نہاد مہذب اقوام میں جنسی بے راہروی بذاتِ خود عیب نہیں سمجھی جاتی۔۔۔!!! اگر اس کیخلاف

کبھی کوئی مہم چلائی جاتی ہے تو وہ صرف اس کے نتائج، سوزاک، آتشک اور دیگر بیماریوں سے بچنے کے لیے چند امریکن فوجیوں کو تقریباً پانچ کروڑ ماہانہ حفاظتی ٹیکے لگائے جاتے ہیں (یعنی حفاظتی ٹیکہ لگانے کے بعد ان کو زنا کاری کی کھلی اجازت ہے) گویا مہینہ میں پانچ کروڑ بار صرف فوج کے سپاہی جنسی خرافات میں مبتلا ہوتے ہیں، باقی ماندہ امریکن قوم کا جنسی اعمال نامہ اسی سے سمجھا جا سکتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ !!!
کچھ عرصہ ہوا نام نہاد مہذب قوموں کے سرتاج برطانیہ نے ہم جنسی کو بھی قانونی تحفظ دے دیا ہے۔ پہلے بھی زنا اور خلاف وضع فطرت۔ انگریزوں کے معمولات میں تھے لیکن جمہوریت کی نئی تفسیر و تعبیر کے تحفظ کے لیے ہم جنسی کو قانوناً سند جواز دے دی گئی۔ زنا بالرضا ان اقوام میں کبھی بھی قابل تعزیر تو کیا، لائق نفرت و مذہب بھی بن رہا ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک انفرادی آزادی میں مداخلت ہے۔!!
قیامت ہے کہ پاکستان کی تعزیرات میں بھی ۳۷۰ وغیرہ کے تحت صرف زنا بالجبر کو قابل تعزیر دیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اقوام عالم نے کبھی بھی جنسی بے راہروی کو قابل نفرت نہیں سمجھا اور جنسی کج روی اختیار کرنے والوں کو کبھی معاشرہ میں بے وقعتی کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا۔ اسی وجہ سے جنسی انارکی کا یہ طوفان بڑھتے بڑھتے ہم جنسی کے جواز تک جا پہونچا۔ جہاں تک مذاہب عالم کا تعلق ہے تو یہ درست ہے کہ زیادہ تر مذاہب نے جنسی بے راہ روی کی مذمت کی ہے اور اس کو جرم اور گناہ قرار دیا ہے لیکن تعزیر کی حد تک سارا زور صرف شادی شدہ عورتوں کے خلاف صرف کیا گیا ہے۔ مردوں کو اس فعل شنیع پر قابل سزا نہیں گردانا گیا ہے۔ بعض مذاہب ایسے بھی ہیں جنہوں نے غیر قانونی صنفی اختلاط کی ہمت افزائی کی ہے یا ایسے وسائل اختیار کیے ہیں کہ جن سے غیر قانونی جنسی اختلاط کی ہمت افزائی ہو جیسے گرجا گھروں میں

ہ ننز" کا قیام یا مندروں میں "دیوداسیوں" کی اقامت - ظاہر ہے کہ یہ لڑکیاں اپنے فطری میلانات کو فنا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں. جبکہ پادریوں اور مہنتوں کا ایک ٹولہ اپنی ضرورت کے تحت ان کے استحصال کی طرف متوجہ رہتا ہے تاہم نوعِ انسانی کے اس طوفانِ بدتمیزی میں یقیناً خداوندِ عالم عز شانہ' کی طرف سے آئے ہوئے نبیوں، رسولوں اور دیگر اولیاء اللہ کے علاوہ ان کے متبعین نے عفت کے تحفظ کا ہر زمانہ میں مظاہرہ کیا اور جنسی جذبات کے ہیجانات کی تسکین کے لیے قواعد وضوابط مرتب کیے اور انسانی معاشروں کو دیئے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ قواعد وضوابط اتنے جامع، مؤثر اور حاوی نہ تھے کہ جنسی بے راہروی کے خاتمہ کے امکانات پیدا ہو سکتے. اسلام دنیا کا پہلا اور آخری دین ہے جس نے جنسی بے راہروی کو روکنے کے لیے ایسے جامع قواعد مرتب کیے جن کو قبول اور تسلیم کر لینے کے بعد انسان مکروہات کا شکار ہو ہی نہیں سکتا.

جنسی عوامل کو روکنے اور ختم کرنے کے لیے اسلام نے جو قواعد وضوابط انسانیت کو دیئے ہیں اور جو ہدایت وراہنمائی فرمائی ہے ان کی تفصیلات میں جانے سے پہلے یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ یہ سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ انسان جنسی بے راہروی کا مرتکب کیوں ہوتا ہے... ؟؟؟!

علل واسباب :-

ہزاروں برس سے انسانی معاشرہ جنسی بے راہروی کی لت اور علت میں گرفتار ہے. شخصی خاندانی، جسمانی، روحانی بیماریوں اور تباہیوں میں مبتلا ہونے کے باوجود انسان بغاوت پسند کیوں ہے... ؟!- اہل مذہب کے

پند و نصائح پر مشتمل وعظ، مضامین اور کتابیں معاشرتی اصلاح پسندوں کی تلقینات اور مقالات، مصلحین قوم کے شرافت افروز اقدامات، طبیبوں اور ڈاکٹروں کی صحت افزا تجاویز اور مشوروں کے ہوتے ہوئے جنسی کج روی سیلاب اور طوفان کی طرح کیوں بڑھتی رہی ہے ...... صاحبان نظر کا احساس یہ ہے کہ اس صورت حالات کا کوئی ایک سبب نہیں ہے۔ یہ ایک سماجی بلائی ہے اور تہ در تہ عوامل اس کا سبب ہیں۔ جب تک جنسی کج روی کے تمام اسباب و محرکات کو ختم نہیں کیا جائے گا اس وقت تک محض تعزیری قوانین کے سہارے یا وعظ و پند اور نیک مشورے کے وسیلے سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا...... !!

آئیے! جنسی کج روی کے اسباب پر سرسری نظر ڈال لیجئے۔

۱۔ بدکاری کو عیب نہ سمجھنا۔

۲۔ بے روک ٹوک صنف قوی وضعیف کا اختلاط۔

۳۔ انمل، بے جوڑ اور غیر متوازن شادیاں۔

۴۔ شادی کے غیر ضروری اور بھاری بھرکم اخراجات۔

۵۔ نوجوانوں کی شادی بیاہ میں غیر معمولی تاخیر۔

۶۔ دینی و مذہبی تلقینات سے بے خبری اور عام انسانی اخلاق سے ناواقفیت۔

۷۔ ہیجان خیز لٹریچر کی اشاعت

۸۔ تھیٹروں اور سینماؤں میں بے حیائی پر مشتمل تصاویر اور تماشوں کی نمائش

۹۔ رقص و سرود کی پرستاری و سرپرستی۔

۱۰۔ نیم عریاں لباس کی ہمت افزائی اور اس کا رواج۔

۱۱۔ بعض گھرانوں کی عفت کے کاروبار پر گذر بسر۔

۱۲۔ عفت کی تجارت سے کچھ لوگوں کو غیر معمولی منافع کا حصول۔
۱۳۔ مانع حمل آلات وادویہ کی ایجاد اور ان کا وسیع پروپیگنڈہ۔
۱۴۔ غیر متوازن معیشت
۱۵۔ غیر مؤثر اور غیر متوازن اجتماعی قوانین کی تشکیل
۱۶۔ اجتماعی قوانین نافذ کرنے والے اداروں کی کورچشمی اور بے بصری۔

بہتر ہوگا کہ مذکورہ اسباب ومحرکات پر فی الجملہ تفصیلی نظر ڈال لی جائے ساتھ ہی یہ بھی نوٹ کر لیا جائے کہ اسلام ان مسائل میں کیا ہدایات دیتا ہے اور جنسی بے راہ روی سے بچنے کے لیے کیا لائحہ عمل تجویز کرتا ہے

۱۔ بدکاری کو عیب نہ سمجھنا:

موجودہ دور کی نام نہاد مہذب دنیا میں کسی قسم کی جنسی کج روی کو بھی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ زنا اور دیگر جنسی قبائح میں گرفتار افراد کو معاشرہ میں بے وقعتی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ بعض حالات میں تو فاحشاؤں اور فاحشہ نوازوں کی خاطر مدارات اور تعظیم وتکریم کی جاتی ہے۔ جب تک گناہ سے نفرت اور گناہگاروں سے بیزاری معاشرتی زندگی میں ایک جیتے جاگتے کردار کی شرکت نہ اختیار کرے گی اس وقت تک جنسی بے راہروی کے شاہکار تیار کرنے والوں کو اپنی حرکات سے باز ... کی کیا ضرورت ہے ......؟ کسی بیماری کا علاج صرف اسی وقت کیا جاتا ہے جب پہلے سے اسے قابل نفرت اور باعث ضرر قرار دیا جاتا ہے۔ بیماری سے بیزاری کا فقدان عدم علاج کا سبب بنے گا اور بیماری کے پھیلاؤ کا وسیلہ

اسلام نے جنسی بے راہروی اور ہر طرح کے گناہ کو بذات خود قابل نفرت

و بیزاری اور مرتکبین کو بھی لائق نفرت و سزا قرار دیا ہے۔ قرآن کریم نے واضح لفظوں میں قرار فرمایا ہے

ولا تقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃً وساء سبیلا ٥

اور تم زنا کے نزدیک نہ پھٹکو (یعنی دل میں زنا کا خیال بھی نہ آنے دو) یقیناً وہ بے شرمی اور بہت برا طریقہ ہے (۱)

قرآن کریم کی مذکورہ آیات نے قطعاً واضح طریقہ پر زنا کو فعل شنیع اور قبیح قرار دے دیا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے

فی الزنی یورث خصال ثلاث فی الدنیا وثلاث فی الاخرۃ فاما اللواتی فی الدنیا فیذھب بنور الوجہ ویقطع الرزق و یسرع الفنی واما اللواتی فی الآخرۃ فغضب الرب وسوء الحساب والدخول فی النار والخلود فیھا (۲) "زنا کی چھ تاثیریں ہیں۔ تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ دنیا میں زنا کے چہرے کی رونق ختم ہو جاتی ہے، رزق کم ہو جاتا ہے اور عمر کوتاہ ہو جاتی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ناراضگی تکلیف دہ حساب، آگ میں داخلہ اور وہاں ہمیشہ کی رہائش ہے۔"

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک دوسری حدیث میں ہے

الا ومن زنی بامرأۃ مسلمۃ او یھودیۃ او نصرانیۃ او مجوسیۃ، حرۃ او امۃ ثم لم یتب منہ ومات مصرا علیہ فتح اللہ لہ فی قبرہ ثلاث مائۃ باب تخرج منھا حیات وعقارب وثعبان النار فھو یحترق الی یوم القیامۃ

---

(۱) بنی اسرائیل آیہ ۳۲ (۲) تفسیر منہج الصادقین ج ۵ ص ۲۷۹ تہران۔

فاذا بعث من قبرہ تأذی الناس من نتن ریحہ فیعرف بذلک وبما کان یعمل فی دار الدنیا حتی یؤمر بہ الی النار (۱) یاد رکھو کہ جو شخص بھی کسی مسلمان، یہودی عیسائی یا مجوسی عورت سے خواہ وہ آزاد ہو یا کنیز زنا کرے گا اور توبہ نہ کرے اور یہی حرکت کرتا ہوا مر جائے تو خداوند عالم اس کی قبر میں تین سو ایسے دروازے کھول دے گا جن میں سے آگ کے سانپ، بچھو اور اژدھے نکلیں گے۔ پس وہ قیامت تک جلتا رہے گا اور جب حشر کے دن وہ اپنی قبر سے اٹھایا جائے گا تو لوگ اس کی بدبو سے اذیت میں مبتلا ہو جائیں گے اور اسی سے وہ پہچان لیا جائے گا کہ یہ زانی ہے، اور جو کچھ دنیا میں کرتا تھا اس کا بھی لوگوں کو علم ہو جائے گا۔ آخر کار اُسے دوزخ میں ڈالنے کا حکم دے دیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے: الزنی یورث الفقر ویدع الدیار بلاقع (۲) "زنا تنگدستی پیدا کرتا ہے اور آبادیوں کو ویران کر دیتا ہے"

آپؐ نے یوں بھی ارشاد فرمایا ہے: لن یعمل ابن آدم عملاً اعظم عند اللہ عز وجل من رجل قتل نبیاً او ھدم الکعبۃ التی جعلھا اللہ قبلۃ لعبادہ او افرغ ماءہ فی امرأۃ حراماً (۳) خداوند عالم کے نزدیک ابنائے آدم کے گناہوں میں سب سے بڑے گناہ (تین) ہیں۔ کسی نبی کو قتل کرنا یا کعبہ کو ڈھانا یا کسی عورت کے ساتھ زنا کرنا

---

(۱): من یحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۶ طبع تہران۔ (۲) من یحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۱۳ تہران (۳) من یحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۱۲۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: اذا زنی الزانی خرج منہ روح الایمان فان استغفر عاد الیہ - جب زانی زنا کرتا ہے تو روح ایمان اس میں سے نکل جاتی ہے لیکن اگر توبہ کرے تو واپس آجاتی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بھی بیان فرمائی ہے: لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن ولا یشرب الشارب حین یشرب وھو مؤمن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن (۱) کوئی مؤمن، حالت ایمان میں زنا نہیں کر سکتا۔ کوئی شرابی مومن نہیں رہتا جبکہ وہ شراب پی رہا ہو، کوئی چور چوری کرتے ہوئے مومن نہیں رہتا

زبان معصوم سے زنا اور مرتکب زنا کے قابل نفرت و بیزار ہونے کے تعلق میں مذکورہ احادیث کے ذریعے اتنی تیز روشنی پڑتی ہے کہ کسی کو مجال انکار تو کیا زنا کے قابل نفرت ہونے میں معمولی سا شبہ بھی عارض نہیں ہو سکتا۔

ہم جنسی خواہ وہ صنف قوی کی ہو یا صنف نازک کی اسلامی نقطۂ نظر سے انتہائی گندے اور ناپسندیدہ افعال ہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

ولوطا اذ قال لقومہ أتأتون الفاحشۃ ما سبقکم بہا من احد من العالمین ٥ انکم لتأتون الرجال شھوۃ من دون النسآء بل انتم قوم مسرفون ٥ وما کان جواب قومہ الا ان قالوا اخرجوھم من قریتکم انھم اناس یتطھرون (۲)

(۱) من یحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۱۴ (۲) ص الاعراف آیۃ ۸۰ تا ۸۲

• اور لوط کو بھی ہم نے بھیجا تو اس نے اپنی قوم سے کہا • کیا تم ایسی بدکاری کرتے ہو جو تمام جہانوں میں سے کسی ایک نے بھی تم سے پہلے نہیں کی • تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر شہوت رانی کے لیے آتے ہو؟ ! بلکہ تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو • اور اس کی قوم کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا تم انہیں اپنی بستی سے نکال دو یقیناً یہ لوگ پاک بنتے ہیں"۔ اس آیت میں ہم جنسی کو لفظ "فاحشہ" سے تعبیر کیا گیا ہے جو قرآن کی زبان میں بدترین عمل کو کہا جاتا ہے۔

حذیفہ بن منصور نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے لواطے کے متعلق دریافت کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ذلک الکفر بما انزل اللہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۱) یہ جرم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ہے (یعنی پوری شریعت اسلامیہ) کا انکار ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ ارشاد بیان فرمایا ہے: ذلک

لو کان ینبغی لاحد ان یرجم مرتین لرجم اللوطی (۲) اگر یہ ممکن ہوتا کہ کسی مجرم کو دو مرتبہ رجم کیا جائے تو ہم جنسی کے مرتکب کو (دو مرتبہ) رجم کیا جاتا

حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من جامع غلاماً جاء جنباً یوم القیامۃ، لاینقیہ ماء الدنیا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ جہنم وساءت مصیراً (۳) جو شخص کسی لڑکے سے منہ کالا کرتا ہے تو وہ قیامت کے دن جنب اٹھے گا اسے دنیا کا پانی پاک نہیں کرتا۔ خدا کا اس پر غضب ہے اور لعنت ہے

(۱، ۲) تہذیب الاحکام ج ۱۰ ص ۵۳ تہران (۳) الشیعہ فی عقائدہم واحکام ص ۲۱۳ کویت ۔

اور اللہ نے اس کے لیے دوزخ مہیا کر رکھا ہے اور وہ بد ترین ٹھکانہ ہے۔

عورتوں کی ہم جنسی بھی اسی طرح انتہائی گھناؤنا جرم ہے۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: باللواتی مع اللواتی التی لعنہا اللہ والملائکۃ ومن بقی فی اصلاب الرجال وارحام النساء وھن فی النار وعلیھن سبعون حلۃ من نار وھو الزنی الاکبر (۱) ہم جنسی کا ارتکاب کرنے والی عورتیں ان عورتوں میں سے ہیں جن پر اللہ اس کے فرشتے، مردوں کی صلبوں اور عورتوں کے رحموں میں موجود نسلیں لعنت کرتی ہیں۔ شب ورود زمیں ہوں گی اور ان کو آگ کے ستر لباس پہنائے جائیں گے اور یہ مغل شنیع، زنائے اکبر ہے

قرآن کریم میں اصحاب رس کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ اس قوم کے مرد اور عورتیں ہم جنسی کے مریض تھے اسی لیے ان کو ہلاک کر دیا گیا (۲)

(۱) الشیعہ فی عقائدہم واحکام صدہ ۲۳ (۲) پ ۱۹ الفرقان آیت ۳۸ تفسیر مجمع

نام نہاد مہذب اقوام میں یہ ناشائستہ حرکات عام ہیں اور ان وحشیانہ اعمال کی ترویج و کثرت میں شراب خوری اور سؤر خوری کو بنیادی دخل ہے۔ شراب کو تو اسلام نے "اُمّ الخبائث" قرار دیا ہے اور شراب خوار اقوام بھی اس کے اثرات بد پر چیخ اٹھی ہیں اور امتناعِ شراب کے لیے رنگ برنگی تحریکیں شروع کر دی گئی ہیں۔ ہم اس کی تفصیلات سے مبحث "شراب خواری" میں گفت گو کریں گے

اب رہ گئی سؤر خوری تو یہ اپنی جگہ پر مسلّم ہے کہ انسانی اخلاق پر غذاؤں کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے اسی لیے اسلام نے اغذیہ میں حرام و حلال کا خطِ امتیاز کھینچ دیا ہے اور حرام اغذا کے استعمال کی شدت سے مخالفت کی ہے۔ سؤر خوری اسلام میں سختی سے بتاکید اکید ممنوع کی گئی ہے لیکن نام نہاد مہذب یورپین اقوام سؤر خوری کو جدید تہذیب کی معراج سمجھتی ہیں اور اس کی تاثیروں کے نتیجے میں انتہائی بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ جنسی کج روی کا شکار ہوتی ہیں۔

حیوانات کے جنسی وظائف اور کردار کا مطالعہ کرنے والے محققین و مختصین نے واضح طور پر بتایا ہے کہ عالمِ حیوانات میں صرف خنزیر ایک ایسا جانور ہے جو جنسی جذبہ کے ہیجان کے وقت نر و مادہ کی تمیز سے اندھا ہو جاتا ہے اور زنر سے آلودہ ہو جاتا ہے مفعول سے بھی بچنے کی کوشش نہیں کرتا اور رکاوٹ نہیں ڈالتا۔ ظاہر ہے کہ جو قومیں سؤر کا گوشت مزے لے لے کر کھاتی ہیں وہ اس کی تاثیر کے تحت ہم جنسی میں آلودہ ہوتی رہتی ہیں۔ انگریز بہادر اور اطالویوں نے تو (HOMESEXOULALATY) ہوم سیکسوؤلیٹی) کو قانونی طور پر سندِ جواز عطا کر دی ہے اور اب اس نام نہاد مہذب معاشرہ میں یہ خنزیری فعل معیوب نہیں ہے۔ غیر سؤر خور اقوام میں بھی کہیں کہیں یہ فعل رائج تھا اور اب زیادہ رواج پاتا جا رہا ہے اس کو یا تو نام نہاد مہذب اقوام سے میل جول اور ان کی دنیاوی چمک دمک سے مرعوبیت کا ردِ عمل سمجھنا چاہیئے یا پھر ایسے لوگوں کے نفوس

میں کسی نہ کسی طرح خنزیر پر گھٹنا بیٹھا ہوتا ہے ۔۔۔۔!! بہر حال سور خور اقوام میں ہی اس فعل شنیع کی کثرت اور اس کا جواز و استحسان پایا جاتا ہے ۔۔۔۔!

یہ شرمناک حقیقت کتنی دل ریش ہے کہ بعض مسلم ممالک میں صاحبان اقتدار و دولت خنزیر خوری کو رواج دینے لگے ہیں۔ ان ممالک کے ہوٹلوں میں کسی سچے مسلمان کے لیے تفریح ممکن نہیں رہا ہے۔ یہ دولت اور اقتدار کے نشہ میں مست عقل باختہ لوگ اسلامی حرمت خنزیر کے یہ رکیک اور تاویل کرتے ہیں کہ" وہ سور جو حرام قرار دیا گیا تھا وہ گندے ماحول میں پرورش پاتا تھا۔ آجکل تو سور حفظان صحت کے اصولوں کی روشنی میں پالے جاتے ہیں ۔۔۔" !! اس قسم کے لوگ یہ سوچنا بھول جاتے ہیں کہ عنوان پرورش کے بدل جانے سے لحم خنزیر کی فطری تاثیریں کیسے ختم ہو جائیں گی۔؟؟؟ ! اسلامی ضابطہ حرمت لحم خنزیر، عنوان پرورش سے متعلق نہیں ہے بلکہ خنزیر کو مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے خواہ اسے کسی عنوان سے پالا اور کھایا جائے۔ اس سور خوری کا مسلم ممالک میں بھی وہی کچھ ردعمل ظاہر ہونے لگا ہے جو یورپین اقوام کی پیشانی کا سیاہ ترین داغ ہے۔

۲۔ بے روک ٹوک صنف قوی و ضعیف کا اختلاط

جنسی بے راہ روی کے اسباب و وسائل میں عورت اور مرد کا بے روک ٹوک اور آزادانہ میل جول ایک بنیادی سبب اور وسیلہ ہے۔ مشاہدہ اس حقیقت کا گواہ ہے کہ جن معاشروں میں عورت مرد کے اختلاط پر کوئی قدغن اور پابندی نہیں ہے وہ جنسی انارکی کا زیادہ شکار ہیں۔

ماضی کی تاریخ کا مطالعہ بھی اس حقیقت کی واضح نشاندہی کرتا ہے اور موجودہ دنیا کا حال تو آنکھوں کے سامنے ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور فرانس وغیرہ کے جنسی معاملات سے متعلق تحقیقاتی کمیشنوں کی رپورٹوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عام لڑکی اور اسکول، کالج کی طالبات تک مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کے نتیجے میں تقاذ۹۹ فیصد جنسی بے راہ روی

کا شکار ہو جاتی ہیں ۔ ان نام نہاد مہذب معاشروں میں باکرہ لڑکی کا
وجود عنقا ہو چکا ہے ۔ ظاہر ہے کہ جب آگ اور آتش گیر مادّے کو کسی
رکاوٹ کے بغیر ایک دوسرے کی نزدیکی اور قربت کے امکانات مہیا
کئے جائیں گے تو شعلے بھڑکیں گے اور آگ لگے گی ۔۔۔ عورت اور مرد
کا اختلاط آگ اور آتش گیر مادّے کے اتصال کے حکم میں ہے جہاں
بھی عورت اور مرد ذہنی یا خارجی تحفظات کے بغیر ملیں گے وہیں سے
بے راہ روی کی ہمت افزائی ہوگی ۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت
ہے کہ جن اقوام و ملل میں عورت اور مرد کے میل جول پر کچھ پابندیاں عائد ہیں
وہاں شاذ و نادر ہی جنسی بے راہروی کے واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں
عورت اور مرد کے ایک دوسرے کی طرف جھکاؤ کو تمام دنیا کے
اہل علم و عقل نے انسانی فطرت کا تقاضا تسلیم کیا ہے ۔ داخلی جذبات
و ہیجانات ہی کے ردعمل کے طور پر یہ صورتِ احوال پیدا ہوتی ہے خارجی
موثرات اس میں شدّت اور تندی پیدا کر دیتے ہیں ۔ ہمارے چھٹے امام
حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے : اربعة لا يشبعن من اربعة
الارض من المطر والعين من النظر والانثى من الذكر والعالم من
العلم [1] چار چیزیں کبھی چار چیزوں سے سیر نہیں ہوتیں ۔ زمین بارش سے
آنکھ نظر بازی سے ، مادہ نر سے اور عالم علم سے ۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے : ان المرأة خلقت
من الرجل وانما همتها في الرجال فاحبسوا نساءكم [2] عورت مرد
ہی سے پیدا ہوئی ہے یقیناً اسکا دل و دماغ مردوں ہی میں الجھا رہتا ہے
اس لئے اپنی عورتوں کو پابند خانہ رکھو ۔

اسی لئے اسلام نے انسانی معاشرہ کو اس بیماری اور قباحت سے بچانے کیلئے

---

[1] خصال صدوق باب ۴ حدیث ۲۷ تہران [2] وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۱۴۲

عورت اور مرد کے آزادانہ اختلاط کو ممنوع قرار دیا ہے اور طرح طرح کی پابندیاں عائد کی ہیں۔ عورت کے لیے پردہ بھی اسی وجہ سے لازم اور ضروری قرار دیا گیا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو مخاطب کرتے ہوئے ہر مسلمان عورت کو پردے کے متعلق ہدایت کی گئی ہے: وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولی (۲۲) اپنے گھروں میں قیام پذیر رہو اور دور جاہلیت کی طرح اپنی زیب و زینت کی نمائش نہ کرتی پھرو۔" یعنی عورت کی اصلی جگہ گھر ہے۔ اگر کسی ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلے تو اس انداز سے کہ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔ دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے: یا ایها النبی قل لأزواجك وبناتك ونساء المومنین، یدنین علیهن من جلابیبهن ذلك ادنی ان یعرفن فلا یوذین (۲۳) "اے پیغمبر اپنی بیویوں، لڑکیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ جب وہ گھروں سے باہر نکلا کریں تو اپنے اوپر بڑی چادریں ڈال لیا کریں۔ اس طرح ان کی شرافت کا اظہار ہو جائے گا اور وہ پریشان نہ جائیں گی" یعنی عورت مرد کے اختلاط سے بچنے کے لیے بہترین ذریعہ یہ ہے کہ عورتیں گھروں ہی میں رہیں اور اگر کسی ضرورت کے لیے باہر نکلیں تو باپردہ نکلیں۔

ایک اور جگہ فرمایا ہے: قل للمؤمنین یغضوا من ابصارهم ویحفظوا فروجهم ذلك ازکی لهم ان الله خبیر بما یصنعون۔ وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارهم ویحفظن فروجهن ولا یبدین زینتهن الا لبعولتهن او آبائهن او آباء بعولتهن او ابنائهن او ابناء بعولتهن او اخوانهن او بنی اخوانهن او بنی اخواتهن

۲۲: پ الاحزاب آیت ۳۳۔

۲۳: پ احزاب آیہ ۵۹۔

أو نسائهن أو ما ملكت أيمانهن أو التابعين غير أولي الإربة من الرجال أو الطفل الذين لم يظهروا على عورات النساء ولا يضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن وتوبوا إلى الله جميعاً أيه المؤمنون لعلكم تفلحون (۱) اے رسولؐ! ایمان لانے والے مردوں کو حکم دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنے آپ کو بدکاری سے بچائیں۔ یہ ان کے نفسوں کو پاک رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے اور اللہ ان کے کردار سے خوب واقف ہے اور مومنہ عورتوں کو بھی حکم دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور بدکاری سے بچیں اور اپنی آرائش میں سے کسی چیز کو ظاہر نہ کریں مگر یہ کہ جس کا ظہور قہری ہو اور ان کو اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھنا چاہئیں اور ان کو چاہیئے کہ اپنا سنگار کسی پر ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوند کے یا اپنے باپ داداؤں کے یا اپنے خاوندوں کے باپ داداؤں کے، یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے یا اپنی ہم عقیدہ عورتوں کے یا ان لونڈیوں کے جن کے مالک ان کے داہنے ہاتھ ہیں یا مردوں میں سے ان نوکروں کے جن کو عورتوں کی کوئی حاجت نہیں یا ان نابالغ لڑکوں کے جو ابھی عورتوں کی پردہ کی باتوں سے واقف نہ ہوئے ہوں اور وہ اپنے پاؤں اس لیے زمین پر مار کر نہ چلیں کہ ان کا وہ بناؤ سنگار جسے وہ چھپائے ہوتی ہیں ظاہر ہو جائے۔ اور اے ایمان والو تم سب خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ

مذکورہ ہدایات سے متعلق معمولی اشتباہ کے بغیر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام نامحرموں کو ایک دوسرے سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ یہ حقیقت ہر شخص کو معلوم ہے کہ فساد کی ابتدا نظر بازی سے ہوتی ہے اسی لیے آنکھ بچانے کی ہدایات کے ساتھ

(۱) پ ۱۸ النور آیت ۳۱ - (۲) من یحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۱۱ تہران

ساتھ گناہ سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے یعنی نظریں متصادم نہیں ہونگی تو خواہش کے امکانات بھی پیدا نہیں ہوں گے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا ہے: النظرة سهم من سهام ابليس مسموم من تركها الله عز وجل لا بغيره اعقبه الله ايمانا يجد طعمه (۱)

"نامحرم پر نظر ڈالنا شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو شخص محض خدا کی خوشنودی کے لیے اس حرکت سے باز رہے تو خداوند عالم اس کو بطور جزا ایسا ایمان عطا فرمائے گا جس کا مزہ اسے محسوس ہوگا۔ آپؑ ہی نے دوسری حدیث میں فرمایا ہے: النظرة بعد النظرة تزرع في القلب الشهوة و كفىٰ بها لصاحبها الفتنة (۲)"

"تاکا جھانکی دل میں احساس شہوت کو بالیدہ کر دیتی ہے اور یہ، نظر باز کو فتنہ میں مبتلا کر دینے کے لیے کافی ہے۔"

جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی علیہ السّلام سے فرمایا:
يا علي اوّل نظرة لك والثانية عليك ولا لك (۲) اے علی! اتفاقاً کسی پر نظر پڑ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن نظر کی تکرار جرم ہے۔"
دوسری روایت میں اس طرح سے فرمایا ہے: لكم اوّل نظرة من المرءة فلا تتبعوها بنظرة اخرى واحذروا الفتنة (۳) عورت پر اتفاقاً نظر پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن نظر کے تسلسل اور تکرار کا ارتکاب نہ کرو اور فتنوں سے بچو۔

غرضیکہ نامحرموں کا ایک دوسرے کو دیکھنا قطعاً ممنوع ہے کہ اسی سے فساد

---

(۱) من لا يحضره الفقيه ج ۴ ص ۱۱ تہران (۲): من لا يحضره الفقيه ج ۴ ص ۱۱ تہران، تفسیر المیزان ج ۱۵ ص ۱۲۶، تفسیر صافی ج ۲ ص ۱۲۶ تہران (۳) تفسیر صافی ج ۲ ص ۱۶۹ تہران

کی بنیاد پڑتی ہے۔ عورتوں کو نظر میں نظر ڈال کر دیکھنا تو بڑی چیز ہے عورت کی پشت پر بھی نظر ڈالنا ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ لباس اوقات اس ہیئت کی تاثیر سے بھی فتنے پیدا ہو جاتے ہیں۔

ابو بصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا: الرجل تمر بہ المرأة فینظر الی خلفھا؟ قال أیسر احدکم ان ینظر الی اھلہ وذات قرابتہ؟ قلت لا! قال فارض للناس ما ترضاہ لنفسک (۱) ایک آدمی کے پاس سے عورت گذرتی ہے تو کیا اس شخص کے لیے یہ درست ہے کہ اس عورت کی پشت پر نظر ڈالے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کیا تمھیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ تمھاری بیوی اور دیگر قرابت دار عورتوں کے ساتھ یہی سلوک ہو؟ ابو بصیر نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا: جو اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لیے پسند کرو۔" حماد بن عثمان نے امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد بیان کیا ہے: انہ قال: ما یأمن الذین ینظرون فی ادبار النساء ان یبتلوا بذلک فی نساءھم (۲) کہ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ دوسری عورتوں کی پشت پر نظر ڈالتے ہیں وہ اپنے عورتوں کی پیٹھوں کو دیکھے جانے سے محفوظ نہیں ہیں۔ مطلب واضح ہے کہ عورتوں کا چہرہ تو کیا ان کی پیٹھ کو بھی نہ دیکھا جائے۔

وروی صفوان بن یحییٰ عن ابی الحسن علیہ السلام فی قول عزوجل "یا أبت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین" قال: قال لھا شعیب علیہ السلام: یا بنیۃ ھذا قوی قد عرفتیہ برفع الصخرۃ، الامین من أین عرفتیہ؟ قالت: یا أبۃ انی مشیت قدامہ فقال: امشی من

۱- من یحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۱۲ تہران (۲) من یحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۱۲ تہران (۳) من یحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۱۲ تہران

خلفي فان ضللت فارشدني إلى الطريق فانا قوم لا ننظر من أدبار النساء (۳) حضرت امام رضا علیہ السلام نے قرآن کی اس آیت "اے ابا جان ان کو مزدوری پر رکھ لیجئے اس لیے کہ اجرت پر رکھنے کے لیے بہترین آدمی وہ ہے جو قوی امین ہو" کے ذیل میں فرمایا کہ جناب شعیب علیہ السلام نے اپنی لڑکی سے کہا کہ اے بیٹی یہ شخص قوی ہے۔ یہ تو تم نے اس وجہ سے جان لیا کہ اس نے ڈول کھینچ کر پانی پلا دیا، لیکن یہ تم نے کیسے جانا کہ یہ امین بھی ہے؟! اس نے جواب دیا کہ اے ابا جان میں اس کے آگے چلی تو اس نے کہا کہ میرے پیچھے چلو۔ اگر میں راستہ بھولوں تو میری رہنمائی کر دینا اس لیے کہ ہم ایسے لوگ ہیں جو عورتوں کی پیٹھوں کی طرف نہیں دیکھتے۔"

یہ تو تھا آنکھوں والوں کے لیے ایک دوسرے کو نہ دیکھنے کا ضابطہ۔ اسلام تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ کوئی آنکھوں والا کسی اندھے کو دیکھے۔ عن أم سلمة قالت كنت عند النبي صلى الله عليه وآله وسلم وعنده ميمونة فأقبل ابن أم مكتوم وذلك بعد أن أمرنا بالحجاب فقال: احتجبا! فقلنا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم أليس أعمى لا يبصرنا؟ قال: أفعمياوان انتما؟ ألستما تبصرانه؟؟؟ (۱) جناب مسلمہ علیہا السلام فرماتی ہیں کہ میں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھی اور میمونہ بھی تھیں کہ اتنے میں ابن ام مکتوم آئے (اور یہ واقعہ حکم حجاب نازل ہونے کے بعد کا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں پردہ کر لو۔ ہم نے عرض کیا اے خدا کے رسول کیا یہ اندھے نہیں ہیں؟ یہ تو ہمیں نہیں دیکھ سکتے؟! تو آپ نے فرمایا کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم اس کو نہیں دیکھتی ہو۔۔۔۔؟؟!۔

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۷ صہ ۲۷، تفسیر المیزان ج ۱۵ صہ ۱۲۶۔ تفسیر منہج الصادقین ج ۶ صہ ۲۹۵،

تفسیر منہج الصادقین میں بیان کیا گیا ہے کہ روزے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در حجرہ فاطمہ علیہا السلام بود، عبد اللہ ابن ام مکتوم در بزد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود در آئی! وسلے در آمد۔ فاطمہ علیہا السلام برخاست و پنہاں شد چوں ابن مکتوم از نزد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیروں آمد فاطمہ علیہا السلام نزد پدر بزرگوار آمد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر سبیل امتحان فرمود کہ ای فاطمہ چرا از ابن مکتوم پنہاں شدی؟ وی چشم ندارد و چیزی نمی بیند؟! آں خاتون دو جہاں علیہا السلام فرمود یا رسول اللہ اگر او چشم ندارد، من چشم دارم پس اگر او مرا نمی بیند من وی را خواہم دید و حق تعالیٰ فرمودہ: قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود: الحمد للہ الذی اری فی اھل بیتی ما سرنی[1]: ایک دن جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمہ علیہا السلام کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ عبد اللہ ابن ام مکتوم نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضور نے ان کو اجازت دی اور وہ آگئے تو جناب فاطمہؑ اٹھ کر پردہ میں ہو گئیں۔ جب ابن ام مکتوم چلے گئے تو جناب فاطمہؑ والد بزرگوارؐ کے پاس آگئیں۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹیؑ سے امتحاناً پوچھا کہ اے فاطمہؑ! تم نے ابن مکتوم سے کیوں پردہ کر لیا۔ اس کی آنکھیں ہی نہیں ہیں۔ وہ تو کچھ بھی نہیں دیکھتا...؟ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے عرض کیا اے خدا کے رسولؐ! اگر وہ نابینا ہے تو میری تو آنکھیں ہیں۔ اگر وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا تو میں تو اسے دیکھ سکتی ہوں۔ اور ارشاد خداوندی ہے کہ "مومنات سے کہو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں (یعنی پردہ کریں) اور اس کی دلیل جناب فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کا عمل ہے) آپؑ نے اس آیت کی روشنی میں ایک نابینا سے بھی پردہ فرمایا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ وہ میرے اہل بیت میں ایسی باتیں دکھاتا ہے جس سے مجھے خوشی و شادمانی حاصل ہوتی ہے۔

۱۔ منہج الصادقین ج ۶ ص

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے فرزندارجمند امام حسن علیہ السلام کو عورتوں کے متعلق تحریر فرمایا: واکفف علیھن من ابصارھن بحجابک ایاھن فان شدۃ الحجاب خیر لک ولھن من الارتیاب ولیس خروجھن باشد من دخول من لا یوثق بہ علیھن، فان استطعت أن لا یعرفن غیرک من الرجال فافعل (۱) "اور ان کی نگاہوں پر پابندی عائد کرو، ان کو پردے میں رکھو کیونکہ اس لیے کہ ان پر پردہ کی سختی تمہارے اور ان کے دونوں کے لیے غلط فہمیوں سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہے اور ان کا باہر نکلنا اتنا سخت نہیں ہے جتنا سخت ناقابل اعتماد لوگوں کا ان کے پاس آنا ہے۔ تو اگر تم ایسا انتظام کر سکو کہ وہ مردوں میں تمہارے علاوہ کسی کو نہ پہچانیں تو یہ کر گذرو"

خاتونِ جنت جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے اسلامی معاشرے کو فساد سے بچانے کے لیے کس قدر موثر وسیلہ جناب امیر علیہ السلام کی زبانی عطا فرمایا ہے: خیر للنساء ان لا یرین الرجال ولا یراھن الرجال (۲) عورتوں کے لیے بہترین بات یہ ہے کہ وہ مردوں کو نہ دیکھیں اور نہ مرد انھیں دیکھیں۔

تصادم انظار کے علاوہ عورت سے ہاتھ ملانا بھی فساد کا سبب ہو سکتا ہے اس لیے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو بھی منع کر دیا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من صافح امرأۃ تحرم علیہ فقد باء بسخط من اللہ عز وجل (۳) جو شخص کسی نامحرم عورت سے مصافحہ کرے تو وہ قہر الٰہی میں گرفتار ہو جاتا ہے" ایک دوسری جگہ فرمایا ہے: ولا یجوز للمرأۃ أن تصافح غیر ذی محرم الا من وراء ثوبھا (۴) عورت کے لیے نامحرم سے مصافحہ کرنا، ہاتھ پر کپڑا لپیٹے بغیر جائز نہیں ہے۔ جناب

(۱) وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۴۱ (۲) وسائل الشیعہ ج ۷، ص ۴۳ (۳) من یحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۸ تہران (۴) وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۱۹۳

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عورتوں سے بیعت لیا کرتے تو ہاتھ نہیں ملاتے تھے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عورتوں سے بیعت لینے کا تذکرہ فرماتے ہوئے اُم حکیم کے استفسار کے جواب میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان دھرایا ہے : فقالت یا رسول اللہ کیف نبایعك ؟ فقال انی لا اصافح النساء . فدعا بقدح من ماء فادخل یده ثم اخرجها فقال : ادخلن ایدکن فی هذا الماء فهی البیعة (۱) اُم حکیم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم آپ کی بیعت کیسے کریں ؟ آپؐ نے فرمایا . میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملا کرتا . پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی سے بھرا ہوا ایک پیالہ منگوایا پھر اس میں اپنا ہاتھ ڈال کر نکال لیا اور فرمایا اس پانی میں ہاتھ ڈال دو یہی تمہاری بیعت ہے .

بسا اوقات نامحرموں کی باہم گفتگو بھی جنسی ہیجانات کے سبب ہو جاتی ہے اس لیے حضور پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے نامحرم مرد سے بات کرنے کو بھی منع ہے : قال امیر المومنین علی علیہ السلام ونهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أن تتکلم المرأة عند غیر زوجها أو غیر ذی محرم منها اکثر من خمس کلمات مما لا بد لها منه (۲) امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اپنے شوہر اور محرموں کے علاوہ دوسروں سے پانچ کلمات سے زیادہ باتیں کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ پانچ جملے بھی صرف مجبوری کی حالت میں جائز ہیں ." اور وہ بھی پردے کے اندر سے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا : واذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب ذلکم اطهر لقلوبکم وقلوبهن (۳) اور اگر تمہیں رسول اللہ کی بیویوں سے کوئی

۱- وسائل الشیعہ ج ۷ صـ ۱۵۴ (۲) من لا یحضره الفقیہ ج ۴ صـ ۳ نیز اُدوسائل الشیعہ ج ۷ صـ ۱۵۴ (۳) الاحزاب آیتہ ۵۳

چیز مانگنا ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگو، یہ تمہارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزگی بخش طریقہ ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی" جب حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کے لیے یہ حکم ہے جو ماں کے حکم میں ہیں (یعنی کہ ان سے نکاح حرام ہے) تو عام عورتوں سے گھل مل کر باتیں کرنے کی اجازت کا تصور کہاں پیدا ہوتا ہے ...!!

اسلام نے عورت اور مرد کی نزدیکی کے نتائج سے انسانی معاشرے کو بچانے کے لیے یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ جہاں عورت بیٹھی ہو اور وہ اٹھ جائے تو اس وقت تک مرد وہاں نہ بیٹھے جب تک کہ وہ جگہ ٹھنڈی نہ ہو جائے۔ جیسا کہ فرمایا:

واذا قامت المرأة بمجلسها فلا یجوز للرجل ان یجلس حتی یبرد (۱)

عورت کی آواز بھی بہت سے قبائح کا سبب بن جاتی ہے اس لیے قرآن کریم نے ہدایت کی ہے کہ عورتیں لچدار باتیں نہ کریں جیسا کہ فرمایا گیا ہے: فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولاً معروفاً (۲) "اور بات میں لوچ پیدا نہ کرو جس کی وجہ سے کوئی منافق غلط آسرا لگا بیٹھے اور جو بات بھی کرو نیک کرو۔"

عورت اور مرد کو فساد سے بچانے کے لیے عورتوں سے اذان واقامت اور جمعہ و جماعت کو ساقط کر دیا گیا ہے جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے: لیس علی النساء اذان ولا اقامة ولا جمعه ولا جماعة (۳)

یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت اور مرد کا ایک دوسرے سے دور رہنا وقوع فساد سے محفوظ رہنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اسی طرح عورت اور مرد کا بلا تکلف ایک دوسرے سے ملنا جلنا جنسی بے راہ روی کے ظہور کا ایک بہت بڑا وسیلہ ہے اسی لیے مخلوط تعلیم کو ختم کیا جانا چاہیے اس لیے کہ مخلوط تعلیم نوجوان لڑکیوں اور

(۱) وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۱۶۳، (۲) پ ۲۲ الاحزاب آیہ ۳۲، (۳) وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۱۹۲

لڑکوں کے آزادانہ میل جول کا خطرناک ذریعہ ہے۔ نام نہاد متمدن اقوام و ممالک مخلوط تعلیم کے نتائج، جس ہولناک انداز میں بھگت رہے ہیں اخبارات میں ان کی اشاعت ہوتی رہتی ہے۔ مسلمان ممالک میں بھی مخلوط تعلیم کے نتائج ہولناک ہی ہیں، اس لیے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے لیے بالکل جداگانہ تعلیمی ادارے ہونا چاہئیں

فطرت نے عورت اور مرد کو صلاحیتیں مختلف بخشی ہیں۔ پھر ان کی یکساں تعلیم اور اس کے نتیجے میں مخلوط تعلیم کا جواز ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔۔!! لڑکیوں کے فطری قویٰ اور ان کا دائرہ کار، ان کے فرائض اور ذمہ داریاں بالکل مختلف ہیں۔ اس لیے مخلوط تعلیمی اداروں کا کوئی عقلی جواز بھی موجود نہیں ہے لہٰذا عقل و شرع کی روشنی میں جلنسی کج روی سے محفوظ رکھنے کے لیے لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے تعلیمی اداروں کو الگ کر دینا ضروری ہے۔ جب نماز جماعت میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ مخلوط ہو کر شریک ہونے کی اجازت نہیں ہے جبکہ مرحلہ عبادت میں نفس تقدس کی طرف مائل ہوتا ہے تو تعلیمی اداروں میں نوجوان لڑکیوں کے فطری قویٰ اور ان کا دائرہ کار۔ ان کے فرائض اور ذمہ داریاں بالکل مختلف ہیں اس لیے مخلوط تعلیمی اداروں کا کوئی عقلی جواز بھی وجود میں نہیں ہے لہٰذا عقل و شرع کی روشنی میں جلنسی کج روی سے محفوظ رکھنے کے لیے لڑکوں اور لڑکیوں کے تعلیمی اداروں کو الگ کر دینا ضروری ہے۔ جب نماز جماعت میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ مخلوط ہو کر شریک ہونے کی اجازت نہیں ہے جب کہ مرحلہ اجازت میں نفس تقدس کی طرف مائل ہوتا ہے تو تعلیمی اداروں میں نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کو پہلو بہ پہلو کس طرح بٹھایا جا سکتا ہے۔

۳۔ **انمل، بے جوڑ اور غیر متوازن شادیاں:** مختلف انسانی معاشروں کا مشاہدہ گواہ ہے کہ غیر متوازن شادیاں بہت بڑی حد تک جلنسی کج روی کو تحریک دے دیتی ہیں۔ ایک بوڑھے مرد سے ایک کم عمر لڑکی کی وابستگی یا ایک پختہ عمر کی

عورت سے ایک نوجوان کا نکاح جنسی اور ذہنی تسکین کا سامان مہیا نہیں کرتا۔ اور اگر معاشرے میں عورت مرد کے میل ملاقات پر غیر معمولی پابندیاں نہ ہوں۔ جنسی بے راہ روی سے بچنا مشکل ہی ہوتا ہے

غیر متوازن شادیاں کبھی تو مال و دولت کے لالچ میں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ اور کچھ تبادلہ کے رواج کے طفیل میں اسلام نے مال و دولت کے لیے شادی کرنے کو بُرا سمجھا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: من تزوج امرأة یرید مالها الجاه الله إلی ذلك المال (۱) جو شخص کسی عورت سے مال کے لیے شادی کرے تو خداوند اسے اس مال کا محتاج بنا دیتا ہے۔" جناب جابر بن عبد اللہ نے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا ہے: من تزوج امرأة لمالها وکلہ اللہ الیہ ومن تزوجها لجمالها رأی فیها ما یکرہ ومن تزوجها لدینها جمع اللہ لہ ذلك (۲) جو شخص کسی عورت سے اس کی خوبصورتی کی وجہ سے شادی کرے تو ضرور اس میں ناپسندیدہ بات دیکھے گا اور اگر کسی عورت سے اس کے دیندار ہونے کی وجہ سے شادی کرے تو خداوند عالم یہ اس کے لیے یہ سب کچھ اکٹھا کر دیتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر نفسانی اور روحانی رجحانات کو نظر انداز کر کے شادی کی جائے گی تو طرفین میں محبت اور انس کا پیدا ہونا ایک حد تک ناممکن ہوگا۔ رواج کے مطابق لڑکیوں کا تبادلہ اکثر حالات میں جو ہولناک نتائج پیش کرتا ہے وہ ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ تبادلہ کے پرستار خاندان سے شاید لڑکیوں کو انسان ہی نہیں سمجھتے۔ اسی لیے کبھی کم عمر لڑکے کے ساتھ کھنچی ہوئی عمر کی لڑکی باندھ دی جاتی ہے اور کبھی دادا جان کی عمر کے دولہا میاں کے حوالے نوخیز لڑکی کر دی جاتی ہے۔

(۱) وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۳۰ (۲) وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۳۱

اس صورت حالات میں دوسرے معاشرتی مفاسد کے علاوہ جنسی بے راہ روی کے امکانات کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی بناء پر حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: النکاح رق فاذا انکح احدکم ولیدتہ فقد ارقھا فلینظر احدکم لمن یرق کریمتہ (۱) نکاح ایک کی غلامی ہے چنانچہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیٹی کا نکاح کرتا ہے تو وہ گویا اسے کنیزی میں دے دیتا ہے۔ اس لیے تم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ اپنی لڑکی کو کس کی کنیزی میں دے رہا ہے۔۔۔۔؟!

قال الصادق علیہ السلام انما المرأۃ قلادۃ فانظر الی ماتقلدہ: عورت تو گلے کا ہار ہوتی ہے لہٰذا تمہیں غور کرنا چاہیے کہ کس کے گلے میں ہار پہنا رہے ہو۔ یعنی اپنے احساسات اور جذبات کی تسکین کے لیے اپنے اغراض کے حصول کے لیے لڑکیوں اور لڑکوں کو قربانی کا بکرا نہ بناؤ بلکہ سوچ سمجھ کر ان کے رشتے کرو۔ ذہنیت کی مطابقت کا بھی خیال رکھا جائے سن وسال کی مناسبت بھی نظر انداز نہ ہو تاکہ نئے جوڑے کی زندگی پر سکون ماحول میں گذرے اور کسی کو بھی دین اور معاشرے کے قوانین سے کھیلنے کی ضرورت پیش نہ آئے رشتہ ازدواج وقتی کھیل نہیں ہوتا یہ روحوں کی کامیابی یا ناکامی اور خوشی یا غم کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اس کو پورے غور وخوض اور تلاش وتجسس کے بعد پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہیے۔

حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: اذا جاءکم من ترضون خلقہ ودینہ فزوجوہ، الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر (۳) جب تمہارے پاس ایسا شخص پیغام لے

---

(۱) وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۵۲ (۲) فروغ کافی ج ۵ ص ۳۳۲ (۳) فروغ کافی ج ۵ ص ۳۴۷ وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۵۱

کرائے جس کی دینداری اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے شادی کر دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں عظیم فساد اور فتنہ برپا ہو جائے گا۔ ارشاد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب واضح ہے کہ رشتے ناطوں میں اخلاق اور دین کو ملحوظ رکھا جائے مال و دولت اور جاہ و حشم کو ہدف انتخاب بنایا جائے تو معاشرہ میں فتنہ و فساد کے امکانات ہی مہیا ہوں گے۔

کم سنی کی شادی کو بھی اسی لیے اسلام نے پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا ہے کہ اس میں محبت و مودت اور ذہنی ہم آہنگی کے امکانات کم ہی ہوتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ منزل شباب تک آتے آتے ایک دوسرے سے بیزاری اتنی بڑھ جائے کہ نکاح کا رسی بندھن باقی رہنے کے باوجود اِدھر اُدھر تسکین کے وسائل تلاش کیے جائیں۔۔۔۔!!

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے کچھ لوگوں نے کہا! انا نزوج صبیاننا وھم صغار۔ ہم اپنے بچوں کی شادی کم سنی ہی میں کر دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا اذا زوجوا وھم صغار لم یکادوا ان یاتلفوا (۱) اگر بچوں کی شادی کم سنی میں کر دی جائے تو عین ممکن ہے کہ ان میں باہم الفت پیدا نہ ہو۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ کھیل کود میں لڑیں جھگڑیں اور وقتی نزاع۔ مستقل بن جائے یا ایک دوسرے کی عادات کو پسند نہ کریں اور نتیجہ میں نفرت پیدا ہو جائے۔

غرضیکہ بچپنے کی شادی بھی عدم توازن کو جنم دے سکتی ہے اس لیے اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔ اگرچہ اسلام نے سن و سال میں توازن کو نظر انداز کرنے کی مخالفت نہیں کی ہے لیکن اسلام کی ہدایات اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل کا تقاضا یہی ہے کہ شادی بیاہ میں سن و سال کی مناسبت کو ملحوظ رکھا جائے۔

---

(۱) فروغ کافی ج ۵ ص ۳۹۸ ، وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۴۲

اس لیے کہ اگر کسی بوڑھے کے ساتھ کسی نوجوان لڑکی کا رشتہ کر دیا گیا تو جنسی یا ذہنی ناآسودگی اپنا رنگ دکھائے گی ۔۔۔۔ !!

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی پارۂ جگر جناب فاطمہ علیہا السلام کے رشتہ کے متعلق میں دیگر امور کے علاوہ سن و سال کی مناسبت کو بھی ملحوظ رکھا تھا۔ جیسا کہ حدیث و تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے "عن بریدۃ قال خطب ابوبکرؓ و عمرؓ فاطمۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھا صغیرۃ ثم خطبھا علیؑ فزوجھا منہ (۱)" بریدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جناب فاطمہ علیہم السلام کا رشتہ مانگا تو آپ نے جواب دیا کہ وہ کم سن ہے۔ پھر حضرت علی علیہ السلام نے درخواست کی تو ان کے ساتھ سیدہ عالمیان علیہم السلام کی شادی کر دی۔" یعنی جناب فاطمہ علیہا السلام شادی کے قابل تھیں۔ کم سنی کا عذر خواستگاروں کی سنی کے مقابلے میں تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ خاتون جنت سلام اللہ علیہا کے رشتہ سے انکار کے ذیل میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دوسری وجوہ کا ذکر نہیں کیا بلکہ کم سنی کا تذکرہ فرمایا کہ امت حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس اسوہ حسنہ کو اپنی بچیوں کی شادی میں سامنے رکھے۔ اس لیے کہ اس انکار کے چند ہی روز کے اندر ہی جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ کر دی تھی کہ دیگر مناسبات کے علاوہ جناب کا سن و سال بھی مناسب تھا۔

ایک واقعہ بھی ہمیں سامنے رکھنا چاہیے کہ جب عرب کے کئی ایک شرفاء

(۱) مشکوٰۃ مترجم ج ۳ ص ۲۶۹ حدیث ۱۰۳ طبع ۵ کراچی : مناقب ابن شہر آشوب حالات جناب فاطمہ علیہا السلام ص ۱۱۱ ممبئی ۔!

نے جناب فاطمہ علیہا السلام کا پیغام دیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ لوگوں کا تذکرہ جناب معصومہ کونین سلام اللہ علیہا کے سامنے کیا جن کا ذکر جناب امیر علیہ السلام کی درخواست کے موقع پر فرمایا۔ قد خطبھا قبلک رجال فذکرت ذلک لھا فرایت الکراھۃ فی وجھہا[1] علی تم سے پہلے کچھ لوگوں نے مجھے فاطمہؑ کا پیغام دیا تھا (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ مراد نہیں ہیں اس لیے کہ ان کے پیغام کو جناب سیدہ کی کم سنی کے حوالے سے مسترد فرما چکے تھے) میں نے ان کا ذکر فاطمہؑ کے سامنے کیا تو اس کے چہرے میں مجھے بیزاری کے آثار نظر آئے لہٰذا میں نے ان کو منع کر دیا۔ اب میں تمہارے بارے میں بھی اپنی بیٹی کی مرضی معلوم کرتا ہوں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ علیہا السلام کے پاس تشریف لے گئے اور کہا: پیاری بیٹی میں نے خدا سے درخواست کی تھی کہ وہ بہترین مرد کو تمہارا شوہر بنائے۔ علی ابن ابی طالبؑ تمہاری خواستگاری کے لیے آئے ہیں۔ تم ان کے فضائل اور کمالات سے واقف ہو تمہاری کیا رائے ہے؟ جناب معصومہ علیہا السلام کے چہرے پر شرم وحیا کی کیفیتیں پیدا ہو گئیں اور آپؑ خاموش رہیں لیکن سکوت کے ساتھ چہرۂ مبارک پر دلی اطمینان کے آثار ابھر آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر سکوتھا اقرارھا، فاطمہؑ کی خاموشی اس کا اقرار ہے۔ جناب فاطمہ علیہا السلام کی مرضی محسوس کر کے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کے پاس گئے اور ان کا پیغام قبول فرما لیا۔ اور یہ دونوں پاک وپاکیزہ ہستیاں رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دی گئیں ما حضور حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل سے واضح ہوتا ہے کہ سن وسال کے تناسب کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ لڑکی سے استمزاج بھی ضروری ہے کہ وہ بھی اچھا رائے کر سکے۔ اور ازدواج کی عملی زندگی میں اپنی رائے کے پیش نظر والدین ہی کی بنیں

۱۔ بحار الانوار ج ۴۳ ص ۹۳: حیات تحریم آیت ۵۔

اپنی ذمہ داری بھی محسوس کرے۔ جو لوگ لڑکیوں سے صرف نکاح کے وقت مرضی پوچھنے جاتے ہیں وہ لڑکی کے ساتھ انصاف نہیں کرتے۔ یہ اقدام نکاح سے کچھ عرصہ پہلے پیغام کے ساتھ ہی مناسب ذرائع سے کیا جائے تاکہ لڑکی بلاخوف و خطر اپنی رائے کا اظہار کر سکے۔

غرضیکہ اسلام ہر لحاظ سے متوازن شادیوں کی ہمت افزائی اور انمل بے جوڑ رشتوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

۴۔ شادی کے غیر ضروری اور بھاری بھرکم اخراجات اور
۵۔ نوجوانوں کی شادی میں غیر معمولی تاخیر

شادی کے غیر ضروری اور بھاری بھرکم اخراجات، بعض حالات میں لڑکوں اور لڑکیوں کے رشتوں میں غیر معمولی تاخیر کا سبب ہو جاتے ہیں۔ اسلام زندگی کے ہر شعبہ میں سادگی کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ شادی بیاہ میں بھی سادگی اسلامی شیوہ ہے۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبوب بیٹی حضرت فاطمہ علیہا السلام کی شادی بہت ہی سادہ طریقے سے انجام دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام پر کوئی غیر معمولی بوجھ نہیں پڑا اور اسی لیے کسی قسم کی تاخیر روا نہیں رکھی گئی۔ بھاری بھرکم جہیز اور بری کے لیے لڑکوں اور لڑکیوں کے رشتوں کو معرض التوا میں ڈالتے رہنا جانبی بے راہ روی کو راستہ دینا ہے۔

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ اسلام شادی بیاہ میں تعجیل چاہتا ہے اسی لیے بذات خود نکاح کی طرف ترغیب و تحریص کے سلسلے میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے: تزوجوا فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من احب ان یتبع سنتی فان من سنتی

التزویج (۱) شادیاں کرو اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری سنت کی پیروی کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ شادی کرے کہ یہ میری سنت ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ما یمنع المومن ان یتخذ اھلاً لعلّ اللّٰہ یرزقہ نسمۃ تثقل الارض بلا الٰہ الاّ اللّٰہ (۲) کیا چیز مومن کو شادی کرنے سے روکتی ہے ...؟ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایسا بچہ عطا فرما دے جو زمین کو لا الٰہ الاّ اللہ سے بھر دے

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ما بنی بناء فی الاسلام احب الی اللہ عز وجل من التزویج اسلام کے دستوروں میں سے اللہ کو "شادی کرنا" بہت ہی پسند ہے۔ شادی کی طرف زیادہ سے زیادہ راغب کرنے کے لیے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: رکعتان یصلیھا المتزوج افضل من سبعین رکعۃ یصلیھا الاعزب (۳) شادی شدہ کو دو رکعت نماز کا ثواب، غیر شادی شدہ کی ستر رکعتوں کے ثواب سے زیادہ ہے۔

دنیا کے بعض مذاہب نے عورت سے دوری کو دین کے تحفظ کے لیے ضروری سمجھ رکھا ہے جبکہ اسلام تعلیم دیتا ہے کہ جائز وسائل سے عورت کی نزدیکی "دین کے تحفظ کا سبب بنتی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: من تزوج احرز نصف دینہ وفی حدیثہ آخر فلیتق اللہ فی النصف آخر (۴) آپ نے فرمایا جس نے شادی کر لی اس نے اپنے آدھے دین کو محفوظ کر لیا۔

---

(۱) فروع کافی ج ۵ صہ ۳۲۹، وسائل الشیعہ ج ۷ صہ ۶ (۲) وسائل الشیعہ ج ۷ صہ ۳
(۳) فروع کافی ج ۵ صہ ۳۲۸ - وسائل الشیعہ ج ۷ صہ ۶ (۴) فروع کافی ج ۵ صہ ۳۲۹
وسائل الشیعہ ج ۷ صہ ۵

باقی آدھے دین کے تحفظ کے لیے اللہ سے ڈرے۔

حقیقت یہ ہے کہ جنسی جذبہ اتنا سرکش ہوتا ہے کہ اس کی تسکین کے جائز وسائل نہ ہوں تو گناہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ منڈلاتا ہی رہتا ہے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: رذال موتکم العزاب (۱) تم میں سے بدترین مرنے والے وہ ہیں جو کنوارے مر جائیں۔ جو لوگ صلاحیت اور اہلیت کے باوجود شادی نہیں کرتے ہیں وہ جنسی بے راہ روی سے نہیں بچ سکتے۔ رہبانیت کو ایک دینی فریضہ کی حیثیت سے اپنانے والی قوم کا حشر کچھ ڈھکا چھپا ہوا نہیں ہے۔ انسانی فطرت کو بدلنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے اس لیے بہتر اور افضل یہی ہے کہ شادی میں تعجیل کی جائے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: انّ اللہ عزّ وجلّ لم یترك شیئاً ممّا یحتاج الیہ الّا علّمہ نبیّہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم، فکان من تعلیمہ ایّاہ أنّہ صعد المنبر ذات یوم فحمد اللہ و أثنی علیہ، ثم قال: ایّھا الناس انّ جبرئیل أتانی عن اللطیف الخبیر فقال انّ الأبکار بمنزلۃ الثمر علی الشجر اذا ادرك ثمرہ فلم یجتنی أفسدتہ الشمس ونثرتہ الریاح وکذلك الأبکار اذا ادرکن ما یدرك النساء فلیس لھنّ دواء إلّا البعولۃ والّا لم یؤمن من علیھنّ الفساد الّانھنّ لبشر (۲) خداوند عالم نے ہر ضروری امر کا علم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی تلقین و تعلیم کے مطابق ایک دن آپ منبر پر تشریف لے گئے اور خداوند عالم کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: لوگو میرے پاس خدائے لطیف و خبیر کی طرف سے جبرئیل نے آکر کہا ہے کہ کنواری لڑکیاں درختوں کے پھلوں کی طرح ہیں جب پھل پک جائے اور پھر بھی نہ توڑا جائے تو دھوپ اس کو خراب کر دیتی ہے اور ہوائیں اسے منتشر کر دیتی ہیں۔ اسی طرح سے کنواریاں جب

(۱) فروع کافی ج ۵ ص ۳۲۹ (۲) فروع کافی ج ۵ ص ۳۳۷، وسائل الشیعہ ج ۱۴ ص ۳۹

احساس نسوانیت سے بہرہ ور ہو جائیں تو ان کی تسکین کا سامان صرف شادی ہے ورنہ ان کے مبتلائے فساد ہو جانے سے بے خوف نہیں رہا جا سکتا اس لیے کہ وہ انسان ہیں کس قدر لطیف اور خوبصورت انداز میں حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرما دیا ہے کہ شادی میں تاخیر جنسی کج روی کا موجب ہو سکتی ہے۔

بعض حضرات معاشی بدحالی کو شادی میں تاخیر کا بہانہ بنا لیتے ہیں اور اس طرح خواہش کے امکانات مہیا کرتے ہیں حالانکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شادی، معاشی ابتری کو رفع اور دفع کرنے کا سبب ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتخذوا الاھل فانہ ارزق لکم (۱) آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شادی کرو کہ یہ وسعت و اضافہ رزق کا بہترین وسیلہ ہے دوسری حدیث میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: من ترک التزویج مخافۃ العیلۃ فقد ساء ظنہ باللہ عزوجل، إن اللہ عزوجل یقول: إن یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ (۲) جو شخص تنگدستی کے خوف سے شادی نہیں کرتا، وہ اللہ تعالے کے بارے میں سوء ظن کا ارتکاب کرتا ہے۔ خداوند عزوجل نے یہ فرمایا ہے کہ اگر شادی کرنے والے تنگدست ہوں گے تو اللہ انھیں اپنے فضل سے غنی بنا دے گا۔ شادی کی وجہ سے رزق میں وسعت کے لیے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کا یہ واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔

عن أبی عبد اللہ علیہ السلام قال: أتی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاب من الانصار فشکی إلیہ الحاجۃ فقال لہ: تزوج: فقال الشاب إنی لأستحی أن أعود إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلحقہ رجل من الانصار فقال: إن لی بنتا وسیمۃ

(۱) فروغ کافی ج ۵ صفحہ ۳۲۹ وسائل الشیعہ ج ۷، صفحہ ۲۳ (۲) فروغ کافی ج ۵ صفحہ ۳۳۱

فزوجها ایاہ فقال: فوسع اللہ علیہ: فأتی الشاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ فاخبرہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا معشر الشباب علیکم بالباءہ (۱) جناب امام جعفر علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ ایک انصاری نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی غربت کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: شادی کر لو۔ اس نوجوان نے عرض کی: مجھے شرم آتی ہے کہ خدمت رسولؐ میں دوبارہ اپنی ضرورت کا اظہار کراؤں۔ اتنے میں ایک انصاری اس نوجوان سے ملا اور کہا کہ میری ایک خوبصورت لڑکی ہے۔ پھر اس کی شادی اس وجہ سے کر دی اس شادی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس انصاری جوان کو غنی کر دیا تو وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ کو اپنی فارغ البالی کا قصہ سنایا تو آپ نے فرمایا: اے جوانو! شادی کرو۔

حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا معشر الشبان من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج، فانہ اغض للبصر واحصن للفرج و من لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء (۲) اے نوجوانو! تم میں سے جو اطبیت رکھتا ہو وہ شادی ضرور کرے کہ یہ (زنا محرم سے) آنکھوں کی حفاظت اور جنسی ہیجان سے تحفظ کا وسیلہ ہے لیکن جو استطاعت نہ رکھتا تو اسے چاہیئے کہ وہ روزے رکھے اس لیے کہ روزہ انسان کے واسطے ڈھال ہے" یعنی روزہ جنسی جذبہ کی شدت کم کر دیتا ہے۔

بعض تعلیمیافتہ لڑکے اور لڑکیاں اپنے تخیلاتی آئیڈیل کے انتظار و تلاش میں مکروہات میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں اور اگر بہت ہی ضابطہ و محتاط ہوئے تو مختلف قسم کی نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو کر بڑھاپے کی دہلیز کو چھو لیتے ہیں

(۱) فروع کافی ج ۵ ص ۳۳۰ وسائل الشیعہ ج ۷، ص ۲۵ ! (۲) منہج الصادقین ج ۲ ص ۳۰۳

ڈھل چکی ہے اگر اس میں شادی ہو بھی جائیں تو کیفِ زندگی سے محروم رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے اوّل تو اولاد ہی نہیں ہوتی جو شادی کا جوہری مقصد ہے اور اگر اولاد ہو جائے تو والدین کو تربیت کا موقع نصیب نہیں ہوتا۔ زیادہ عمر کی لڑکیاں وضع حمل کے شدائد کا مقابلہ بھی نہیں کر پاتیں اور اکثر و بیشتر موت کا شکار ہو جاتی ہیں!

بعض لوگ خاندان اور برادری پرستی کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں اور اپنے ہی خاندان اور برادری کے لڑکے یا لڑکی کی تلاش و انتظار میں اپنی اولاد کو بڈھا کر دیتے ہیں اور اس طرح ان کے برائیوں میں مبتلا ہونے کے وسائل مہیا کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ افضل و بہتر یہی ہے کہ رشتے ناطے خاندان اور برادری ہی میں کیے جائیں لیکن خاندان اور برادری کے دائرے سے باہر نکلنے کو معیوب سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے اگر برادری میں موزوں اور مناسب رشتے میسر نہ ہوں تو کسی دوسرے خاندان اور برادری میں موزوں رشتے کر لیے جائیں۔ برادری پرستی کے نتیجہ میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اچھی خاصی لڑکیاں بُرے لڑکوں کے حوالے کر دی جاتی ہیں اور اکثر لڑکیاں زندگی بھر وارثوں کی جان کو روتی رہتی ہیں۔ اسلام نے صرف ایمان و دینداری اور خوش اخلاقی و نیک کرداری کو ترویج کے تعلق میں ضروری قرار دیا ہے۔ عن الحسین ابن لبشار الواسطی قال: کتبت إلی ابی الحسن الرضا علیہ السلام، انّ لی قرابۃ قد خطب إلیّ وفی خلقہ سوء قال: لا تزوجہ ان کان سیئ الخلق۔ حسین بن لبشار کہتے ہیں کہ میں نے امام رضا علیہ السلام کو لکھا کہ میرے ایک بد خلق رشتہ دار نے مجھ سے رشتہ مانگا ہے فرمائیے کیا کروں؟ امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: اگر وہ بد اخلاق ہے تو اس سے شادی نہ کرو۔[1]

اسی طرح شراب خوار سے رشتہ کرنا بھی اچھا نہیں سمجھا گیا ہے۔ قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: من شرب الخمر بعد ما حرمھا اللہ علی لسانہ

[1]: وسائل الشیعہ ج ۷، ص ۵!

فلیس باھل أن یزوج اذا خطب (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری طرف سے حرمت شراب کے اعلان کے بعد جو شخص شراب پیتا ہے تو وہ اس بات کا اہل نہیں ہے کہ اس سے شادی کی جائے جبکہ وہ پیغام دے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے من زوج کریمتہ من شارب الخمر فقد قطع رحمھا (۳) جس نے اپنی لڑکی کا نکاح شرابی سے کر دیا اس نے قطع رحم کا ارتکاب کیا" اور قطع رحم اسلامی نقطہ نگاہ سے وہ بڑا جرم ہے اس کی مذمت میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں اور قرآن کریم میں بھی واضح طور پر مذمت فرمائی گئی ہے۔

لڑکے اور لڑکیوں کے رشتوں کے تعلق میں آج کل ملت مسلمہ کی ایک بہت بڑی تعداد جن خرافات و انحرافات کا شکار ہے ان سب کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بہترین رہنمائی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے تحت ہونے والی ایک شادی کا قصہ ہم بیان کیے دیتے ہیں جس میں شادی بیاہ کے لیے ہر طرح کی روشنی موجود ہے۔

قال ابو جعفر علیہ السلام انّ رجلاً کان من أھل الیمامة یقال لہ جویبر، أتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منتجعاً للاسلام فاسلم وحسن اسلامہ وکان رجلاً قصیراً دمیماً محتاجاً عاریاً وکان من قباح السودان یجری

جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا یمامہ کا رہنے والا ایک شخص جو یبر نامی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اسلام کے متعلق تحقیق کرنے کے لیے آیا اور سمجھ کر مسلمان ہو گیا اور اس نے اسلام کو بہترین طریقہ پر اپنایا وہ ایک بد صورت، کوتاہ قد حقیر اور

(۱) فروع کافی ج ۵ ص ۳۴۸، وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۵۳ !! (۲) فروع کافی ج ۵ ص ۳۴۷ وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۵۳ !

عليه طعامه صاعاً من
تمر بالصاع الأول وكان
شملة، وأمره أن يلزم
المسجد ويرقد فيه
بالليل فمكث بذلك
ما شاء الله حتى كثروا الغرباء
ممن يدخل في الإسلام
من أهل الحاجة بالمدينة
وضاق بهم المسجد فأوحى
الله عز وجل إلى نبيه صلى الله
عليه وسلم أن طهر مسجدك
وأخرج من المسجد
من يرقد فيه بالليل ومر
بسد أبواب من كان له
في مسجدك باب إلا باب
علي عليه السلام ومسكن
فاطمة عليها السلام ولا
يمرن فيه جنب ولا
يرقد فيه غريب، قال
فأمر رسول الله صلى الله عليه
وآله وسلم بسد أبوابهم

ننگا بھوکا آدمی تھا حضور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے اس کی مفلسی اور
قلاشی دیکھ کر اسے اپنی سرپرستی
میں لے لیا۔ اس کے کھانے پینے
اور لباس کا انتظام کر دیا اور اُسے
مسجد میں رہنے اور رات کو وہیں
سونے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ جب
تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ وہیں رہتا
رہا یہاں تک کہ مدینہ میں اسلام لانے
والوں میں پردیسی غربا اس قدر
زیادہ ہو گئے کہ مسجد ان کے لیے
تنگ ہو گئی تو خداوند عز وجل نے
اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
وحی فرمائی کہ اپنی مسجد خالی کرا لیجئے
جو لوگ رات کو مسجد میں سوتے ہیں
انہیں باہر نکال دیجئے اور جن لوگوں
کے دروازے مسجد میں ہیں ان کو
بند کرنے کا حکم دے دیجئے سوائے
حضرت علی علیہ السلام اور جناب
فاطمہ علیہا السلام کے گھر کے
دروازے کے۔ اور نہ کوئی جنب

الا باب علي عليه السلام و
أقر مسكن فاطمة عليها السلام
على حاله قال: ثم إن رسول
صلى الله عليه وآله أمر أن
تتخذ للمسلمين سقيفة ـ
فعملت لهم وهي الصفة
ثم أمر الغرباء والمساكين
أن يظلوا فيها نهارهم
وليلهم فنزلوها واجتمعوا
فيها وكان رسول الله صلى
الله عليه وآله يتعاهدهم
بالبر والتمر والشعير
والزبيب إذا كان
عنده وكان المسلمون
يتعاهدونهم ويرقون
عليهم لرقة رسول الله
صلى الله عليه وسلم ويصرفون
صدقاتهم إليهم فإن رسول
الله صلى الله عليه
وآله وسلم نظر إلى جويبر
ذات يوم برحمة منه له

مسجد میں سے گذرے اور نہ ہی
کوئی پردیسی رات کو اس میں
سوئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی
علیہ السلام کے دروازے کے علاوہ
سب دروازوں کو بند کرنے کا حکم دے
دیا جناب فاطمہؑ کے مسکن کو پہلی حالت
پر باقی رکھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ان مسلمانوں کے لیے ایک چھپر بنانے
کا حکم فرمایا جو بنا دیا گیا اور وہی جگہ
"صفہ" کہلائی اس کے بعد آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے بے وطنوں اور
مسکینوں کو حکم دے دیا کہ وہ اپنے شب و
روز اسی کے سائے میں گذاریں، چنانچہ
وہ لوگ وہاں آگئے اور رہنا شروع
کر دیا، حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم ان کی خبر گیری کرتے رہتے
اور کبھی گیہوں، کبھی جو، کبھی کھجور
کبھی کشمش جب آپ کے پاس
ہوتے تو آپ انہیں عطا فرماتے تھے
دوسرے مسلمان بھی ان کی خبر گیری

ورقّة عليه فقال له: يا جويبر
لو تزوجت امرأة فعففت
بها فرجك وأعانتك على و
دنياك وآخرتك فقال
له جويبر: يا رسول الله بأبي
أنت وأمي من يرغب فيّ؟!!
فوالله ما من حسب ولا نسب
ولا مال ولا جمال فأية امرأة
ترغب فيّ؟! فقال له رسول
الله صلى الله عليه وآله وسلّم:
يا جويبر إنّ الله قد وضع
بالإسلام من كان في الجاهلية
شريفاً وشرّف بالإسلام
من كان في الجاهلية ذليلاً
وأذهب بالإسلام ما كان
من نخوة الجاهلية وتفاخرها
بعشائرها وباسق أنسابها
فالناس كلّهم أبيضهم
وأسودهم وقرشيهم و
عربيهم وعجميهم من
آدم وإنّ آدم خلقه الله

کرتے اور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی نظر عنایت دیکھ کر ان
پر مہربانیاں کرتے اور اپنے
وخیرات کی اشیاء ان پر صرف کرتے تھے
تھے۔ ایک دن حبیب خدا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے جویبر کو محبت و
شفقت کی نظر سے دیکھا اور فرمایا
اے جویبر کیا اچھا ہوتا کہ تم کسی عورت
سے شادی کر لیتے جس سے تم کو جذبۂ
جنسی سے تحفظ مل جاتا اور وہ خاتون
امور دین و دنیا میں تمہاری معاون
ہوتی ۔ ۔ ۔ ! جویبر نے عرض کیا !
خدا کے رسول ! میرے ماں باپ آپ
پر فدا ہوں، میری طرف کون توجہ کرے گا؟
خدا کی قسم میرے پاس نہ تو مال ہے
نہ جمال، نہ حسب ہے نہ نسب ! کونسی
عورت میری طرف رغبت کرے گی ؟
تو آنحضور علیہ الصلاۃ والسلام نے
فرمایا: اے جویبر اللہ تعالے نے
اسلام کے ذریعہ ان لوگوں کو پست
کر دیا ہے جو دور جاہلیت میں شریف

من طين، وإنّ أحبّ
الناس إلى الله عزوجل
يوم القيامة أطوعهم
له أتقاهم، وما أعلم
يا جويبر لأحد من المسلمين
عليك اليوم فضلاً إلاّ
لمن كان أتقى الله منك
وأطوع، ثم قال له:
انطلق يا جويبر إلى
زياد بن لبيد فإنّه
من أشرف بني
بياضة حسبا فيهم
فقل له: إني رسول الله
إليك وهو يقول لك
زوّج جويبرا ابنتك
الذلفاء! قال فانطلق
جويبر برسالة رسول
الله صلّى الله عليه وآله وسلم
إلى زياد بن لبيد وهو
في منزله جماعة من قومه
عنده فاستأذن فأعلم

سمجھے جاتے تھے اور ان کو صاحب بنا
دیا جنہیں جاہلیت میں پست سمجھا جاتا تھا
اور انھیں صاحب وقار بنا دیا ہے جو زمانہ
جاہلیت میں ذلیل سمجھے جاتے تھے اللہ نے
خاندانوں قبیلوں اور حسب نسب پر جاہلانہ
فخر و غرور کو اسلام کے ذریعے مٹا دیا ہے
بس اب تمام لوگ، گورے کالے۔ قرشی،
عربی اور عجمی صرف آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں (یعنی برابر
ہیں) اور آدم کو اللہ جل شانہٗ نے مٹی سے
پیدا کیا ہے لہٰذا قیامت کے دن بارگاہِ
الٰہی میں سب سے زیادہ محبوب اطاعت
گزار اور صاحب تقویٰ بندہ ہوگا اور اے
جویبر میرے نزدیک آجکل کوئی مسلمان
تم سے زیادہ فضیلت نہیں ہوگی مگر وہ
شخص جو تم سے زیادہ صاحب تقویٰ
اور اطاعت شعار ہو۔ پھر فرمایا اے جویبر!
تم بنی بیاضۂ انصار کا ایک قبیلہ ہے کے
سردار زیاد بن لبید کے پاس جاؤ اور اس
سے کہو کہ میں آپ کے پاس رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی حیثیت
سے آیا ہوں اور انھوں نے فرمایا ہے کہ

فأذن فدخل وسلّم عليه
ثمّ قال: يا زياد بن لبيد!!
فانّي رسول الله إليك في
حاجة لي. فأبوح بها
أم أسرّها إليك؟ فقال
له زياد: بل بح بها فانّ
ذلك شرف لي وفخر، فقال
له جويبر: إنّ رسول الله
صلّى الله عليه وآله وسلّم يقول
لك زوّج جويبراً ابنتك
الذلفاء فقال له زياد
أرسول الله أرسلك إليّ
بهذا؟ فقال له: نعم
ما كنت لأكذب على
رسول الله صلّى الله عليه وآله
وسلّم فقال له زياد: إنّا
لا نزوّج فتياتنا إلّا أكفاءنا
من الأنصار فانصرف
جويبر وهو يقول: والله
ما بهذا انزل القرآن
ولا بهذا ظهرت نبوّة

تم اپنی بیٹی ذلفا کی شادی جویبر کے ساتھ
کر دو! جویبر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کا پیغام لے کر زیاد کے پاس گئے تو وہ
اپنے گھر پر ہی تھے اور ان کے قبیلے کے
بہت سے لوگ ان کے پاس موجود تھے
جویبر نے اجازت چاہی۔ زیاد کو اطلاع
دی گئی تو انھوں نے اجازت دے دی
یہ گھر میں داخل ہو گئے۔ اس کو سلام کیا
اور کہا زیاد بن لبید! میں اپنی ایک ضرورت
کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد
کی حیثیت سے آپ کے پاس آیا ہوں
لہٰذا فرمایئے وہ سب کے سامنے بیان
کر دوں یا تنہائی میں آپ سے عرض کروں!
زیاد نے کہا بے تکلف بیان کرو کہ یہ میرے
لیے فخر و شرف کی بات ہے۔ جویبر نے
کہا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اپنی بیٹی ذلفا کی
شادی جویبر سے کر دو! زیاد نے اس
سے کہا کہ کیا واقعی آنحضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے تمھیں یہ پیغام دے کر میرے
پاس بھیجا ہے۔ جویبر نے کہا بے شک

محمد صلى الله عليه وآله وسلم فسمعت مقالته الذلفاء بنت زياد وهي في خدرها فأرسلت إلى أبيها أدخل إلي فدخل إليها فقالت له: ما هذا الكلام الذي سمعته منك تحاور به جويبر؟ فقال لها: ذكر لي أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال: يقول لك رسول الله زوّج جويبرا ابنتك الذلفاء! فقالت له: والله ما كان جويبر ليكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم بحضرته فابعث الآن رسولا يردّ عليك جويبرا، فبعث زياد رسولاً فلحق جويبرا فقال له

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیوں جھوٹ باندھنے لگا ؟! زیاد نے کہا: ہم اپنی لڑکیوں کو انصار میں سے پہلے اپنے ہمسروں کے ساتھ ہی بیاہتے ہیں ...! جویبر! تم واپس جاؤ، میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا عذر پیش کر دوں گا۔ جویبر یہ کہتے ہوئے پلٹے کہ خدا کی قسم نہ تو قرآن میں یہ طور طریقے نازل ہوئے ہیں اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے یہ مقاصد ہیں۔ ذلفاء بنت زیاد نے پردے کے پیچھے سے جویبر کی یہ باتیں سن لیں، اس نے فوراً اپنے باپ کو بلوایا، جب وہ آ گئے تو کہا کہ آپ جویبر سے کس قسم کی باتیں کر رہے تھے .....؟! انہوں نے کہا جویبر نے مجھ سے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تم اپنی بیٹی ذلفاء جویبر کے ساتھ بیاہ دو۔ ذلفاء نے کہا بخدا یہ ممکن ہی نہیں کہ جویبر،

زیاد یا جویبر: مرحبا بك اطمئن
حتی أعود الیك ثم انطلق
زیاد إلی رسول الله صلی الله
علیه وآله فقال له بأبی أنت وأمی
إن جویبرا أتانی برسالتك
وقال: إن رسول الله
صلی الله علیه وآله وسلم
یقول لك زوج جویبرا
ابنتك الذلفاء فلم ألن
له بالقول ورأیت لقاءك
ونحن لا نتزوج إلا أکفاءنا
من الانصار۔
فقال له رسول الله صلی الله
علیه وآله وسلم: یا زیاد جویبر
مؤمن والمؤمن کفو
للمؤمنة والمسلم کفو
للمسلمة فزوجه یا زیاد
ولا ترغب عنه، قال: فرجع
زیاد إلی منزله ودخل علی ابنته
فقال لها ما سمعه من رسول الله
صلی الله علیه وآله وسلم کفوت فزوج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی
میں ہی ان پر جھوٹ باندھتے۔ آپ
فوراً کسی کو بھیج کر جویبر کو واپس بلایئے
زیاد نے قاصد بھیجدیا جو، جویبر سے
جا ملا اور اسے واپس لے آیا تو زیاد
نے کہا: اے جویبر خدا تمھیں خوش رکھے
تم اطمینان سے بیٹھو میں ابھی پلٹ کے
آتا ہوں۔ اس کے بعد زیاد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر
قربان ہوں حضورؐ کا پیغام لے کر جویبر
میرے پاس آیا کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں
اپنی بیٹی ذلفا کا نکاح جویبر کے ساتھ
کر دوں لیکن میں نے اس سے مناسب
بات نہیں کی بلکہ حضرت کی خدمت میں
حاضری کو ضروری سمجھا کہ ہم لوگ تو انصار میں
اپنے ہمسروں سے ہی رشتے کرتے ہیں
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے
زیاد: جویبر مومن ہے اور مومن مومنہ کا
ہمسر اور مسلم مسلمہ کا کفو ہوتا ہے لہذا ذلفا
کی شادی جویبر سے کر دو اور اسے ناپسند

جويبرا، فخرج زياد فأخذ
بيد جويبر ثم أخرجه إلى
قومه فزوّجه على سنّة
الله وسنّة رسول صلى الله
عليه وآله وسلّم وضمّن صداقه
قال فجهّزها زياد وهيّؤوها
ثم أرسلوا إلى جويبر
فقالوا له: ألك منزل!
فنسوقها إليك؟ فقال:
والله ما لي من منزل،
قال: فهيّؤوها وهيّؤوا
لها منزلاً وهيّؤوا فيه
فراشاً ومتاعاً وكسوا
جويبراً ثوبين وأُدخلت
الذلفاء في بيتها وأُدخل
جويبر عليها معتّماً فلمّا رآها نظر
إلى بيت ومتاع وريح طيبة قام
إلى زاوية البيت فلم
يزل تالياً للقرآن راكعاً
وساجداً حتى طلع الفجر
فلمّا سمع النداء خرج و
خرجت زوجته إلى الصلاة

مت کرو۔ زیاد اپنے گھر واپس آکر
بیٹی کے پاس پہنچے اور جو کچھ حضور
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اس
کو بتا دیا۔ اس نے کہا اگر آپ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کریں گے
تو کافر ہو جائیں گے اس لیے جویبر
کی شادی کر دیں ... ! چنانچہ زیاد
گھر سے نکلے اور جویبر کے ہاتھ میں ہاتھ
ڈال کر اپنی قوم کے پاس آئے اور الٰہی
قانون اور سنت رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ان کا نکاح
کر دیا اور ان کا مہر بھی خود ہی ادا کر
دیا۔ اس کے بعد زیاد نے بڑا اچھا جہیز
دیا اور لڑکی کو رخصتی کے لیے تیار کیا،
پھر لوگوں نے جویبر کو بلا کر پوچھا: کیا
تمہارے پاس گھر ہے؟ جہاں ہم دلہن کو
پہونچائیں۔ جویبر نے کہا بخدا میرا تو
کوئی گھر نہیں ہے ... !! لہٰذا ان
لوگوں نے دلہن کو بھی تیار کیا اور اس
کے لیے ایک گھر تجویز کیا اور اسے
فرش فروش اور ساز و سامان سے آراستہ کر دیا

فتوضأت وصلت الصبح
فسئلت هل مسك ...؟
فقالت: مازال تاليًا
للقرآن راكعًا وساجدًا
حتى سمع النداء فخرج
فلما كانت الليلة الثانية
فعل مثل ذلك، وأخفوا
ذلك من زياد فلما
كان اليوم الثالث فعل مثل
ذلك فأخبر بذلك أبوها
فانطلق إلى رسول الله صلى الله
عليه وآله فقال له: بأبي
أنت وأمي يا رسول الله
أمرتني بتزويج جويبر
ولا والله ما كان من منا
كحنا ولكن طاعتك
أوجبت علي تزويجه،
فقال له النبي صلى الله عليه
وآله وسلم فما الذي
أنكرتم منه؟ قال: إنا
هيأنا له بيتًا ومتاعًا وأدخلت

جویبر کو بھی شادی کے کپڑے پہنائے
اور ذلفا کو اس کے گھر پہونچا دیا
اور کچھ رات گئے جویبر کو بھی اس کے
پاس پہونچا دیا۔ جب جویبر نے دلہن
کو دیکھا اور گھر اور اس کے ساز و سامان
پر نظر پڑی اور خوشبو کی لپٹوں کا
احساس ہوا تو گھر کے ایک گوشہ میں جا
کر قرآن کی تلاوت اور رکوع و
سجود شروع کر دیئے یہاں تک کہ
سپیدہ سحری نمودار ہوگیا۔ بس جیسے ہی
اذان سنی تو نماز کے لیے گھر سے باہر
نکل گئے۔ ان کی بیوی بھی نماز کے لیے
کھڑی ہوگئی اور وضو کر کے نماز صبح
پڑھی۔ ہم جولیوں نے ذلفا سے پوچھا
کہ تیرے دلہا نے تجھے چھوا بھی ...؟
تو اس نے جواب دیا کہ رات بھر قرآن کی
تلاوت اور رکوع و سجود کرتے رہے
صبح کی اذان سن کر مسجد چلے گئے۔ جب
دوسری رات آئی تو جویبر نے یہی کچھ
کیا لیکن ان لوگوں نے یہ بات زیاد سے
پوشیدہ رکھی۔ جب تیسرے دن بھی جویبر

إبنتي البيت وأُدخل معها
معتمًا فما كلمتها ولا نظر إليها
ولا دنى منها بل قام إلى
زاويةِ البيت فلم يزل تاليًا
للقرآن راكعًا وساجدًا حتى
سمع النداء فخرج ثم فعل مثل
ذلك في الليلة الثانية
ومثل ذلك في الثالثة
ولم يدن منها ولم يكلمها
إلى أن جئتك ... إياه وما
نراه مريد النساء فانظر
في أمرنا، فانصرف
زياد وبعث رسول الله
صلّى الله عليه وآله وسلّم إلى
جويبر فقال له: أما تقرب النساء؟
فقال له جويبر: وما أنا بفحل
بلى يا رسول الله إني لشبق نهم
إلى النساء فقال له رسول الله
صلّى الله عليه وآله وسلّم: قد خبرت
بخلاف ما وصفت به نفسك
قد ذكر لي أنهم هيؤا

نے یہی عمل کیا تو یہ صورت حال ذلفاء
کے باپ کو بتائی گئی تو وہ سرورِ کونین
صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آئے
اور عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا
ہوں آپ نے مجھے جویبر کی شادی کے
بارے میں حکم دیا حالانکہ خدا کی قسم وہ
ہمارے ہمسر کا نہ تھا لیکن آپ کی اطاعت
نے اس کی تزویج کو مجھ پر واجب کر دیا..!
رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تمہیں اس کو نسی ادا ناگوار گزری ہے؟
انہوں نے عرض کی ہم نے اس کے لیے
آراستہ پیراستہ گھر مہیا کیا، میری بیٹی اس گھر
میں سجو سجا دی گئی اور جویبر کو بھی رات
گئے اس کے پاس بھیجدیا گیا تو جویبر نے
نہ اس سے بات کی، نہ اسے دیکھا، نہ اس
کے قریب گیا بلکہ گھر کے ایک گوشے میں
چلا گیا اور برابر تلاوت شروع کر دی
اور رکوع و سجود کرتا رہا یہاں تک کہ
اذانِ صبح سنی اور گھر سے نکل گیا دوسری
رات بھی اور پھر تیسری رات بھی یہی کیا
نہ تو ذلفا کے قریب گیا اور نہ ہی اس سے

لك بيتاً وفراشاً ومتاعاً وأدخلت عليك فتاة حسناء عطرة وأتيت مختماً فلم تنظر إليها ولم تكلمها ولم تدن منها فما دهاك إذن...؟ فقال له جويبر: يا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم دخلت بيتاً واسعاً ورأيت فراشاً ومتاعاً وأدخلت عليك فتاة حسناء عطرة فذكرت حالي التي كنت عليها وغربتي وحاجتي ووضيعتي وكسوتي مع الغرباء والمساكين فأحببت إذ أولاني الله ذلك أن أشكره على ما أعطاني وأتقرب إليه بحقيقة الشكر فنهضت إلى جانب البيت فلم أزل في صلاتي تالياً للقرآن راكعاً وساجداً أشكر الله حتى سمعت النداء فخرجت فلما أصبحت رأيت أن أصوم ذلك اليوم ففعلت ذلك ثلاثة أيام ولياليها ورأيت ذلك في جنب ما أعطاني الله يسيراً ولكني سأرضيها وأرضيهم الليلة

بات کی یہاں تک میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسے عورت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ لہٰذا ہمارے معاملے کی طرف توجہ کیجئے۔ زیاد تو یہ کچھ سنا کر چلے گئے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جویبر کو طلب فرما کر کہا کیا تجھے عورت کی خواہش نہیں ہے؟ جویبر نے عرض کی۔ حضور کیا میں مرد نہیں ہوں...؟ یقیناً اے خدا کے رسول: میرا جنسی جذبہ زیادہ شدید ہے اور میں عورت کا خاصا خواہشمند ہوں...!! رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جو کچھ تم کہہ رہے ہو مجھے تو اس کے خلاف بتایا گیا ہے... مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ لڑکی والوں نے ضروری سامان سے آراستہ مکان تمہارے حوالے کیا اور ایک خوبصورت عطر میں ڈوبی ہوئی نوجوان لڑکی تمہارے لیے وہاں پہنچا دی گئی۔ تم بھی رات گئے وہاں آئے مگر تم نے نہ تو دلہن پر

إن شاء الله فأتى رسول
رسول الله صلّى الله عليه وآله
وسلّم إلى زياد فأتاه فأعلمه
ما قال جويبر فقالت أنعم
قال ورضي بها جويبر
بما قال۔ ثم إنّ رسول الله
صلى الله عليه وسلّم خرج في
غزوة له ومعه جويبر
فاستشهد رحمة الله تعالى
فما كان في الأنصار أيم أنفق
منها بعد جويبر ۱؎

نظر ڈالی نہ اس سے بات کی نہ اس
سے قریب ہوئے، اب تمہارے
ذہن میں کیا ہے؟؟
کیا کہتے ہو۔۔۔؟ جویبر نے گذارش
کی: اے پیغمبر خدا! میں ایک خاصے
کشادہ گھر میں داخل ہوا اور
فرش فروش، سازوسامان دیکھا اور
وہاں خوشبوؤں سے بسی ہوئی ایک خوبصورت
جوان لڑکی بھی نظر آئی تو مجھے بے وطنوں
اور مساکین کے ساتھ پھٹے پرانے کپڑے
فقروفاقے اور تنگدستی کی زندگی یاد
آگئی لہٰذا میں نے سوچا کہ جب اللہ تعالےٰ نے مجھے یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں تو میں
اس کے شکر کا سجدہ بجا لاؤں اور حقیقت شکر کا مظاہرہ کرکے اللہ کا مزید
تقرب حاصل کروں، اس لیے میں مکان کے ایک گوشے میں چلا گیا اور نماز پڑھتا
رہا اور رکوع و سجود اور تلاوت قرآن کرتا رہا۔ میں اسی طرح شکر خدا میں مشغول
تھا کہ اذان صبح سنی تو مسجد کی طرف چلا گیا۔ جب سپیدۂ سحری نمودار ہوا تو میں نے
ضروری سمجھا کہ اس دن روزہ رکھ لوں۔ بس حضورؐ میں نے تین شب و روز مسلسل
یہ اعمال کیے اور اللہ کے عطیّے کے مقابلے میں، مجھے یہ عمل بہت تھوڑا محسوس
ہوتا ہے تاہم جہاں تک بیوی کا تعلق ہے تو آج رات میں نے اس کو اور اس
کے خاندان والوں کو خوش اور مسرور کر دوں گا۔ انشاء اللہ جویبر کی یہ عرض،
سماعت فرما کر حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیاد کو طلب فرمایا اور جو کچھ جویبر نے

۱؎ : فروع کافی ج ۵ صفحہ ۳۴۳ وسائل الشیعہ ج ۲۰، صفحہ ۷۷ !!

نے کہا تھا وہ ان کو بتلا دیا۔ وہ مطمئن ہو گئے اور جویبر نے جو کہا تھا اسے پورا کر دکھایا
کچھ عرصے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جنگ میں تشریف لے گئے
جویبر حضورؐ کے ساتھ تھا: خدا ان پر رحمتیں نازل کرے وہاں وہ شہید ہو گئے۔ جویبر
کی شہادت کے بعد انصار میں کوئی کنواری اور بیوہ عورت ایسی نہ تھی جس کو نفقا
کے برابر کثیر اور عظیم مہر کی پیشکش کی گئی ہو۔"

اس واقعہ کے مطالعہ اور ملاحظہ سے یہ حقیقت برافگندہ نقاب ہو جاتی ہے
کہ اسلام شادی بیاہ کے تعلق میں ایمان اور عفت کو زیادہ اہمیت دیتا ہے واقعہ
یہ ہے کہ عورت اور مرد کے اتصال کا فطری مقصد ہی نسل کو آگے بڑھانا ہے
اسی لیے ہدایت کی گئی ہے کہ ایسی لڑکی سے شادی کی جائے جس کے ہاں زیادہ بچے
پیدا ہونے کا امکان ہو۔ حضورؐ شارع اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے
تزوجوا بکراً ولوداً ولا تزوجوحسناء جمیلۃ عاقرۃ فانی اباھی
بکم الامم یوم القیامۃ (۲) زیادہ بچے پیدا کرنے والی کنواری سے شادی کرو۔
حسین وجمیل بانجھ عورت سے شادی نہ کرو اس لیے کہ میں قیامت کے دن تمام امتوں
کے مقابلہ میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا۔؟ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:
اِعلموا اَنّ السوداء اذا کانت ولوداً احبُّ اِلیّ من الحسناء
العاقر۔ (۳) تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے خوبصورت بانجھ عورت کے مقابلہ میں
زیادہ بچے پیدا کرنے والی کالی کلوٹی عورت بہت پسند ہے۔

جن لڑکیوں کی تربیت جنس پرستانہ ماحول میں ہوئی ہو وہ کتنی ہی خوبصورت
کیوں نہ ہوں ان سے بھی بچنا چاہیئے۔ حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا ہے: ایھا الناس ــــ ایاکم وخضراء الدمن!

---

(۱) فروع کافی ج ۵ صہ ۳۴۳ نیز وسائل الشیعہ ج ۷ صہ ۳۴ (۲) وسائل ج ۷ صہ ۳۴

قیل یا رسول اللہ وما خضراء الدمن ... ؟ قال : المرأۃ الحسناء فی منبت السوء (۱)

خود قرآن کریم نے جنسی ہیجانات کی جائز وسائل سے تسکین کے لیے شادی بیاہ کی ترغیب، تحریص اور تشویق کا اہتمام کیا ہے : وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وإمائکم إن یکونوا فقرآء یغنھم اللہ من فضلہ ط واللہ واسع علیم (۲)
اور تم نکاح کرو اپنے غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کا اور اپنے قابلِ علاج غلاموں اور کنیزوں کا۔ اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا۔ سب کچھ جاننے والا ہے۔

آج کل کنیزوں اور غلاموں کا وجود اور رواج ختم ہو چکا ہے ان کی جگہ نوکر اور نوکرانیاں ہوتے ہیں، عام طور سے یہ طبقہ معاشی فارغ البالی سے محروم ہوتا ہے اس لیے قرآن کریم نے ہدایت فرمائی ہے کہ اپنے بچے اور بچیوں کی شادیاں کرو۔ وہاں اپنے خدمت گزار طبقہ کو بھی فراموش نہ کرو کہ وہ بھی انسان ہیں۔ اگر ان کی شادیاں نہ کی گئیں تو جنسی بے راہروی میں گرفتاری بالکل ممکن ہے اور اس کا وبال ارتکاب جرم کرنے والوں کے ساتھ ساتھ آقایانِ محترم پر بھی آئے گا اور معاشرے میں برائیوں کی ترویج کے ذمہ دار یہ بھی ہوں گے۔

---

(۱) فروع کافی ج ۵ ص ۳۳۲

دینی و مذہبی تعلیمات سے بے خبری اور عام انسانی

دہریئے اور دیندار سبھی مانتے ہیں کہ محفل کائنات میں انسان، اشرافیت کی کرسی کا مالک ہے۔ قرآن کریم نے بھی انسانی عظمت و شرف کا اعلان اس طرح فرمایا ہے ولقد کرّمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البّر والبحر ورزقناھم من الطیّبات وفضّلناھم علی کثیر ممّن خلقنا تفضیلاً (۱) اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی بخشی اور خشکی و تری میں ان کو سواریاں عطا کیں اور پاکیزہ چیزوں پر مشتمل روزی عطا کی اور اپنی مخلوقات کی اکثریت پر ان کو فضیلت دے دی۔

فرشتوں کو ابوالبشر حضرت آدم علی نبیّنا و علیہ السلام کے سامنے تعظیمی سجدے کے لیے جھکا کر انسان کے شرف کا واضح اور نمایاں اعلان و اظہار فرما دیا گیا، تاہم انسان خواہ وہ مرد ہو یا عورت اپنی عظمت و شرافت کو اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کے علم اور ان پر عمل سے ہی باقی رکھ سکتا ہے۔ غیر تعلیم یافتہ انسان شرفِ آدمیت کو سمجھ ہی نہیں سکتا اس لیے اس کی تعمیر کے اقدامات اس کے دائرہ دماغ میں موجود ہی نہیں ہوتے۔ قرآن کریم نے واضح طور پر بتایا ہے: انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰؤا (۲) اللہ سے، اس کی عظمت کے جاننے والے بندے ہی ڈرتے ہیں، جس کو اللہ کی معرفت ہی حاصل نہ ہو گی۔ وہ اس کی خوشنودی اور ناراضی کی کیا پرواہ کرے گا۔۔۔۔؟!

(۱) القرآن پ ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۷۰ (۲) القرآن پ ۲۲ فاطر آیہ ۲۸۔

خداوند عزوجل کیا چاہتا ہے ؟ بندوں کے کن اعمال کو پسند کرتا ہے ؟ کن حرکتوں کو ناپسند فرماتا ہے ؟ محرمات کیا ہیں ؟ منکرات کیا ہیں ؟ اوامر کسے کہتے ہیں ؟ نواہی کیا ہوتے ہیں ؟ ۔۔۔۔ ؟ معروف الٰہی کے بغیر ان کی توجیہ ہی نہیں ہو سکتی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے : أعلمكم باالله اشدكم له خشية (۱) تم میں سے جو سب سے زیادہ اللہ کو جانتا ہے وہی احساس عظمت الٰہی کے تحت اللہ سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے ۔ دوسری حدیث میں فرمایا ہے : أعلمكم باالله أخوفكم لله (۲) تم میں سے اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہی اللہ سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور ارشاد گرامی ہے و كفى بالمرء علماً أن يخشى الله وكفى بالمرء جهلاً أن يعجب بعمله (۳) انسان کے عالم ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہو اور جاہل ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے عمل پر اتراتا ہو ۔

ظاہر ہے کہ خیر وشر میں امتیاز کے بغیر ارتکاب واجتناب کی حدود متعین نہیں ہو سکتیں اس لیے انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پہچانے ۔ قرآن کریم میں واضح ہدایت کی گئی ہے کہ ایک دوسرے کو حق وصبر کی وصیت ونصیحت کریں کیونکہ کوئی انسان ماں کے پیٹ سے عالم پیدا نہیں ہوتا ۔ والعصر ۔ إن الانسان لفي خسر ۔ الا الذين آمنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق و تواصوا بالصبر (۴) قسم ہے وقت عصر کی یقیناً انسان خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور وہ ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے رہے ۔

---

(۱) منہج الصادقین ج ۱ صہ ۱۰۴ (۲) تفسیر صافی ج ۲ صہ ۳۹۷ (۳) منہج الصادقین ج ۲ صہ ۴۴۵ (۴) القرآن صہ ۳ العصر

وہ معمولی مسائل میں بھی عوام کی رہنمائی نہیں کرتے ۔ کر سکتے ۔ اس لیے شہری اور دیہی آبادی کی ایک بہت بڑی اکثریت اپنے فرائض اور ذمہ داری سے نابلد ہے ۔ انگریز نے جو تعلیمی نظام رائج کیا تھا اس میں اخلاقی اقدار کا کہیں اہتمام نہیں کیا گیا تھا ۔ اب بھی ہماری تعلیمی دنیا میں وہی لیل و نہار ہیں ۔ ۔ ۔ !!

جنسی جذبہ بہت سرکش ہوتا ہے ۔ اگر لڑکے اور لڑکیاں عظمت انسانی اور اپنے فرائض سے واقف نہ ہوں تو حیوانی جذبات کا شکار ہو جانا عین ممکن ہو جاتا ہے ۔ اسلام نے تحصیل علم کو عورت اور مرد سب کا فریضہ قرار دیا ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ ، مشہور و معروف ارشاد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے ہم یقین اور دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر عورتوں اور مردوں کو ان کے فرائض محسوس و معلوم ہوں تو جنسی کج روی کا وقوع شاذ کے حکم میں آجائے گا ۔

ہمارے شعبہ تعلیم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اخلاقیات کے نصاب میں لڑکوں اور لڑکیوں کو ان کے فرائض سے آگاہی کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کریں ۔ پردے کی اہمیت ، عفت کی عظمت اور جنسی بے راہ روی پر عقاب و عذاب کی مناسب تفصیل اسباق میں رکھی جائے تاکہ بے خبری ۔ جنسی بے راہ روی کا وسیلہ نہ بنے ۔

خاندانوں کے سربراہوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے متعلقین کو نیک و بد سے آگاہ کرنے کی کوشش اور اہتمام کریں ۔ تعلیم کا حقیقی گہوارہ گھر ہی ہوتا ہے اور گھر کی ذمہ داری سربراہ کے کاندھے پر ہوتی ہے ۔ قرآن مجید نے فرمایا ہے : یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم و اھلیکم ناراً وقودھا الناس والحجارۃ علیھا ملئکۃ غلاظ شداد لا یعصون اللہ ما امرھم و

مذکورہ مباحث میں گفت گو کا تعلق مردوں سے ہی نہیں ہے بلکہ عورتوں بھی مساوی حیثیت سے مقصود ہیں۔ عورت ہو یا مرد سب اللہ کے بندے ہیں سب بنی آدم ہیں۔ ایمان بھی صنف قوی وضعیف دونوں سے متعلق ہے۔ قرآن کریم نے ہر طرح کے التباس کو رفع کرنے کے لیے واضح طور پر فرمایا ہے: فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض (۱) پس ان کے پروردگار نے ان کی درخواست قبول کر لی اور فرمایا کہ بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے مرد عورت کا عمل ضائع نہیں کرتا کہ تم ایک دوسرے میں سے ہو۔ دوسری جگہ فرمایا ہے: من عمل صالحاً من ذکر او انثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیاۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون (۲) جو صاحب ایمان مرد اور عورت نیک کام کریں گے تو ہم ان کو صاف ستھری زندگی عطا کریں گے اور جو وہ نیک عمل کرتے رہے ہیں ان کا بہترین بدلہ دیں گے۔

ہماری آبادی دو حصوں میں منقسم ہے۔ اکثریت دیہات میں رہتی ہے اور اقلیت شہروں میں۔ خیر و شر کی تعلیم و تلقین تو کیا کسب معاش کے لیے جو تعلیم دی جا رہی ہے دیہاتی آبادی میں وہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے اور شہروں میں بھی اس کو کافی نہیں کہا جا سکتا۔ خیر و شر کی تعلیم مسلمہ طور پر دینی مدارس سے متعلق ہے اور شہری آبادی کے ایک معمولی حصہ کے لیے بھی کافی نہیں ہے۔ دیہاتوں میں تو شاذ و نادر ہی دینی مدرسے پائے جاتے ہیں تاہم دیہی آبادی کو مسجدوں سے تھوڑا بہت فیض پہنچ سکتا ہے کہ مسجد تقریباً ہر گاؤں میں ہوتی ہے لیکن ۔ ۔ ۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مسجدوں سے متعلق پیش نماز صاحبان عام طور سے علوم ضروریہ سے بے بہرہ ہوتے ہیں

(۱) القرآن ۳ آل عمران آیت ۱۹۵ (۲) القرآن ۱۶ النحل آیت ۹۷

یفعلون ما یؤمرون (۱) اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، اس پر بہت ہیبت ناک اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی بات میں جس کا اس نے انہیں حکم دیا نافرمانی نہیں کرتے اور جس بات کا انہیں حکم دیا جاتا ہے وہ اسے بجا لاتے ہیں۔

سربراہ خاندان خود کتنا ہی نیک اعمال اور ضابطہ کیوں نہ ہو اہل و عیال کی تعلیم و تلقین سے بے پرواہی اس کو دردناک عذاب سے دوچار کر سکتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ان اشد الناس عذابا یوم القیامۃ من جہل اھلہ (۲) قیامت کے دن وہ شخص سخت ترین عذاب میں گرفتار ہوگا جس کے اہل و عیال جاہل ہوں گے اور یہ صورت حال بالکل مقتضائے فطرت اور مطابق عقل ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ: تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق باز پرس کی جائے گی غرضیکہ عورت یا مرد جو بھی سربراہ خاندان ہو اس کا فرض ہے کہ اپنے لڑکے لڑکیوں اور نوکروں نوکرانیوں کو خیر و شر سے آگاہ کرے اور ظاہر ہے کہ ایسے معاشرے میں جہاں متنفس کو خیر و شر سے آگاہی ہو جنسی کج روی کا ارتکاب تقریباً خارج از امکان ہوگا۔

حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے زمانے میں ضروری تلقینات عام تھیں اس لیے جنسی بے راہ روی بھی شاذ تھی اور اگر کبھی کسی سے جرم سرزد ہو بھی جاتا ہے تو وہ خود ہی حاضر ہو کر سزا کا مطالبہ

---

(۱) القرآن ۶:۶۶ تحریم آیت (۲) منہج الصادقین ج ۹ صہ ۴

کر دیتا تھا: تاکہ علی توبہ کر کے آخرت کے عذاب سے نجات پا جائے۔ جس زمانے سے حکام کی رنگ رلیوں کے زیر اثر اور بعد میں غیر مسلم اقوام کے اقتدار اور صحبت کے نتیجے میں اوامر و نواہی سے ذہنی اور عملی تبعد ہوتا چلا گیا اسی دفت سے دیگر خرافات کی طرح جنسی بے راہ روی بھی مسلمان معاشروں میں جگہ پاتی چلی گئی۔

۷: ہیجان خیز لٹریچر کی اشاعت

پراپیگنڈے کی تاثیر مسلّمہ ہے۔ خیر کو شر، شر کو خیر اور اچھے کو بُرا، بُرے کو اچھا بنا دینا پروپیگنڈے بازوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ خود ہمارے زمانے میں ہماری آنکھوں کے سامنے جو زندگی گزارتے رہے ہیں اور جو ہمارے نزدیک اچھے تھے بعض افراد کے مسلسل پراپیگنڈے نے ان کی اتنی تشہیر کی کہ وہ ایک کثیر تعداد کی نگاہ میں بُرے بن گئے۔ تاریخ کے دامن میں ایسے افراد موجود ہیں جنہوں نے شجرِ اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کی کوشش کی مگر پراپیگنڈے کے زیرِ اثر وہ اسلام کے محافظ سمجھے جاتے ہیں اور جنہوں نے اسلام کے لیے تن، من، دھن سب کچھ لٹا دیا وہ آج تک بعض دعویدارانِ اسلام کی نگاہ میں باغی کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ تو ہم دن رات دیکھتے ہیں کہ تاجروں کی بعض بُری چیزیں پراپیگنڈے کے سہارے ہاتھوں ہاتھ بک جاتی ہیں جبکہ وہ اچھی اور بہتر چیزیں جن کا پراپیگنڈہ نہ کیا جائے رکھی رہتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ خیر کے لیے پراپیگنڈہ اچھا ہی کہا جائے گا اور شر کے لیے بُرا۔ اچھائیوں کو رواج دینے کے لیے جتنے بھی نشر و اشاعت کے وسائل اختیار کیے جائیں گے مستحب ہوں گے اور برائیوں کو محبوب بنانے کے لیے معمولی تشہیر بھی قبیح ہوگی اسی لیے اسلام نے نیکیوں اور بھلائیوں کے پراپیگنڈے کی ہمت افزائی کی ہے اور برائیوں کی تشہیر کی مذمت و ممانعت کی ہے۔ خصوصاً ایسا لٹریچر جس سے جنسی اشتعال پیدا ہو اور حیوانیت بروئے کار آئے اسلامی نقطۂ نظر سے مذموم

اور ممنوع ہے۔ خداوند عالم کے اسماء مبارکہ میں ایک نام "ستار" بھی ہے
وہ اپنے بندوں کی خامیوں اور کمزوریوں کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ اسی لیے اسلام کا
حکم ہے کہ اگر کسی کا کوئی عیب معلوم ہو تو جب تک وہ فسق کی حد تک نہ پہونچا
ہو اس کا ذکر نہ کیا جائے کہ یہ طریق کار بعض افراد کے لیے ہمت افزائی کا
سبب ہو سکتا ہے۔

یورپ اور ایشیا کی نام نہاد مہذب اقوام خواہش کے پراپیگنڈے
کے نتیجے میں جنسی کج روی کے سبب جس گہرے گڑھے میں جاگری ہیں وہ کوئی
ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، جب تک ناول، افسانوں اور جنسی لٹریچر کی
فراوانی نہ تھی، یہ اقوام بھی جنسی بے راہ روی کا اتنا شکار نہ تھیں لیکن جوں جوں
سے نظم و نثر کے سہارے جنسی مسائل کا تذکرہ عام ہونے لگا اور اسکولوں کالجوں
اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں جنسی مسائل محبت و عشق اور اس کے متعلقات
یعنی بوس و کنار کے تذکرہ پر مشتمل اسباق شامل کیے جانے لگے تو ہر نوجوان
لڑکا ہو یا لڑکی جنس زدہ ہو کر رہ گیا ہے۔ قرآن کریم نے واضح طور پر فواحش
کی تشہیر سے روکا ہے اس لیے کہ یہی تشہیر تشویق بنتی ہے اور شوق عملی
دنیا میں لے آتا ہے: انّ الذین یحبّون اُن تشیع الفاحشۃ
فی الذین آمنوا لہم عذاب الیم لا فی الدنیا والآخرۃ[1]
جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے یقیناً ان کے لیے دنیا اور آخرت
میں دردناک عذاب ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زبان قرآن میں "فاحشہ" جنسی بے راہ روی کو کہتے ہیں
اور ارشاد خداوندی سے یہ معلوم ہو گیا کہ ایسے امور کی نشر و اشاعت جو جنسی کج روی

۱۔ القرآن پ ۱۸ نور آیت ۱۹ ع ۱

کا وسیلہ بنیں قابل مواخذہ ہے اس لیے کہ اشاعت ہی ارتکاب کا زینہ اور وسیلہ بن کر ارتکاب کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ دوسری جگہ انسانی معاشرے کے لیے ضرر رساں باتیں بنانے والوں کے لیے اس طرح تنبیہ کی گئی ہے۔

لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبہم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بہم ثم لا یجاورونک فیہا الا قلیلاً۔ ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا۔ (۱) منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور شہر میں انتشار پیدا کرنے والی باتیں اڑانے والے اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو (اے پیغمبر) ان پر قابو دے دیں گے۔ پھر وہ آپ کے قریب کم ہی رہ سکیں گے ان پر لعنت ہے، جہاں کہیں وہ پائے جائیں گے گرفتار کیے جائیں اور بری طرح قتل کیے جائیں۔

معاشرہ کا ذہنی اور قلبی اطمینان زندگی کے ہر رخ میں، باضابطہ انسانی زندگی گذارنے کے لیے ضروری ہے اسی لیے ہر طرح کے غلط پراپگنڈے کو قابل نفرت اور لائق تعزیر قرار دیا گیا ہے۔ جنسی جذبات کو ہیجان میں لانے والے امور کا تذکرہ اور پراپیگنڈہ تو بدرجہ اولیٰ مذموم قرار دیا گیا کہ اس سے نام ونسب کی تباہی کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد مبارک ہے۔ من اذاع فاحشۃ کان کمبتدیہا (۲) جو فواحش کی اشاعت کرتا ہے گویا وہی ان کا بانی مبانی ہے۔ قرآن کریم نے فواحش اور منکرات کی تشہیر کو شیطان کی پیروی قرار دیا ہے: یا ایہا الذین آمنوا لا تتبعوا۔

---

(۱) القرآن ص ۲۲ احزاب آیت ۶۰-۶۱ !! (۲) تفسیر صافی ج ۲ ص ۱۲۳ !!

خطوات الشیطان ط ومن یتبع خطوات الشیطٰن فانہ یامر بالفحشآء والمنکر (۳) اے ایمان والو! شیطان کی پیروی نہ کرو اور جو شیطان کی پیروی کرے گا وہ یقیناً فواحش اور منکرات میں مبتلا ہونے کا حکم دے گا" اس لیے کہ کوئی معقول پسند آدمی شیطان کے پھندے میں پھنسے بغیر نہ خود فواحش میں مبتلا ہو سکتا ہے اور نہ دوسروں کو اس چکر میں ڈالنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ برائی پر دوسروں کو اکسانے والے یعنی فواحش کی اشاعت کرنے والے پہلے خود ارتکاب جرم کرتے ہیں۔ پھر دوسروں کو آمادہ جرم کرتے جاتے ہیں کہ کوئی ان پر انگلی اٹھانے والا نہ رہ جائے غرضیکہ اسلام کسی رنگ اور شکل میں بھی فواحش کی اشاعت پسند نہیں کرتا تاکہ معاشرہ پاکیزگی اور طہارت کا آئینہ دار رہے۔ فواحش کا تذکرہ تو کجا اسلام تو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ شوہر زوجہ کے مخصوص معاملات دوسروں کو بتائے جائیں کہ یہ تذکرے بھی جنسی جذبات کے لیے ہیجان کا وسیلہ بنتے ہیں جیسا کہ حدیث معصوم میں فرمایا گیا ہے نھی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن تحدث المرأۃ المرأۃ بما تخلو ابہ مع زوجھا (۲) جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا ہے کہ کوئی عورت اپنی اور اپنے شوہر کی تنہائی کے معاملات واردات کو دوسری عورت سے بیان کرے؛ چونکہ عورت کی طرف مرد کا متوجہ ہونا بہت   جنم دے سکتا ہے اس لیے انھیں ہدایت کی گئی ہے کہ اگر وہ کسی ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلیں تو ہلکے قدموں سے چلیں۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے: ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن (۳) اور وہ اپنے پاؤں اس لیے زمین پر مار کر نہ چلیں کہ ان کا وہ بناؤ سنگار جسے وہ چھپائے ہوتی ہیں ظاہر ہو جائے

۱۔ القرآن پ ۱۸ نور آیۃ ۲۱ (۲) وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۱۵۳ من لا یحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۳ ۔ (۳) القرآن پ ۱۸ نور آیۃ ۳۱

قدم کی چاپ گرد و پیش کے مردوں کی توجہ کو جذب کرے گی اور عورت مرکز نگاہ بن جائے گی۔ اور ممکن ہے کہ اس صورت حالات میں جنسی جذبہ بیدار ہو جائے اور انسان بے راہروی پر اتر آئے۔ اسی وجہ سے عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلے تو خوشبو نہ لگائے اور مردوں کی شباہت اختیار نہ کرے اور مردوں کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کی ہیئت اختیار نہ کریں کہ یہ تمام امور، اعلان و اشتہار کے حکم میں ہیں اور جنسی جذبہ کو بھڑکا سکتے ہیں۔ ولا یجوز لھا اُن تطیبت اذا خرجت من بیتھا ولا یجوز بھا ان تتشبّہ بالرجال لانّ رسول اللہ لعن المتشبھین من الرجال بالنساء ولعن المتشبھات من النساء بالرجال (۱) امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب عورت گھر سے باہر جائے تو اس کے لیے خوشبو لگانا جائز نہیں ہے اور یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ مردوں کی ہیئت اختیار کرے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی وضع قطع اختیار کی ہے اور ان عورتوں پر بھی لعنت کی ہے جو مردوں کا بانا اپنائیں۔ دوسری حدیث میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ایّ امراۃ تطیبت ثم خرجت من بیتھا فھی تلعن حتی ترجع الی بیتھا متی رجعت (۲) جو عورت خوشبو لگا کر گھر سے نکلتی ہے تو گھر واپس آنے تک اس پر لعنت برستی رہتی ہے، جب بھی واپس آئے خوشبو لگا کر عورت کا گھر سے باہر نکلنا تو بڑی چیز ہے خوشبودار چیزوں کی دھونی میں بسائے ہوئے کپڑے پہن کر گھر سے باہر نکلنا ممنوع قرار دیا گیا ہے عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال: لا ینبغی للمراۃ اُن تجمر ثوبھا اذا خرجت من بیتھا (۳) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب عورت گھر سے

(۱) وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۱۶۳ (۲) فروع کافی ج ۵ ص ۵۱۹ (۳) فروع کافی ج ۵ ص ۵۱۹

نکلے تو اس کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنے کپڑوں کو خوشبودار چیزوں کی دھونی میں بسائے۔ ظاہر ہے کہ بخورات کی خوشبو عطر پھلیل کے مقابلے میں بے حد سبک اور کمزور ہوتی ہے پھر بھی قوت شامّہ کو متاثر کرنے کی طاقت اس میں موجود ہے اور قوت شامّہ کے سہارے باصرہ کا حرکت میں آنا ممکن ہے اور نتیجہ جنسی ہیجان کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟

اگر انسان غور کرے تو اسلام نے فواحش کے ظہور کے معمولی امکان کو بھی ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ اسی احتیاط کے پیش نظر ہدایت کی گئی ہے کہ ناجائز وسائل سے جنسی جذبات کی تسکین کے سلسلہ میں بھی اتنی احتیاط کی جائے کہ بالغ تو بالغ چھوٹے چھوٹے بچے بھی باخبر نہ ہوں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: لا یجامع الرجل امرأته ولا جاریته وفی البیت صبی فانّ ذلک مما یورث الزنا (۱) مرد اپنی بیوی یا کنیزہ سے جنسی تسکین حاصل نہ کرے جب کہ گھر میں کوئی بچہ موجود ہو اس لیے کہ یہ فعل زنا کا باعث ہو سکتا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: والذی نفسی بیدہ لو انّ رجلاً غشی امرأته وفی البیت صبیّ مستیقظ یراهما ویسمع کلامهما ونفسهما ما افلح ابداً، اذا کان غلاماً کان زانیاً او جاریة کانت زانیة (۲) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ جنسی فریضہ انجام دے اور گھر میں کوئی بچہ جاگ رہا ہو جو ان دونوں کو دیکھے ان کی باتیں سن لے اور سانس کے زیر و بم کو محسوس کرے تو ایسا بچہ کبھی فلاح نہ پا سکے گا۔ اگر لڑکا ہو گا تو جنسی کج روی کا شکار ہو گا اور اگر لڑکی ہو گی تو بدکار بنے گی۔ جناب آیت اللہ خمینی نے وظائف زوجیت کی بجا آوری میں مکروہات

---

(۱) فروع کافی ج ۵ ص ۴۹۹ (۲) فروع کافی ج ۵ ص ۵۰۰

کا ذکر فرماتے ہوئے کہا ہے: وان یجامع وعنده من ینظر الیه حتی الصبی (۱) یہ بالکل ناپسندیدہ ہے کہ جنسی فریضہ کوئی شخص ایسی حالت میں انجام دے کہ کوئی اس کی طرف دیکھ رہا ہو۔ اگرچہ وہ بچہ اور بچی ہی کیوں نہ ہو صنف نازک کو جنسی جذبات کے ہیجان سے محفوظ رکھنے کے لیے اس حد تک احتیاطی تدابیر اختیار کی گئی ہیں کہ عورتوں کو زین سواری سے روکا گیا ہے۔

قال امیرالمؤمنین علیہ السلام: لا تحملوا الفروج علی السروج فتهیجوهن للفجور (۲) جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے: عورتوں کو مردوں کی طرح زین سواری نہ کراؤ کہ اس سے جنسی بے راہروی جنم لے سکتی ہے۔

ہمارے زمانے میں سائیکل اور موٹر سائیکل کا شوق بھی وہی نتائج پیدا کرتا ہے جو مردوں کی طرح گھوڑے پر سوار ہونے سے عورت کی تقدیر بنتے ہیں۔ اگر عورتوں کو گھوڑوں یا سائیکلوں وغیرہ پر سوار ہونا ہی پڑے تو آڑی ہو کر بیٹھیں یعنی دونوں ٹانگیں ایک طرف کر لیں۔

مذکورہ حقائق اور ہدایات کے پیش نظر یہ تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ جو اسلام چھونے سے چھوٹے جنسی ہیجان میں لانے والے عمل سے روکتا ہے اور وہ ہیجان خیز لٹریچر، ناول، افسانے، ڈرامے، جنسی شاعری اور تدریسی اداروں کے نصاب میں ایسی کتب یا اسباق کی تدریس کو کیسے گوارا کر سکتا ہے جن میں جنسی اشتعال کے لیے مواد موجود ہو۔ ۔ ۔ ! اور اس کے نتیجے میں جنسی کج روی کے امکانات مہیا ہوں۔ !؟ اس لیے ہمیں اپنے معاشرہ کو پاک و پاکیزہ ماحول میں پروان چڑھانے کے لیے اسلامی ہدایات کو رہنما بنانا چاہیے اور تمام ہیجان خیز وسائل کو مٹا دینا چاہیے۔

۱۔ تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۲۸۷ ۲۔ فروع کافی ج ۵ ص ۵۱۶

تھیٹروں اور سینماؤں میں بے حیائی پر مشتمل

جنسی احساسات کے اشتعال میں تھیٹر اور سینما کا کردار کچھ ڈھکا چھپا نہیں ہے اٹھانوے فیصد تماشے جنسی بے راہ روی کی ترغیب کا سبب بنتے ہیں۔ عشق معاشقوں کی ہیجان خیز تفصیلات کے علاوہ فلمی ستاروں کا بناؤ سنگار آگ پر تیل کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ آزاد اور بے بہرہ لوگ بھی ان اداروں کی جنس افروزی کے بھیانک نتائج سے نالاں اور لرزہ براندام ہیں۔

اسلامی اخلاق پر سینما اور تھیٹر سے زیادہ تباہ کن اثرات ٹی وی اور وی سی آر کے سہارے مرتب ہو رہے ہیں اس لیے کہ تھیٹر اور سینما میں خصوصی ارادے کے ساتھ چھپ چھپا کر یا کسی آدھ دوست کے ہمراہ کبھی کبھار جانا پڑتا تھا لیکن ٹی وی اور وی سی آر کی بیماری نے ہمارے معاشرے کو اس حد تک اپنی گرفت میں لے لیا کہ چھوٹے بڑے، جوان بڑھے، کنوارے، بیاہے مل جل کر ان مناظر کو دیکھتے ہیں جن کا تنہائی میں دیکھنا بھی مناسب نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آہستہ آہستہ جذبۂ حیا کمزور پڑ جاتا ہے اور بے باکی، جنسی جذبات کی ناجائز تسکین کے لیے راہ ہموار کر دیتی ہے۔ اسلام اس قسم کے تمام طور طریقوں کو شرافت اور دیانت کے لیے مضر قرار دیتا ہے کہ یہ امور لہو و لعب کے دائرے میں آتے ہیں: ونادیٰ

أصحاب النار أصحاب الجنة أن أفيضوا علينا من الماء أو مما

رزقكم الله قالوا إن الله حرمهما على الكافرين ۝ الذين

اتخذوا دينهم لهوا ولعبا وغرتهم الحياة الدنيا ج فاليوم

ننسٰھم کما نسوا لقاء یومھم ھذا ٗ وما کانوا بآیٰتنا یجحدون ؁

اور دوزخ (میں جلنے) والے جنت والوں کو آواز دیں گے کہ تھوڑا سا پانی اور کچھ اس رزق میں سے جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے ہم پر بھی ڈال دو۔ وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر یقیناً حرام کر دی ہیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنا رکھا تھا اور انہیں دنیاوی زندگی نے دھوکہ دے رکھا تھا چنانچہ آج کے دن ہم انھیں اسی طرح بھلا دیں گے جیسا کہ انہوں نے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

لہو و لعب ایسے افعال و امور کہلاتے ہیں جن میں از روئے عقل کوئی افادیت نہ ہو۔ معلوم نہیں لوگ تھیٹر اور سینما کو کس دلیل سے تفریحات میں شامل کرتے ہیں۔۔؟ تفریح تو ایسے عمل کو کہا جا سکتا ہے جس سے نفس و بدن کو سکون و توانائی حاصل ہو دماغی اور جسمانی صحت میں اضافہ ہو جبکہ تھیٹر اور سینما سے قلب و دماغ کی کاہشوں اور وقت اور سرمائے کے ضیاع کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہیں آ سکتا۔ ہم نے آج تک سینما اور تھیٹر سے بد اخلاقیوں کے علاوہ اور کچھ حاصل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا....! ظاہر ہے کہ ان تماشوں میں ممثل خود کسی کردار اور اخلاق کے مالک نہیں ہوتے تو دوسرے ان سے کیا حاصل کر سکتے ہیں.....؟ پھر پکچر ہاؤس میں کچھ سیکھنے کی نیت سے جاتا ہی کون ہے؟ وہاں تو فلم اسٹاروں کے تازہ بتازہ پوز دل سے لطف اندوز ہونے کا شوق ہوتا ہے اور جو کچھ اثرات نوجوانوں پر پڑتے ہیں ان کا مظاہرہ معاشرے کے مختلف گوشوں میں ہوتا رہتا ہے۔ اسلام یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ حیوانی جذبات کو ابھارنے کے وسائل کی سرپرستی کی جائے۔ اسلام تو پوشیدہ سے پوشیدہ اور چھوٹی سے چھوٹی جنسی بغاوت کے وسیلہ کو کچل ڈالنا چاہتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: وان کنتم تبصلون یا ھوا ودھم

۱۔ القرآن پ۸ اعراف آیت ۵۰، ۵۱۔

بغیر علم ان ربک ھو اعلم بالمعتدین ٥ وذروا ظاھر الاثم وباطنہ ط ان الذین یکسبون الاثم سیجزون بما کانوا یقترفون (۲) اور بہت سے لوگ بے سمجھے بوجھے اپنی خواہشوں کے ہاتھوں گمراہ ہو جاتے ہیں اور یقیناً تمہارا پروردگار حد سے آگے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے اور تم پوشیدہ اور ظاہر ہر طرح کے گناہ کو چھوڑ دو بے شک جو لوگ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں ان کو جلد ہی ان کی کمائی کا بدلہ دے دیا جائے گا۔ قرآن مجید نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن (۳) اے رسول کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے چھپے ہوئے اور اعلانیہ تمام فواحش کو حرام کیا ہے۔ اس مبارک آیت کی روشنی میں ہمیں ایسے کھیل تماشوں میں دلچسپی نہیں لینا چاہیئے جو جنسی احساسات کو مہمیز کرتے ہیں۔ اور دل و دماغ میں اپنے بد اثرات چھوڑ دیتے ہیں جس کے نتیجے میں قلب و دماغ خیالات فاسدہ کی آماجگاہ بنے رہتے ہیں۔

غرضیکہ سینما تھیٹر ٹی وی۔ وی سی آر اور کلبوں کے ہنگامے جنسی قوانین کی شکست و ریخت کا سبب بن سکتے ہیں اس لیے ایسی محفل آرائیوں اور رنگ رلیوں میں اسلام میں

۱۔ القرآن پارہ ۸ انعام آیت ۱۱۸، ۱۱۹ (۲) القرآن پ ۸ اعراف آیت ۳۲

رقص و سرود کی سرپرستاری و سرپرستی

رقص و سرود اور راگ رنگ، مستقل طور پر جنسی کجروی کے موثر عوامل و وسائل میں سے ہیں۔ ماضی کی تاریخ کا مطالعہ اور حال کے معاشروں کا مشاہدہ بتاتا ہے کہ عام طور سے رنگین مزاج اور عیاش طبع دولت مند اور صاحبان اقتدار ان امور میں آلودہ اور مشغول رہتے ہیں۔ عوام الناس کی ایسے مراحل میں شرکت شکاریوں کے رقصاؤ کی سی ہوا کرتی ہے۔

بعض اہل مذاہب نے گانے بجانے کو عبادات میں بھی شامل کر لیا ہے لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ یہ مذاہب وہ ہیں جو انسان کی اپنی ایجاد اور تخلیق کا کرشمہ ہیں اور رقص و سرود کو عبادات میں شامل کر لینے کے باوجود ان کی فواحش خیزی سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ مسلمانوں میں سے بھی بعض افراد نے گانے بجانے کو سند جواز عطا کی لیکن یہ صرف ان کی اپنی اختراع ہے۔ شریعت محمدی میں اس کی حلت و جواز کے لیے کوئی افتادہ سند بھی ان کو میسر نہیں آسکتی بلکہ اسلام نے واضح طور پر رقص و سرود کو حرام قرار دیا ہے۔ اس تعلق میں قرآن کریم۔ احادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عمل اہل بیت علیہم السلام اور عمل اصحاب رضوان اللہ علیہم، واضح شہادت مہیا کرتے ہیں کہ راگ رنگ کسی نہج سے بھی اسلام میں جائز نہیں ہے۔

اسلام صرف ایسے مسائل و امور کو جائز قرار دیتا ہے جس سے انسان کو انفرادی طور پر یا انسانی معاشرہ کو مادی یا روحانی فائدہ پہنچے اور اخلاقیات میں رفعت و بلندی آئے۔ گانا بجانا، انسان اور انسانی معاشرے کے لیے کسی قسم کی

افادیت نہیں رکھتا۔ ہر کام کا کوئی مقصد ہوتا ہے آخر رقص و سرود کا مقصد کیا ہے ؟ گانے بجانے کی ایجاد سے لے کر اس وقت تک اس میں مصروف رہنے والے افراد نے جنسی انارکی کے تحفے کے علاوہ معاشرہ کو اور کیا دیا ہے ۔ ۔ ۔ ؟

موسیقی کو "روحانی غذا کہنے والے" روح اور روحانی غذا کے معنی سے بے خبر ہیں۔ اگر موسیقی میں تغذیہ روح کا کوئی سامان ہوتا تو دنیا بھر کے موسیقار مرد و زن بہترین روحانی افراد ہوتے ہیں ۔ ۔ ۔ !! جب نماز روزہ وغیرہ کی تاثیر خیر، عامل کی شخصیت سے چھلکنے لگتی ہے اور اس کے چہرے پر پاکیزگی اور طہارت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں تو اگر رقص و سرود تغذیہ روح کے وسائل ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ان کے آثارِ خیر ان میں مشغول رہنے والوں کی شخصیتوں میں نہیں ابھرتے ۔ ۔ ۔ ؟؟؟!

بعض صوفیائے کرام کو فہم حقیقت میں ذہنی ٹھوکر کا شکار ہونا پڑا ہے کہ وہ روح اور روحانیت کو ہلاکت اور تباہی کے گڑھے میں دھکیلنے والے وسائل کو روحانی زندگی کا زینہ سمجھ بیٹھے ہیں ۔ اگر کوئی شخص محفلِ رقص و سرود میں حمد و نعت و منقبت کی نہیں ہے بلکہ یہ غنا اور آلات غنا کا اثر ہے۔ اگر یہ شخص میں حمد و نعت و منقبت پر مشتمل کلام سن کر مبہوت و مسحور ہو جاتا ہے اور لا یعنی حرکتیں کرنے لگتا ہے تو در حقیقت یہ تاثیر، حمد و نعت و منقبت کی نہیں ہے بلکہ یہ غنا اور آلات غنا کا اثر ہے اگر یہ شخص کلام معرفت سے متاثر ہوا ہوتا ہے تو غنا اور آلات غنا کے بغیر اس تاثیر کا فقدان کیوں ہے ۔ ۔ ۔ ؟ اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ یہ تاثیر کلام معرفت نہیں ہے بلکہ تاثیر غنا ہے اور جو حرکتیں محفل غنا میں سرزد ہوتی ہیں اگر عالم ہوش و حواس میں ایسا ہی کچھ ہو تو یقیناً شرمندگی دامن گیر ہو گی اس لیے کوئی شخص ایسی حرکتوں کے ارتکاب کو مناسب نہیں سمجھ سکتا۔

موسیقی کی تاثیر کے متعلق ماہرین کی رائے ہے کہ یہ انسان کے قوائے باطن کو مکدر کر دیتی ہے : ایک ماہر کی رائے ملاحظہ فرمائیے" ہم بر سبیل استقرار موسیقی کے اثرات کے بارے

میں تنا سکتے ہیں کہ وہ قوائے باطن یا سامع کی طبیعت کو اپنی جانب ایسا متوجہ کرلیتی ہے کہ محویت سی طاری ہوجاتی ہے" (۱) اس بیان سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ جو صوفیائے کرام راگ و رنگ کے شکار زبوں ہوتے ہیں معارف تو کیا انھیں تو اپنی بھی خبر نہیں ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔ اسی لیے اگر محفل موسیقی سے باہر ان سے ان حرکات وسکنات کی خواہش کی جائے تو وہ بھی کبھی "ہاؤ ہو" اور اس کے متعلقات کو گوارہ نہیں کریں گے بہر حال ہزار دل کوشش کے باوجود موسیقی پرست طبقہ اسی معاشرہ کے لیے اس کی افادیت کی کوئی دلیل نہیں دے سکا ہے گو بعض متصوفہ نے اسے عملاً مباح کردیا ہے مگر تاویلات رکیکہ کے علاوہ ان کے پاس متشابہ شرعی دلیل بھی موجود نہیں ہے چنانچہ صوفیا کے بہت سے طبقات سماع کو حرام جانتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نومسلم متصوفہ، یہودیت، عیسائیت مجوسیت اور ہندوستان کے مذاہب سے متاثر ہوئے اور انہوں نے اپنے نفوس کی تسکین کے لیے گانے بجانے کا نام سماع رکھ لیا جو اسلام سے کھلی ہوئی بغاوت ہے دوسری طرف امام حسین علیہ السلام کے تذکرہ کی مجالس میں قصیدہ اور مرثیے وغیرہ کی شکل میں گانے کو شامل کرلیا گیا۔ قوالی کی طرح آلات غنا تو استعمال نہ کیے گئے تاہم مجالس عزا صرف غنا کی حد تک لذت پرستی کا وسیلہ بنالی گئیں۔ قیامت تو یہ ہے کہ ان حرکات پر لوگ ثواب کے امیدوار ہوتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ! مسلمانوں کے مختلف اور متعدد فرقے اور مکاتب فکر ہیں۔ کسی فرقے کے کسی چھوٹے سے چھوٹے عالم نے بھی غنا اور آلات غنا کے استعمال کو جائز نہیں کہا ہے۔ تمام علماء اسلام کے نزدیک گانا بجانا بالاتفاق حرام ہے اور حمد و نعت و منقبت و نوحہ و قصیدہ اور قرآن میں غنا کا استعمال شدید حرام ہے اس لیے کہ محل اطاعت میں معصیت کا ارتکاب دین کے خلاف بغاوت اور خدا و رسولؐ اور معصومینؑ کے مقابلہ میں دیدہ دلیرانہ جسارت ہے۔ ارتکاب حرام پر ثواب کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ ملت جعفریہ کے عالم جلیل آیۃ اللہ العظمیٰ

۱۔ معارف النغمات حصہ اول صفحہ ۱۷۱

الشیخ مرتضیٰ انصاری رحمۃ اللہ علیہ، تعریف غنا پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :
الغناء الصوت المشتمل علی الترجیع المطرب والطرب علی ما فی الصحاح خفۃ یعتری الانسان لشدۃ حزن او سرور (۱) غنا آواز کو اس طرح ابھارنا ہے کہ جس میں سم، تال تا ٹھیکا پیدا ہو جائے اور جیسا کہ صحاح جوہری میں وضاحت کی گئی ہے کہ طرب شدت غم و سرور سے پیدا ہونے والے ذہنی انفعال کا نام ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ فقراءۃ القرآن والدعاء والمراثی بصوت یرجع فیہ علی سبیل اللهو، لا اشکال فی حرمتہا ولا فی تضاعف عقابہا لکونہا معصیۃ فی مقام الطاعۃ (۲) چنانچہ قرآن کریم دعاؤں اور مرثیوں کا گنگری سے یعنی گانے کے طور پر پڑھنا بلا شک بہ نیت حرام ہے اور اس حرکت میں دگنا عذاب ہے کیونکہ یہ حرکت مقام اطاعت میں معصیت ہے" ظاہر ہے کہ قرآن مجید دعاؤں اور مرثیوں میں غنا کی آمیزش خدا و رسول کی ایک طرح کا چیلنج ہے اور یقیناً یہ جسارت موجب اضافہ عقاب ہے۔!!

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے غنا کی حرمت میں علمائے عالم اسلام میں کوئی اختلاف نہیں ہے جناب آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ مرتضیٰ انصاری فرماتے ہیں : الغناء لا خلاف فی حرمتہ فی الجمیع والاخبار بہا مستفیضۃ وادعی فی الایضاح تواترھا (۳) غنا کی حرمت میں تھوڑا سا اختلاف بھی نہیں ہے اس متعلق میں احادیث معصومین کثیر ہیں اور "ایضاح" میں تواتر کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ صاحب ریاض المسائل اور صاحب مجمع البحرین نے لکھا ہے : والغناء ھو مد الصوت المشتمل علی الترجیع المطرب او ما یسمی فی العرف غناء وان

۱- المکاسب ص۳۶-۳۷ (۲) المکاسب ص۳۷ (۳) المکاسب ص۳۶

لم يطرب سواء كان فی شعر او قرآن او فی غیرهما (۱) غنا آواز کو اس طرح کھینچنا ہے کہ جس میں الٹے پلٹے ہوں یا غنا آواز کا وہ استعمال ہے جس کو عرف عام میں غنا کہا جاتا ہے۔ اگر اس سے خفت عقل یعنی اثر پیدا ہو یا نہ ہو خواہ یہ شعر میں ہو یا قرآن میں یا ان کے علاوہ۔

خود غنا اور علم موسیقی کے جاننے والوں نے کہا ہے کہ غنا مراد ہے اس نغمہ سے جو الحان منتظم بنظام معین سے ارادتاً تالیف و ترکیب پائے (۲) ظاہر ہے کہ موسیقی ایک فن ہے اور اس کے کچھ قواعد و ضوابط ہیں ان قواعد و ضوابط کے مطابق ارادتاً جو کچھ گایا جائے وہی غنا کہلائے گا۔ چنانچہ شادی بیاہ کے موقع پر عورتیں جو گیت پڑھا کرتی ہیں وہ فطرتِ تکلم کے مطابق ہوتے ہیں اس لیے اس کو حرام نہیں سمجھا جائے گا کہ ان مراحل پر موسیقی کے ضوابط کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا ہے اور آلات غنا کو استعمال نہیں کیا جاتا۔ اگر آلات غنا اور ضوابطِ موسیقی کو شامل و داخل کیا گیا تو یہ عمل بھی حرام ہو جائے گا۔

علم موسیقی کے ماہروں نے اس علم کا موضوع بتاتے ہوئے کہا ہے کہ "موضوع اس علم کا وہ آواز ہے جو براعتبار اپنے نظام کے، نفس میں ایک تاثیر خاص پیدا کرے (۳) چنانچہ یہ دیکھا گیا ہے کہ گانے بجانے کی محفلوں میں لوگ اتنے بدحواس ہو جاتے ہیں کہ اپنی جیبیں اور سر دونوں ہی خالی کر ڈالتے ہیں گانے بجانے کی تاثیر مسلّم ہے ہم ٹھاکر نواب علی کی کتاب معارف النغمات سے ایک واقعہ نقل کر رہے ہیں جس سے غنا کے اثرات کو سمجھنے میں خاصی مدد مل سکتی ہے:

معلم ثانی ابوالنصر فارابی ایک جلیل الشان فلسفی، موجد ساز "قانون" (ایک باجہ زمانہ خلافت رضی اللہ (بنی عباس) میں تھا جس میں موسیقی میں منجملہ اور امور کے کمال

۱۔ ریاض المسائل کتاب التجارت۔ مجمع البحرین ج اول ص ۳۲۱ (۲) معارف النغمات حصہ اول ص ۳ (۳) معارف النغمات حصہ اول ص ۳

دخل تھا۔ ایک روز اس کا گزر سیف الدولہ علی بن حمدان کی مجلس میں ہوا۔ اس وقت
اکثر علوم کے عالم جمع تھے۔ فارابی کی عادت تھی کہ ترکی سپاہیوں کی وضع میں رہتا تھا
اسی وجہ سے اس کو کسی نے پہچانا نہیں اور یہ کھڑا رہا سیف الدولہ نے اشارہ کیا کہ
بیٹھ جاؤ! اس نے فوراً سوال کیا، اپنی جگہ کہ تمھاری جگہ؟ سیف الدولہ نے جواب
دیا اپنی جگہ۔ یہ سنتے ہی حضرت لوگوں کو نانگتے ہوئے مسند پر بیٹھ گئے (ٹھاکر
نواب علی تعلقہ دار تھے اور کشوریہ سٹریٹ لکھنؤ میں ان کی بہت بڑی حویلی تھی جس کا نام
افضل محل تھا۔ ہم حیران ہیں کہ وہ شخص جسے لکھنؤ کی تہذیب اور زبان کا امین ہونا
چاہیئے تھا اس نے بازاری زبان کا محاورہ استعمال کیا ہے "یعنی پھلانگتے ہوئے کے بجائے
"نانگتے ہوئے" لکھا ہے۔۔۔۔۔ !!!) اور بیٹھے بھی اس طریقے سے کہ سیف الدولہ ناچار
اپنی جگہ سے سرک گیا جس قدر وہ سرکتا گیا یہ بڑھتے گئے یہاں تک کہ وہ بائیں مسند جا بیٹھا، یہ حرکت
سیف الدولہ کو بری معلوم ہوئی اور اس نے اپنے غلاموں کی طرف متوجہ ہو کر ایک خاص
زبان میں جو مشہور نہ تھی کہا کہ یہ بڈھا بڑا بدتمیز ہے۔ میں اس سے چند مسائل علمی پوچھتا ہوں
اگر اس نے جواب دیا تو خیر ورنہ بارِ ہستی سے سبک دوش کر دینا۔ فارابی نے اسی زبان میں
جواب دیا کہ حضور عالی صبر کیجئے اور نتیجہ کے منتظر رہیئے۔ سیف الدولہ نے متعجب ہو کر
کہا۔ کیا تم اس زبان سے بھی واقف ہو؟ انہوں نے کہا ہاں بلکہ ستر زبانوں سے زیادہ جانتا
ہوں۔ اب سیف الدولہ کی نگاہ میں ان کی وقعت کسی قدر قائم ہوئی۔ پھر فارابی علمائے حاضر
سے گفت گو میں مصروف ہوا۔ نوبت باینجا رسید کہ سب مغلوب ہو کر خاموش ہو گئے
اور صرف فارابی کلام کرتا رہا۔ آخر لوگوں نے اس کی تحقیقات قلمبند کرنا شروع کیں
صحبت کا یہ رنگ دیکھ کر سیف الدولہ نے سب علماء کو رخصت اور فارابی سے
کھانے پینے کی صلاح کی جواب نفی میں پا کر پوچھا کہ گانا سنو گے؟ کہا ہاں! فوراً بڑے
بڑے گویے حاضر ہوئے اور جی توڑ کر گائے مگر اس نے سب کو نام رکھا۔ پھر سیف الدولہ

نے جھنجھلا کر کہا آپ ہی کچھ کمال دکھایئے۔ اس نے اپنی کمر سے ایک تھیلی نکالی جس میں لکڑیوں کے ٹکڑے تھے۔ ان ٹکڑوں کو جوڑ کر بجانا شروع کیا حاضرین اس کی تاثیر سے ہنسنے لگے۔ بعدازاں دوسری ترکیب سے بجانا شروع کیا۔ اب کی مرتبہ لوگ از خود رفتہ ہو کر رونے لگے۔ آخر کار کچھ ایسی محویت طاری ہوئی کہ سب سو گئے اور یہ وہاں سے غائب ہو گیا"[1]

انسان تو انسان گانے بجانے کا اثر تو جانوروں پر بھی پڑتا ہے اور تاریخ کے ریکارڈ پر یہ چیز موجود ہے کہ کئی لوگ جنگلی جانوروں کو نغمہ سے مسحور کر کے پکڑ لیا کرتے تھے گانے کی یہی تاثیر ہے جو سماع کی شکل میں بعض لوگوں کو مسحور کر دیتی ہے لوگ اسے عبادت میں استغراق کہتے ہیں حالانکہ وہ نغمہ میں محویت ہوتی ہے۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے!!

مسلم تاریخ کا یہ بڑا افسوسناک رُخ ہے کہ بنی اُمیہ اور بنی عباس وغیرہ کے سلاطین نے موسیقی کی سرپرستی کر کے مسلمان معاشروں میں اس حرام کو رواج دیا۔ موجودہ زمانے میں اسلام سے ناآشنا لوگ ناچ گانے کی محفلوں کو "ثقافتی شو" کے نام سے منعقد کرتے ہیں۔ نقطہ کا بدلنا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ لوگ بھی راگ رنگ کو از روئے اسلام جائز نہیں جانتے۔ . . . !! یہ ثقافتی شو والے اگر گانا بجانے کو مسلمانوں کی ثقافت سمجھتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ انگریز کی طرح اپنی بہو بیٹیوں کو بھی محفل رقص و سرود میں لا کر نچائیں۔ حالانکہ یہ قیامت تک اس کو صورتحال کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ گانا بجانا مسلمانوں کی ثقافت نہیں۔ بلکہ نام نہاد یورپین یا دوسری اقوام کی نقالی اور لذت کوشی کا ایک بھونڈا طریقہ ہے۔

بہرحال اسلام نے گانے بجانے کو دو وجہ سے حرام قرار دیا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ بذاتِ خود یہ انسانی اخلاق کے لیے کسی نہج سے مفید نہیں ہے بلکہ ضیاع وقت و سرمائے کا

---

[1] مصارف النجات حصہ اول صہ۱۲ بحوالہ روضۃ الصفا و وفیات الاعیان۔

سبب ہے اور دوسرے اس لیے کہ جنسی کج روی کا ذریعہ ہے۔ قرآن مجید نے واضح طور پر فرمایا ہے: ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضلّ عن سبیل اللّٰہ بغیر علم قصلے ویتخذ ھا ھزوًا اولئک لھم عذاب مھین ہ واذا تتلی علیہ آیاتنا ولّی مستکبراً کان لم یسمعھا کانّ فی اذنیہ وقراً ج فبشرہ بعذاب الیم (۱) اور لوگوں میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو بیہودہ باتیں خریدتے ہیں تاکہ وہ جہالت کی وجہ سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکائیں اور اسے ٹھٹھا مخول بنائیں انہی لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے اور جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے۔ گویا اس نے اُسے سنا ہی نہیں۔ گویا اس کے دونوں کانوں میں گرانی ہے پس تم اسے دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔

حجۃ الاسلام مولانا سید محمد حسین طباطبائی مذکورہ آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللھو مایشغلک عمّا یھمّک ولھو الحدیث، الحدیث الذی یلھی عن الحق بنفسہ کالحکایات الخرافیۃ والقصص الداعیۃ إلی الفساد والفجور أو بما یقارنہ کالتغنی بالشعر أو بالملاھی والمزامیر والمعازف فکل ذلک یشملہ لھو الحدیث (۲) "لھو، وہ فعل ہے جو زندگی کے لیے ضروری امور سے غافل کر دے اور لھو الحدیث وہ بات ہے جو بذات خود حق سے بے پرواہ کر دے جیسے من گھڑت قصے اور فساد و فجور پر آمادہ کرنے والی کہانیاں، یا وہ باتیں جو حق سے انحراف میں مددگار رہوں جیسے شعروں کا گانا یا آلات موسیقی، بانسریاں اور طنبورے سارنگیاں وغیرہ۔ یہ تمام باتیں کو لفظ "لھو الحدیث" شامل ہے"۔ تمام مفسرین کے نزدیک مذکورہ آیت گانے

۱۔ القرآن ۲۱ لقمٰن ۶ آیت ۷ (۲) تفسیر المیزان ج ۱۶، ص ۲۳۰

بجانے اور رقص و سرود کی حرمت کا واضح اعلان کرے۔

عن یحییٰ بن عبادة عن أبی عبد اللہ علیہ السلام قلت قولہ عزوجل ومن الناس من یشتری لھو الحدیث؟ قال منہ الغناء (۱) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ لفظ لھو الحدیث کے مفہوم میں غنا شامل ہے وفی الکافی عن الباقر علیہ السلام: الغناء مما اوعد اللہ علیہ النار وتلا ھذہ الآیة (۲) امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ غنا ایسا فعل ہے جس پر اللہ نے عذاب جہنم کی دھمکی دی ہے۔ عن الحسن بن ھارون قال سمعت أبا عبد اللہ علیہ السلام یقول: الغناء مجلس لا ینظر اللہ إلی اھلہ (۳) حسن بن ہارون کہتے ہیں کہ: شرکائے محفل غنا سے اللہ بیزار اور بری ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: من ملأ مسامعہ من غناء لم یؤذن لہ أن یسمع صوت الروحانیین یوم القیامة۔ قیل وما الروحانیون؟ قال قراء أھل الجنة (۴) جس شخص نے اپنے کانوں کو گانے کی آواز سے بھرا، قیامت کے دن اس کو روحانیوں کی آواز سننے کی اجازت نہ ہوگی۔ عرض کیا گیا کہ یہ روحانی کون لوگ ہیں؟ تو فرمایا: اہل جنت میں سے تلاوت کلام پاک کرنے والے ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے: یحشر صاحب الغناء من قبرہ أعمیٰ و أخرس و أبکم (۵) گانے بجانے والا قیامت کے دن اپنی قبر سے اندھا گونگا اور بہرہ اٹھے گا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا ہے: فأما الغناء فمحذور (۶) غنا بہر حال حرام ہے قال الصادق علیہ السلام: والغناء مما اوعد اللہ عزوجل علیہ النار، وھو قولہ عزوجل: ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا

(۱) المیزان ج ۱۶ ص ۲۲۳ (۲) المیزان ج ۱۶ ص ۲۲۳، البرہان ج ۳ ص ۲۷۹، صافی ج ۲ ص ۳۱۷ (۳) البرہان ج ۳ ص ۲۷۹ (۴) مجمع الصادقین ج ۷ ص ۲۲۷ (۵) جامع الاخبار ص ۱۷۸ (۶) من مجموعہ الفقہیة ص ۴۹۲!

هزوا اولئك لھم عذاب مھین (۱) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ غنا ان امور میں سے ہے جن کے لیے اللہ نے عذاب دوزخ کا اعلان کیا ہے اور وہ اللہ کا یہ فرمان ہے: ومن الناس من یشتری لھوا لحدیث الخ؛ ایک حدیث میں اس طرح فرمایا ہے: الغناء مفسدۃ للمال، مسخطۃ للرب و مفسدۃ للقلب (۲) راگ ورنگ مال کی تباہی، اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور فساد قلب کا سبب اور ذریعہ ہیں جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے راگ ورنگ ایک خبیث کام ہے انسان کے لیے اس کی کوئی افادیت نہیں ہے اور کسی رخ سے بھی اس کی ضرورت ثابت نہیں کی جاسکتی اس کے ساتھ ہی یہ جنسی کج روی کا ذریعہ بھی ہے جیسا کہ حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو انسانی فطرت کے حامل ترین شناختی ہیں، فرمایا ہے: الغناء رقیۃ الزنا (۳) غنا حرام کاری وسیلہ ہے۔

ہمارے زمانے کے شرافت کا منہ چڑانے والے لوگوں نے راگ ورنگ کو فن لطیف کا نام عطا کردیا ہے لیکن تاریخ میں موجودہ دنیا کے کسی حصہ میں بھی دیکھ لیجئے ان امور میں مشغول عورتیں اور مرد ہر قسم کی لطافت سے بے بہرہ ہیں بلکہ کثافتوں کے انبار لیے پھرتے ہیں ۔۔۔! یہ لفظ کے غلط استعمال کی عجیب ترین مثال ہے ۔۔۔!! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غنا کی تعلیم کو حرام قرار دیا ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: لا یحل تعلیم المغنیات ولا بیعھن واثمانھن حرام (۴) لونڈیوں کو گانے بجانے کی تعلیم دینا حرام ہے اور ان کا بیچنا بھی حرام ہے اور اگر وہ بیچ ڈالی جائیں تو ان کی قیمت کا استعمال کرنا حرام ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا یحل تعلیم المغنیات ولا بیعھن ولا شراءھن ولا تجارۃ فیھن وثمنھن حرام ثم قال! والذی بعثنی بالحق

(۱) من الحضرۃ الفقیہ ص ۸۲ (۲) نہج الفارقین ج ۲ ص ۲۲ (۳) جامع الاخبار ص ۱۷۷ (۴) المیزان ج ۱۶ ص ۲۲۴

مارفع رجل عقیرۃ صوتہ بالغناء إلّا بعث اللہ تعالیٰ علیہ عند ذلک شیطانین علی ھذا العاتق واحد و علی ھذا العاتق واحد، یضربان بأرجلھما الی صدرہ حتیٰ ھو الذی یسکت (۱) لونڈیوں کو گانے بجانے کی بجائے تعلیم دینا ان کو بیچنا اور خریدنا اور ان کے گانے بجانے کی تجارت کرنا جائز نہیں ہے اور ان کی قیمت اور کمائی حرام ہے۔ پھر فرمایا قسم اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا، جیسے ہی کوئی شخص گانے کی آواز بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ دو شیطان اس پر مسلط کر دیتا ہے، ایک اس کاندھے پر اور ایک دوسرے کاندھے پر، وہ اپنے پاؤں اس وقت تک گویّے کے سینے پر مارتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ چُپ نہ ہو جائے۔" گویا شیاطین، موسیقار صاحب کے سینوں کو طبلوں کے طور پر کام میں لاتے ہیں۔ عن أبی عبد اللہ علیہ السلام سئل رجل عن بیع الجواری المغنیات فقال: شراءھن بیعھن حرام وتعلیمھن کفر (۲) امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص نے گانے والی لونڈیوں کی خرید و فروخت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ان کا خریدنا اور بیچنا حرام ہے اور ان کو گانے بجانے کی تعلیم دینا کفر ہے۔

عن ابراھیم بن أبی البلاد قال: أوصی إسحاق بن عمر عند وفاتہ بجوار لہ مغنیات أن نبیعھن ونحمل ثمنھن إلی أبی الحسن علیہ السلام قال ابراھیم: فبعت الجواری بثلاث مائۃ الف درھم وحملت الثمن الیہ فقلت لہ: إنّ مولی لک یقال لہ اسحاق بن عمر قد أوصی عند موتہ ببیع جوار لہ مغنیات وحمل الثمن الیک وقد بعتھن وھذا الثمن ثلاث مائۃ الف درھم، فقال: لا حاجۃ لی فیہ إنّ ھذا سحت وتعلیمھن کفر، والاستماع منھن نفاق وثمنھن سحت (۳) ابراھیم بن البلاد

(۱) البرہان ج ۳ صفحہ ۳۷۰ (۲) فروع کافی ج ۵ صفحہ ۱۲۰ (۳) فروع کافی ج ۵ صفحہ ۱۲۰

کہتے ہیں کہ اسحاق بن عمر نے اپنی وفات کے وقت اپنی کچھ گانے والی کنیزوں کے متعلق وصیّت کی کہ ہم ان کو بیچ کر ان کی قیمت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیں ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے حسب وصیّت وہ کنیزیں تین لاکھ درہم میں بیچ ڈالیں اور قیمت امام علیہ السلام کی خدمت میں لے گیا اور عرض کیا کہ آپ کے ایک خادم نے جس کا نام اسحاق بن عمر تھا، مرتے وقت وصیّت کی تھی کہ اس کی گانے والی کنیزیں بیچ کر قیمت آپ کی خدمت میں حاضر کر دی جائے چنانچہ میں نے ان کو فروخت کر دیا جائے اور تین لاکھ درہم حاضر ہیں، امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے یہ یقیناً حرام ہے اور کنیزوں کو گانے بجانے کی تعلیم دینا کفر ہے، ان سے گانا سننا نفاق ہے اور ان کی قیمت ناجائز ہے۔

یہ تاریخی حقیقت ملحوظ خاطر رہے کہ دور جاہلیت کے باقیات میں سے حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے دور میں گانے بجانے والی کنیزیں موجود تھیں، شرفا کی لڑکیاں اور خواتین کو حرام قرار دیا ہے لیکن جدید جاہلیت میں جو ہمارے زمانے کا تحفہ ہے بازاری عورتوں کے ساتھ شرفاء کے گھروں میں بھی ناچ گانے کا رواج پڑھتا جارہا ہے..... ! یعنی موجودہ دور آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے قبل کے دور جاہلیت سے بھی گیا گذرا ہے..... ! تعلیمات اسلام سے بے خبری، ریڈیو، ٹیلیویژن اور وی سی آر کا ہر گھر میں وجود اور غلط استعمال اور نام نہاد یورپین اقوام کی نقالی اس ناشائستہ حرکت کے جوہری اسباب ہیں۔ دور جاہلیت میں شرفا نے اپنی بہو بیٹیوں کو بھی گانے بجانے کی اجازت نہیں دی البتہ رنگین مزاج افراد کنیزوں اور لونڈیوں سے یہ کام لیتے تھے جس کو اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔ یہ تو ہمارے زمانے کا کمال ہے کہ یورپ زدہ اور مغرب کے ذہنی غلام گانے بجانے کو اپنی معاشرت میں

(۱) البرہان ج ۳ ص ۲۷۲ (۲) فروع کافی ج ۵ ص ۱۲۰ (۳) فروع کافی ج ۵ ص ۱۲۰

داخل کرتے جارہے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ! تاہم ان حضرات کے عمل کا اسلام اور مسلمان سے کوئی واسطہ نہیں ہے یہ ارتکاب جرم اور حرام ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ، قرآن، حدیث، عمل اہل بیت علیہ السّلام و اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اور علماء اُمّت مسلمہ کے چہاردہ صد سالہ طریق کار کی روشنی میں ہر مسلمان کو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ راگ و رنگ اور رقص و سرود حرام ہے اور ان سے جنسی بے راہروی کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔ اگر ان کو ختم کر دیا جائے تو جنسی کجروی کا ایک بہت بڑا سبب معدوم ہو جائے گا اور اس وسیلہ سے جو طبقہ جنسی کجروی کا شکار ہوتا ہے وہ محفوظ رہے گا۔

سرکار آیۃ اللہ خمینی دامت ظلالہ فرماتے ہیں: الغناء حرام فعلہ وسماعہ والتکسب بہ (الی ان قال) ولافرق بین استعمالہ فی کلام حق من قراءۃ القرآن والدعاء والمرثیۃ وغیرہ من شعراو نثر بل یتضاعف عقابہ لو استعملہ فیما یطاع بہ اللہ تعالی۔ نعم قد یستثنی غناء المغنیات فی الأعراس (۱) گانے بجانے کا ارتکاب کرنا، اس کا سننا اور اس کو ذریعہ معاش بنانا حرام ہے۔ آگے بڑھ کر فرماتے ہیں: کلام حق جیسے تلاوت قرآن دعا اور مرثیہ وغیرہ، خواہ شعر ہو یا نثر کے پڑھنے میں غنا کے استعمال کی حرمت میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ اگر غنا کو محل اطاعت الٰہی میں استعمال کیا جائے تو اس کا گناہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ ان شادیوں کے موقع پر گیت پڑھنا اس سے مستثنیٰ ہے یعنی جائز ہے جبکہ سادہ اور فطری طریقے پر گیت پڑھے جائیں اور گانے بجانے کے ضوابط اور آلات کام میں نہ لائے جائیں۔

۱۔ تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴

نیم عریاں لباس کی ہمت افزائی اور اس کا رواج

لباس ، انسان کی ایک عالمگیر ضرورت ہے. جن غیر متمدن قبائل میں مرتب لباس کا رواج نہیں ہے وہ بھی بدن کے مخصوص حصوں کو چھپانے کا اہتمام کرتے ہیں. بعض ہندو سادھو جو "ننگے" کہلاتے ہیں اور لباس سے بے نیاز ہوتے ہیں وہ بھی ستر عورتین کو فرض جانتے ہیں. اخباری ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ اور یورپ کے بعض دیگر ممالک بھی کچھ منچلے. نام نہاد فطرت پرستوں نے "برہنہ کلب" قائم کر رکھے ہیں. کلب کے اندر معلوم نہیں وہ بالکل برہنہ ہوتے ہیں یا سادھوؤں اور وحشی قبائل کی طرح آگا پیچھا چھپانے کے لیے کپڑے کا کوئی ٹکڑا استعمال کرتے ہیں یا نہیں . . . لیکن کلب کی عمارت میں داخل ہونے سے پہلے برہنہ کلبوں کے ممبر فل ڈریس میں آتے ہیں. کلب میں داخل ہو کر یہ لباس اتار دیا جاتا ہے اور کلب سے باہر جاتے ہوئے اس کو پہن لیا جاتا ہے. بہر حال لباس کسی نہ کسی صورت میں ہر انسان ضروری سمجھتا ہے.

لباس کی شکل و صورت اور تراش خراش کا تعین جغرافیائی تقاضوں، قومی و قبائلی رجحانات و روایات اور انفرادی و شخصی جذبات و خواہشات کے زیر اثر ہوتا ہے. اسی لیے اسلام نے لباس کی شکل و صورت کا تعین نہیں کیا ہے بلکہ لباس کی غرض کی توضیح اور اس کے اصول و ضوابط تجویز کر دیتے ہیں تاکہ ہر انسان اپنے حالات کے تحت لباس کی شکل و صورت میں خود ترتیب دے اور لباس سازی میں اسلامی نکتہ نظر کو ملحوظ رکھے.

لباس سازی میں اسلام کا "پہلا ضابطہ یہ ہے کہ لباس ایسے مواد (میٹریل) سے بنایا جائے جو جائز اور مباح ہو۔ (۲) یہ اشیا، جائز وسائل سے حاصل کی جائیں۔ (۳) لباس اس طرح مرتب کیا جائے کہ جسم کے ان حصوں کی نمائش نہ ہو سکے جن کا چھپانا واجب قرار دیا گیا ہے اور وہ مردوں کے لیے بہ نظر احتیاط ناف سے گھٹنوں تک کا حصہ ہے اور خواتین کے جسم کا ہر حصہ چھپائے جانے کے لائق ہے جسے زبان شرع میں عورت کہا جاتا ہے یعنی المرأة عورة کلها "عورت سر سے پیر تک عورت ہے" یعنی چھپائے جانے کے قابل ہے۔

اس حقیقت کی طرف قرآن کریم میں انسانوں کو واضح طور پر توجہ دلائی گئی ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے یٰبنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم وریشا ولباس التقویٰ ذلک خیر ذلک من آیات اللہ لعلھم یذکرون (۱) اے اولاد آدم یقیناً ہم نے تمھارے لیے لباس نازل کیا جو تمھارے تن بدن کو چھپاتا ہے اور زینت بھی ہے اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے اچھا ہے (لباس کا نازل ہونا) اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیت کی رو سے یہ حقیقت واضح اور نمایاں ہے کہ لباس کا استعمال تن بدن کو چھپانے اور زینت کے لیے ہے لہٰذا ہیجان خیزی کے گوشے نگاہِ اسلام میں مقبول نہیں ہو سکتے۔ ایک دوسری آیت میں بڑے حسین استعارے کے انداز میں عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے کا لباس کہہ کر لباس کی غرض و غایت یعنی پردہ پوشی کا اظہار و اعلان کیا گیا ہے ھن لباس لکم وانتم لباس لھن (۲) وہ تمہارے لیے بمنزلۂ لباس ہیں اور تم ان کے لیے بمنزلۂ لباس ہو۔

---

(۱) القرآن پ ۸ اعراف آیت ۲۶ (۲) القرآن پ ۲ بقرہ آیت ۱۸۷۔

لباس اپنی غرض وغایت یعنی پردہ پوشی کی تکمیل نہ کر سکے تو وہ عالم اسلام کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ ایسا لباس جو کچھ اعضاء کی نمائش کا سبب ہو جنسی ہیجان کا وسیلہ بن سکتا ہے۔ قرآن کریم نے بڑے لطیف پیرائے میں اس امر کی طرف انسان کو متوجہ کیا ہے کہ لباس کے مقصد پردہ پوشی سے فرار شیطانی عمل ہے کہ آخر کار اس طرح جنسی کج روی جنم لے سکتی ہے: یٰبنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما آخرج ابویکم من الجنۃ ینزع عنھما لباسھما لیریھما سوآتھما (۱)، اے اولاد آدم تمہیں شیطان فتنے میں نہ ڈال دے جس طرح کہ اس نے تمھارے ماں باپ کو جنت سے نکالا۔ ان دونوں سے ان کا لباس اتروایا تاکہ ان دونوں کے ستر ظاہر کر دے۔

ظاھر ہے کہ ایسا لباس جو جسم کے بعض حصّوں کی عریانی یا موثر نمائش کا سبب ہو اس کو لباس نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ لباس کا مقصد تو ہے اعضائے جسمانی کا چھپانا اگر یہ مقصد ہی فوت ہو جائے تو محض لفظوں کا استعمال کوئی افادیت نہیں رکھتا۔ آج یورپ میں جنسی کج روی کا طوفان نیم عریاں لباس کے سبب سے بھی آیا ہوا ہے۔ ہر طرح کی جنسی کج روی، یورپ کی نیم برہنگی یا ایسے لباس کا تحفہ ہے جو اعضائے اس طرح چپکا ہوا ہوتا ہے کہ جسم کا ہر حصّہ واضح طور پر محسوس ہوتا ہے اس لیے نوع انسانی کا عقلی فریضہ ہے کہ اگر جنسی کجروی سے معاشرہ کو پاک رکھنا مطلوب ہے تو نیم عریاں لباس کو ترک کرنا ہی ہوگا۔ نیم عریاں لباس کو ہوتے ہوئے جنسی کجروی سے بچنا انتہائی مشکل ہے۔ اسلام چونکہ جنسی بے راہ روی کے ہر سبب کو ختم کر دینا چاہتا ہے اس لیے اس نے ستر عورتین کو مرد کے لیے واجب قرار دیا ہے اور عورت کے پورے وجود کو لائق پردہ قرار دے دیا ہے اسی لیے عورتوں کو حکم ہے کہ وہ اپنے

(۱) القرآن پ ۸ اعراف آیت ۲۷۔

گھروں میں رہیں: وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ (۱) اور تم گھروں میں ٹھیری رہو اور جاہلیت کے زمانہ کا بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو

"ازواج نبیؐ کی معرفت عالم نسواں کے لیے عمومی حکم ہے کہ اگر عورت کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلے مثلاً حکیم ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے، مرد کی غیر موجودگی میں گھر کا سودا سلف لانے کے لیے یا رشتہ دار کے یہاں غمی شادی میں شرکت کے لیے تو باقاعدہ پردہ پوش ہو کر نکلے۔ ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ کا حکم اسی حقیقت کا عکاس ہے

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے نامحرموں میں سے گذرنے یا نامحرموں سے خرید و فروخت کے لیے عورت کے واسطے چار کپڑوں میں ملبوس ہونا فروری قرار دیا ہے" ولغیر ذی محرم اربعۃ اثواب، درع وخمار، وجلباب وازار (۲) جب عورت کا سابقہ نامحرموں سے ہو تو اس کا چار کپڑوں میں ملبوس ہونا فروری ہے شلوار قمیص، دوپٹہ اور چادر۔ نامحرموں سے یہ سابقہ بھی ضرورت کی وجہ سے ہوگا، تفریح اور تماشے کے لیے عورت کے گھومنے پھرنے کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔

بہرحال مشاہدہ اس بات کی دلیل ہے کہ نیم عریاں لباس جنسی جذبات کے اشتعال کا سبب ہو جاتا ہے اور بے راہروی کے امکانات مہیا ہو جاتے ہیں اس لیے جنسی کج روی کے اس وسیلے کو ختم کیا جانا چاہیئے اور مسلمان لڑکیوں اور خواتین کو ایسا لباس ہرگز استعمال نہیں کرنا چاہیئے جو اسلام کے مقاصد کو مجروح کرتا ہو اور جنسی کج روی کا سبب قرار پاتا ہو۔

نیم عریاں اور جسم سے چپکا ہوا لباس، مغربی عورت، فلم ایکٹرسوں اور بازاری عورتوں کی نقالی ہے۔ دختران اسلام اور خواتین کے لیے اس ہیجان خیز اور فحش نقالی کی کیا ضرورت ہے۔۔۔۔؟ اگر نقالی میں کوئی افادیت ہوتی تو ایک بات بھی تھی اس

---

(۱) القرآن پ ۲۲ احزاب آیت ۳۳ (۲) الحجاب فی الاسلام صد ۱۰

نقل میں تو کہیں غیر کا وجود ہی نہیں ہے۔

جہاں تک عورت کی زینت کے اظہار کا تعلق ہے۔ وہ خوبصورت لباس پہن کر ان کے سامنے آسکتی ہے لیکن ایسا لباس کہ جو بعض اعضائے نسوانی کی نمائش کرتا ہو علاوہ شوہر کے کسی دوسرے کے سامنے پہننا درست نہیں ہے۔ قرآن کریم میں بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ایسے لوگوں کی نشاندہی کردی گئی ہے جن کے سامنے عورت خوبصورت لباس زیب تن کرسکتی ہے۔ ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او اٰبآئھن او اٰبآء بعولتھن او ابنآئھن او ابنآء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نسآئھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النسآء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن وتوبوآ الی اللہ جمیعًا ایہ المؤمنون لعلکم تفلحون (۱)

اور خواتین اپنا بناؤ سنگار کسی پر ظاہر نہ کریں سوا اپنے خاوندوں کے یا اپنے باپ دادوں کے یا اپنے خاوندوں کے باپ دادوں یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے یا اپنے بہنوں کے بیٹوں کے یا اپنی ہم عقیدہ عورتوں کے یا ان لونڈیوں کے جن کے مالک ان کے داہنے ہاتھ ہیں یا مردوں میں سے ان نوکروں کے جن کو عورتوں کی کوئی حاجت نہیں۔ یا ان نابالغ لڑکوں کے جو ابھی عورتوں کے پردہ کی باتوں سے واقف نہ ہوئے ہوں اور وہ اپنے پاؤں زمین پر اس لیے مار کر نہ چلیں کہ ان کا بناؤ سنگار جیسے وہ چھپائے ہوئے ہوتی ہیں ظاہر ہو جائے اور اے ایماندارو! تم سب خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

۱۔ القرآن ۲۴ نور آیہ ۳۱۔

ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا تصریح کے بعد کسی معمولی شعور کے انسان کو بھی عورت کے تعلق میں اسلام کے نقطۂ نظر کے سلسلے میں کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی۔ اسلام ہر اس اقدام پر پہرہ بٹھاتا ہے جس سے جنسی کج روی کا معمولی سا امکان بھی پیدا ہو سکتا ہو۔ اس لیے لباس کی تراش خراش اور اس کی شکل و صورت از روئے اسلام ایسی ہونا چاہیے جس میں زینت اور خوبصورتی تو ہو مگر ہیجان خیزی نہ ہو۔

آجکل بعض خواتین ایسے برقعے استعمال کرنے لگی ہیں جو اتنے چست ہوتے ہیں کہ ان سے پردہ کے بجائے بے پردگی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ایسے برقعوں کا استعمال عقل و شرع کے استخفاف ہے اور بجائے خود خصوصی جذبات میں ہیجان کا سبب بھی ہے اس لیے اس خلاف اسلام روش کو ترک کیا جانا چاہیے۔

بعض گھرانوں کی عفت کے کاروبار پر گذر بسر

جو لوگ تشکیل پاکستان کی جدوجہد میں نظری اور عملی طور پر شریک رہے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ ملک اس لیے حاصل کیا اور بنایا گیا تھا کہ اسلام کے تجویز کردہ ضوابط حیات پر عملدر آمد کے سہارے ایک ایسا معاشرہ پیدا کیا جائے جو ہر طرح کی بداخلاقیوں اور کج رویوں سے پاک وصاف ہو لیکن اسے ملت اسلامیہ کی بد نصیبی ہی کہا جائے گا کہ اچھا خاصا عرصہ گذر جانے کے بعد نفاذ اسلام گومگو کے عالم میں ہے!!
سود خوری، رکمار بازی، دھوکہ فریب جعلسازی اور ڈاکہ زنی تو ایک طرف ہے، جنسی انارکی ایسی مکروہ اور ذلیل اخلاقی بیماری بھی اپنی پوری ایمان سوزیوں کے ساتھ موجود ہے۔
اور پاکستان کا کوئی شہر اور بڑا قصبہ ایسا نہیں ہے جس میں بازار جرم و گناہ موجود نہ ہو۰۰!!
جن مقامات پر یہ انسانیت سوز کاروبار مخصوص بازاروں میں نہیں کیا جاتا وہاں اچھی خاصی تعداد میں خانگیوں کی سرپرستی کی جاتی ہے جو مختلف محلوں میں بازاری کاروبار انجام دیتی ہیں۔ یہ عفت فروش لڑکیاں اور عورتیں دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں ایک گروہ تو وہ ہے جن کا آبا و عن جد یہی پیشہ ہے اور دوسرا طبقہ یعنی کچھ عورتیں مکروہ تخیلے کے سہارے جنسی کجروی کی دلدل میں دھکیل دی جاتی ہیں۔ صنف نازک کے یہ دونوں طبقے، بعض افراد اور گھرانوں کے معاش کا وسیلہ ہیں، نکھٹو، کورچشم اور تن آسان لوگ ان کی ذلیل کمائی پر انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ گذر بسر کرتے ہیں۔ جو خاندانی طور پر پیشہ ور عورتیں ہیں ان کے خاندان کے تمام افراد کا گذر انہی کی کمائی پر ہوتا ہے۰۰۰۰!!
نئی درآمد کی جانے والی لڑکیاں یا تو انہی خاندانوں کے کاروباری مال کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں یا پھر کسی خاص شخص کے جذبہ زر کشی کی تسکین کا سبب بنتی ہیں۔ پاکستان

معاشرے میں یہ ناسور، شرفا اور علماء کی آنکھوں کے سامنے رس رہے ہیں اور کوئی ان کے تکمیلی مداوے کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ ۔ ۔ ۔ !!؟ خصوصیت سے علماء کرام کی اکثریت معمولی فرقہ وارانہ مسائل کے سلسلے میں ہزاروں، لاکھوں روپے خرچ کر کے سینکڑوں، ہزاروں صفحات پر مشتمل رسالے اور کتابیں چھاپتے رہتے ہیں: "آمین زور سے کہنا درست نہیں ہے، زور سے کہنا درست ہے میلاد شریف میں قیام تعظیمی جائز نہیں ہے، جائز بلکہ ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں، صرف ایک بیٹی تھی۔ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ضروری ہے، ہاتھ کھولنا ضروری ہے، ناف سے اوپر باندھنا ضروری ہے، ناف سے نیچے باندھنا ضروری ہے۔ وضو میں پیروں کا دھونا واجب ہے، مسح واجب ہے تعزیہ داری گناہ ہے۔ عزاداری عین ثواب ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !!
کہاں تک لکھا جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ اس قسم کے سینکڑوں چھوٹے موٹے مسائل موجود ہیں جن پر علماء اسلام تقریباً تیرہ سو سال سے بحث مباحثہ کرتے چلے آئے ہیں اور آج تک جس کا نتیجہ جہاں تھا وہیں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ !! حالانکہ ان مسائل کی نفی اور اثبات سے کوئی نقصان ہو سکتا ہے تو آخرت میں ۔ ۔ ۔ ، معاشرے میں کوئی بنیادی برائی پیدا نہیں ہوتی، نہ عمومی اخلاق پر ان کا کوئی برا اثر پڑتا ہے اس لیے کہ مسلمانوں کی ایک تعداد ان مسائل کو درست اور ذریعہ نجات سمجھتی ہے، دوسرے کچھ لوگ ان کو غلط اور وجہ عتاب جانتے ہیں یعنی پوری ملت اسلامیہ ان کے حسن یا قبح پر متفق نہیں ہے لیکن جنسی کاروبار تو بلا اختلاف پوری ملت اسلامیہ کے نزدیک قبیح ترین فعل ہے اور مسلم معاشرے کے دامن پر انتہائی گندہ اور غلیظ داغ ہے ۔ ۔ ۔ کوئی کلمہ گو کتنا ہی رنگین مزاج کیوں نہ ہو ان افعال قبیحہ کی تائید نہیں کر سکتا مگر صدہا برس سے ان علماء کرام کی آنکھوں کے سامنے کھلے ہوئے ہیں اور پورے زور و شور سے

جنسی کجروی کا کاروبار ہو رہا ہے اور یہ ایسی بیماری ہے جو مسلم معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہی ہے اور جس کے نتیجے میں عاقبت کی تباہی بھی یقینی ہے۔ اس کی طرف جو شیلے علمائے کرام نے معمولی توجہ بھی نہیں فرمائی ......!! یہ جلیل القدر طبقہ، فرقہ وارانہ مسائل پر جتنا وقت اور سرمایہ خرچ کرتا ہے اگر اس کا عشر عشیر بھی مسلم معاشرے کو جنسی کجروی سے بچانے کے لیے صرف کرتا تو دنیا اور دین دونوں جگہ سرخروئی حاصل ہوتی۔ حکومت سے قحبہ خانوں کو بند کرانے کا مطالبہ کرنے والے حضرات کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کریں اور اپنی توانائیوں کو آزمائیں ہمیں یقین ہے کہ یہ مخلصانہ کوشش ضرور بارآور ہو جائے گی۔

بہر حال اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ جو عورتیں اور لڑکیاں، قحبہ خانوں سے نکلنا چاہتی ہیں ان کو پاکیزہ ماحول مہیا کر دیا جائے اور جو اسی گندخانے میں رہنا چاہتی ہوں ان کو افہام و تفہیم کے سہارے نیکی کی طرف مائل کیا جائے۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض تازہ گرفتاران بلا، قحبہ خانوں سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتی ہیں لیکن ان سے مالی انتفاع حاصل کرنے والے لوگ انہیں گھیر گھار کے پھر اسی گرداب جرم و عصیاں میں لے آتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی ہر ذریعہ سے حوصلہ شکنی ہونا چاہیئے جو لوگ خاندانی طور پر یہ پیشہ کرتے ہیں جب تک وہ اس کو ترک نہ کر دیں مسلم معاشرے میں ان کو باوقار جگہ نہ دی جائے۔ یہ مشاہداتی عمل ہے کہ قحبہ خانوں کے چودھریوں کی، رؤسا اور شرفاء کی محفلوں میں شرکت ہی مباح نہیں سمجھی جاتی بلکہ ان کی خاطر مدارات بھی کی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے شرمناک عمل کی قباحت کی طرف غلط انداز میں بھی نہیں دیکھتے ......!! اگر ان لوگوں کی شرفاء و رؤساء کی مجالس و محافل میں پذیرائی نہ ہو اور خود غرضانہ اور مصنوعی ہی سہی کسی طرح کے احترام کی نظر سے ان کو نہ دیکھا جائے تو اُمید ہے کہ یہ اپنے اعمال کی قباحت کی طرف متوجہ

ہو کر ان کے ترک کے لیے آمادہ ہو سکتے ہیں جیسا کہ مولائے کائنات جناب امیر علیہ السلام نے اپنے معتمد سپہ سالار اور مصر کے گورنر مالک بن اشتر رضوان اللہ علیہ کے نام اپنے ایک تفصیلی ہدایت نامے میں مذکورہ حقیقت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ ولایکونن المحسن والمسئ عندك بمنزلة سواء فان فی ذلك تزهيدا لاهل الاحسان فی الاحسان وتدريبا لاهل الاساءة على الاساءة والزم كلا منهم ما الزم نفسه (۱) "خبردار! تمہارے نظروعمل میں نیکوکار اور بدکار ایک حیثیت اور مرتبے میں نہ ہو جائیں اس لیے کہ تمہارے اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نیک لوگ نیکیوں میں دلچسپی چھوڑدیں گے اور بدقماش، برائیوں کی طرف زیادہ رغبت کریں گے لہٰذا تم ان میں سے ہر ایک کے ساتھ وہی روش رکھو جس کا اس نے اپنی ذات کو شخصیت کو مستحق بنا لیا ہے:

اسلامی قانون کی نظر میں غنا اور زنا اور ان سے مالی انتفاع اور اس کا اکل وشرب اور لباس وغذا وغیرہ میں استعمال میں ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ حدیث ہے: عن نضر بن قابوس قال سمعت ابا عبد الله علیه السلام یقول: المغنیه ملعونة وملعون من اکل کسبها (۲) نضر بن قابوس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ طوائف ملعونہ ہے اور وہ بھی ملعون ہے جو اس کی آمدنی کھاتا ہے۔ دوسری حدیث میں اس طرح فرمایا ہے عن نضر بن قابوس: قال سمعت ابا عبد الله علیه السلام یقول: المنجم ملعون والکاهن ملعون، والساحر ملعون والمغنیة ملعونة ومن آواها ملعون وآکل کسبها ملعون (۳) جناب نضر بن قابوس کے بیان کے مطابق جناب

---

(۱) نہج البلاغہ ص ۳۰۳ عہد ۵۳ (۲) وسائل الشیعہ ج ۶ ص ۸۵ فروع کافی ج ۵ ص ۱۲۰ (۳) وسائل ج ۶ ص ۱۰۳

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: نجومی ملعون ہے، کاہن (ظن و تخمین کے سہارے غیب کی باتیں بتانے کا دعویٰ کرنے والا) ملعون ہے، جادوگر ملعون ہے۔ ناچنے گانے والی ملعونہ ہے جو ایسی عورتوں کو تحفظ اور سرپرستی دے وہ بھی ملعون ہے اور جو اس کی کمائی کھائے وہ بھی ملعون ہے

یہ تو تھا گانے بجانے والیوں اور ان کی کمائی سے پرورش پانے والے افراد کا حشر جیسی بےہودگی کے سہارے زندگی گذارنے والوں کے متعلق حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ملاحظہ فرمائیے: عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی حدیث أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ثمن الخمر ومهر البغاء وثمن الکلب الذی لا یصطاد من السحت (۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں کہا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا ہے کہ شراب کی قیمت بازاری عورت کی خرچی اور شکار نہ کرنے والے کتے کی قیمت ناجائز اور حرام ہے۔"

ایک دوسری حدیث حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امام محمد باقر علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے: قال علیہ السلام اجر الزانیة سحت (۲) کسبی کی کمائی حرام ہے مذکورہ احادیث معصومین علیہ السلام سے ظاہر اور ثابت ہے کہ کسبی اور مغنیہ دونوں کی کمائی حرام ہے اور ان سے انتفاع بھی ناجائز ہے اس لیے ایسے خاندانوں اور افراد کا جو اس قسم کی کمائی پر زندگی گذارتے ہیں مرنا اور جینا سب حرام کے سائے میں ہوتا ہے۔

یہ حقیقت ہر شخص کے لیے قابل توجہ ہے کہ جو مال ناجائز وسائل سے حاصل کیا گیا ہو وہ بہر حال حرام ہے اور کسی کے لیے بھی اس کا استعمال جائز نہیں ہو سکتا۔

---

(۱) وسائل ج ۶ صہ ۶۳، صافی ج ۱ صہ ۱۴۴، المیزان ج ۵ صہ ۳۹۲ (۲) وسائل الشیعہ ج ۶ صہ ۶۳

جیسا کہ امام حسن عسکری علیہ السّلام نے واضح طور پر فرمایا ہے: لاخیر فی شیٔ اصلہ حرام ولا یحلّ استعمالہ (۳) اس شیٔ میں کوئی بھلائی نہیں ہے جو بذات خود ناجائز اور حرام ہو اور اس کا استعمال بھی جائز نہیں ہے۔"

مختصر یہ کہ اسلام کی نگاہ میں بازاری عورتوں کی ہر طرح کی کمائی ناجائز ہے اگر وہ اس کمائی سے کوئی عمل خیر بھی بجا لائیں تو وہ غیر مفید اور غیر مؤثر ہے کہ اس کی بنیاد شر پر رکھی گئی ہے۔ اسلام نے اس کمائی کی دناءت، رذالت اور خباثت کا اعلان کر کے جنسی کج روی سے باز رہنے کا ایک بڑا مؤثر ذریعہ مہیا کر دیا ہے اور اس طرح عفت کے کاروبار پہ پہرہ بٹھا دیا ہے بشرطیکہ ملوث اور آلودہ افراد اور گھرانے اسلام کو بہ حدِ زبان ہی نہیں عملاً قبول کر لیں۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ غیر مسلم معاشروں میں تو ان افعال قبیحہ کو عبادت کا درجہ تک دیا جاتا ہے لیکن دنیا میں واحد دین اسلام ہے جو انسان کو صاف ستھرا اور پاک و پاکیزہ معاشرہ مہیا کرتا ہے۔

ایسے تمام افراد کو جو جنسی کجروی کے ارتکاب میں لوگوں کا واسطہ اور وسیلہ بنتے ہیں اور اس فعل شنیع کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں زبان اسلام میں قوّاد اور قوّادہ اور اردو میں اگر مرد ہے تو بھڑوا اور عورت ہے تو کٹنی یا بھڑوی کہتے ہیں۔ یہ لوگ عبرتناک سزا کے مستحق ہیں۔ اگر ان کو بلا رعایت اسلامی سزائیں دی جائیں تو جنسی کجروی کا ایک بہت بڑا سبب ختم ہو سکتا ہے۔

---

(۳) فروع کافی ج ۵ ص ۱۲۵

عفت کی تجارت کے غیر معمولی منافع کا حصول

دنیا کے کسی ملک اور خطہ میں، کسی قوم قبیلہ اور خاندان کی کوئی کنواری لڑکی، بیاہی خاتون یا بیوہ یا مطلقہ عورت جنسی کجروی کی طرف راغب اور مائل نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ کچھ بدکردار افراد، ان کو ورغلانے، بہکانے اور عیش و آرام اور ناز و نعمت میں زندگی گذارنے کے سبز باغ دکھانے کا حربہ استعمال نہ کریں۔ اس لیے کہ خالق کائنات نے صنفِ نازک کی فطرت میں اور اس کے خمیر میں جوہر شرم و حیا کو شامل اور داخل کیا ہے اور فطری حیاء و شرم اس کو جنسی کج روی کی طرف اقدام کرنے سے روک دیتی ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف و اعلان، نسوانی عادات و اطوار کا تحقیقی جائزہ لینے والوں نے ہر خطۂ ارض اور ہر زمانے اور عصر میں کیا ہے اور قرآن کریم نے بھی جناب شعیب علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی دختر نیک اختر کی حیا پاش چال ڈھال کا تذکرہ کرتے ہوئے حقیقتاً عورت کی جبلی اور فطری حیا کی عکاسی فرمائی ہے کہ: فجاءته احدٰھما تمشی علی استحیاء (۱) "جناب شعیب کی دونوں لڑکیوں میں سے ایک لڑکی جذبہ و احساس حیا سے شرماتی لجاتی جناب موسیٰ کے پاس آئی۔" یہ حضرت شعیبؑ کی ایک لڑکی ہی کی صفت نہیں ہے بلکہ پورے طبقہ نسواں کی صفتِ حیا کا بیان ہے۔

جہاں تک ہمارے پاکستان کا تعلق ہے، ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کی لڑکیوں اور خواتین میں شرم و حیا کا عنصر دنیا کے دوسرے ممالک سے کچھ زیادہ ہی ہے تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فواحش پسند شعبدہ باز اپنے ابلیسی ہتھکنڈوں کے سہارے، ناتجربہ کار لڑکیوں اور ناواقف حقائق خواتین کو شرم کا برقع اتار دینے اور حیا کا پردہ چاک کر دینے پر آمادہ کر لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور جب ایک دفعہ عورت بے باکی اور بے حجابی کی طرف مائل کر لی جائے تو پھر اس کی گراوٹ کی کوئی حد

(۱) القرآن ۲۰، القصص آیۃ ۲۵۔

مقرر نہیں کی جا سکتی۔ پاکستان کے اخبارات میں روزانہ اغوا کے قصے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ چاروں صوبوں میں صنفِ نازک کو اغوا کرنے والوں کے مربوط و منظم گروہ موجود ہیں اور مختلف ضلعوں اور دیہاتوں میں بھی ان کی تنظیم کے ممبر سرگرم کار رہتے ہیں صوبہ سرحد سے اغوا کی جانے والی لڑکیاں اور عورتیں سندھ وغیرہ میں فروخت کر دی جاتی ہیں اور سندھ سے ورغلا کر پنجاب اور سرحد میں بیچ ڈالی جاتی ہیں۔ کسی صوبہ کے ایک ضلع سے اغوا کر کے دوسرے ضلع میں یا ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں فروخت کر دینے کے واقعات بھی موجود ہیں۔ اغوا ہو جانے والی لڑکیاں اور عورتیں یا تو اپنے خاندان اور ورثاء سے دور کسی اجنبی کے ساتھ نکاح کے بندھن میں باندھ دی جاتی ہیں یا پھر بازارِ گناہ کی رونق میں اضافہ کے لیے ان کو فروخت کیا جاتا ہے۔ بازارِ گناہ اور کسی شخص کے گھر میں قیام پذیر ہونے سے پہلے لڑکیوں اور عورتوں پر کیا گذر جاتی ہے . . . ؟ اس صورتحال کی تھوڑی بہت تفصیل اخبارات میں آتی رہتی ہے۔ عورتوں کا کاروبار کرنے والا گروہ سب سے پہلے اپنے صید کو اپنے حیوانی جذبات کا شکار بناتا ہے تاکہ آنے والی بھیانک منزلوں میں دھکیلے جانے کے مرحلے پر کسی خاص اضطراب کا مظاہرہ نہ کریں۔ لڑکیاں اور عورتیں اس چکر میں آ کر اپنے ہم وطنوں اور ورثاء کی طرف شاذ و نادر ہی رخ کرتی ہیں اس لیے کہ ان کو واپسی کے بعد سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ نہیں ملتا۔ ہمارا معاشرہ ان کے زخموں پر مرہم لگانے کے بجائے طنز و تشنیع اور طعنے مہنوں سے ان کا سینہ چھلنی کر دیتا ہے اور ان کا جینا محال ہو جاتا ہے۔

جنسی کجروی کو روکنے اور جنسی بے راہروی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایسے افراد گروہوں اور تنظیموں کا قلع قمع کر دیا جائے جو اس وحشیانہ کاروبار کو ذریعہ معاش کے طور پر اپنائے ہوئے ہیں جب تک ایسے لوگوں کی قرار واقعی سرکوبی

نہیں کی جائے گی جنسی کجروی کا سد باب ممکن نہ ہوگا۔ اس کے ساتھ ایسی لڑکیاں اور عورتیں جو انسانیت دشمن افراد کی روباہ بازیوں کا شکار ہو جائیں بازیابی کے بعد ان کو ذلیل نہ کیا جائے اس لیے کہ بڑی حد تک ناتجربہ کاری کی وجہ سے یا غربت و فلاکت کے نتیجے میں وہ اچھی زندگی کا خواب دیکھ کر ذلت کے گڑھے میں گر جاتی ہیں۔ ان کے ذاتی ارادے اور عزم کو اس مکروہ فعل میں کوئی خاص دخل نہیں ہوتا۔ قرآن کریم نے ایسے طبقے کی سرکوبی کے لیے واضح ہدایت فرمائی ہے: ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاخرۃ واللہ یعلم وانتم لاتعلمون (۱) یقیناً وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان کے درمیان بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔" قرآنی زبان میں "فاحشہ" جنسی کجروی کے ارتکاب کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ صنف نازک کو ورغلا کر یا زبردستی اغوا کرتے ہیں اور ان کو چند سکوں کے لیے جنسی کجروی میں مبتلا کرتے ہیں وہ اللہ اور رسول کے ساتھ معاشرے کے بھی مجرم ہیں۔ ان کو عبرتناک سزا ملنی چاہیے لھم عذاب الیم فی الدنیا والآخرۃ۔ اس تعزیر کی واضح دلیل ہے آخرت میں تو خدا اور رسول ان سے مواخذہ کریں گے ہی۔۔۔۔

دنیا میں مسلم معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ ایسے افراد سے مکمل نفرت و بیزاری کا برتاؤ کرے اور ان کو ہر طرح ذلیل و رسوا کر دے اور قوت مقتدرہ یعنی حکومت کا فرض ہے کہ وہ ضروری قانون وضع کرکے ایسے افراد کو عبرتناک سزا دے اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو مسلمانوں کے پاکیزہ معاشرہ میں فحاشی کو رواج دینے کے جرم عظیم کا ارتکاب کرتے ہیں اور جیسا کہ عرض کیا گیا از روئے قرآن یہ افراد عبرتناک سزا کے مستحق ہیں ان سے رو رعایت، انسانیت کے ساتھ ہولناک مذاق ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے قول حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح دہرایا ہے: قال رسول اللہ

---

(۱) القرآن پ۱۸ نور آیہ ۱۹؛

علیہ وآلہ وسلم ‌ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: من
اذاع فاحشۃ کان کمبتدئیھا (۱) "جو برائیوں اور بدکاریوں کو پھیلاتا اور رواج
دیتا ہے وہی ان کا بانی مبانی ہے یعنی اگر اغوا کنندہ افراد خود ارتکاب جرم نہ بھی کریں تو یہ
کیا کم جرم ہے کہ انہوں نے ایک بے داغ شخصیت کو گناہ کے جہنم میں جھونک دیا، چند
ٹکے کے لیے ایک خاندان کی عزت وحرمت کو برباد کر دیا اور ایک آزاد انسان کو اس کے
طبعی اور فطری ماحول سے الگ کر کے اس کی زندگی انتشار واضطراب کے حوالے کر دی
......(۱) ہمارے علمائے کرام نے اس تعلق میں جو افادہ فرمایا ہے اس سے قانون سازی
میں بڑی واضح اور نمایاں مدد مل سکتی ہے۔ جناب محقق حلیؒ فرماتے ہیں

ن سرق صغیراً فان کان مملوکاً قطع ولو کان حراً فباعہ لم یقطع وقیل
یقطع دفعاً لفسادہ (۲) جو شخص کسی بچہ کو چرا لے اگر وہ بچہ مملوک ہے تو چرانے
والے کو قطع ید کی سزا دی جائے گی اور اگر بچہ آزاد ہو اور اُسے چرا کر کوئی بیچ ڈالے
تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ مطلب اس ارشاد کا یہ ہے کہ آزاد بچہ کے اغوا پر
حد تو جاری نہیں کی جائے گی مگر بطور تعزیر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا یعنی عبرتناک
سزا بہرحال دی جائے گی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علامہ مرحوم کے زمانے تک مسلم
معاشرے میں حیوانیت عالم طفلی میں تھی اور صرف بچوں ہی کو اغوا کیا جاتا تھا بالغ
افراد لڑکیاں اور لڑکے ان حیوان نما انسانوں کی ترکتازسے محفوظ تھے ہمارے
زمانہ اور ملک میں بچوں کے اغوا کی وارداتیں شب وروز ہوتی رہتی ہیں اور
بعض حالات میں ان کو بیگار کیمپوں میں رکھ کر تعزیر وبربریت کا تختہ مشق بنایا
جاتا ہے۔ قیامت ہے کہ پاکستان میں ایک منظم حکومت کے ہوتے ہوئے
جس کے پاس قانون کو نافذ کرنے والے مضبوط ادارے موجود ہیں۔ یہ بیگار کیمپ ملک

(۲) تفسیر معانی ج ۲ ص ۱۶۲ (۳) شرائع الاسلام کتاب الحدود

کے مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ آسمان کے اوپر یا زمین کے نیچے نہیں، بلکہ ہماری حکومت کے دائرہ اقتدار میں یا تو یہ بیگار کیمپ والے حکومت سے زیادہ طاقتور ہیں تو پھر حکومت کو اپنی حیثیت پر نظر ڈالنی چاہیئے یا پھر قانون نافذ کرنے والے ادارے ملزموں کو زنجیروں میں جکڑنے کی جگہ خود ہی سنہری روپہلی زنجیروں میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جنرل موسیٰ کی گورنری کے زمانے میں کمانڈر انیس الرحمٰن عارف نے جو خیرپور ڈویژن کے ڈی آئی جی پولیس تھے اپنے ڈویژن کے بیگار کیمپوں کا قلع قمع کر دیا تھا اور جنرل محمد موسیٰ ان کی ہمت افزائی کے لیے خیرپور گئے تھے۔ میں نے سنا ہے کہ اس جوہر قابل کو اسلام آباد میں کسی فیکٹری کا انچارج بنا دیا گیا ہے۔ اس تقرر سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کمانڈر عارف بنیادی طور پر حکومت کے نزدیک صنعتکار ہے ....!! اگر ایسے دلیر اور دیانت کارکنوں سے اسی قسم کے فرائض متعلق کیے جائیں گے تو امن عامہ کی حالت بگاڑ کر آخری حدوں کو نہ چھوئے گی تو کیا ہو گا....!!؟ میرا کمانڈر عارف سے کوئی ذاتی خاص اور عام تعلق نہیں ہے ایک حق گوئی کا فرض تھا جس کو ادا کر دیا گیا۔ نوٹ یہ مضمون سنہ ۱۹۸۰ء میں لکھا گیا تھا۔ اس تعلق میں جناب شہیدؒ نے روضۃ البہیہ معروف بہ شرح لمعہ میں جو افادہ فرمایا ہے اس سے قانون سازی کے لیے بڑی آسانیاں فراہم ہو جاتی ہیں۔

لا یقطع سارق الحر وان کان صغیرا" لانہ لا یعد مالا، فان باعہ قیل قطع کما یقطع السارق لکن لا من حیث انہ سارق بل لفسادہ فی الارض وجزاء المفسد القطع لا حد لسبب السرقۃ ویشکل بانہ ان کان انہ مفسدا فالاذم تخییر الحاکم بین قتلہ وقطع یدہ ورجلہ من خلاف الی غیر ذلک من احکامہ مفسد لا تعین القطع خاصۃ۔ وما قیل من ان وجوب القطع فی سرقۃ المال انما جاء لحراستہ وحراسۃ النفس اولی

فوجوب القطع فيه أولى لا يستتم أيضاً لأنّ الحكم معلق على مال خاص يسرق على وجه خاص ومثله لا يستتم في الحر ومطلق صيانته غير مقصود في هذا الباب كما يظهر من اشتراطه، وحمل النفس عليه مطلقاً لا يستتم ولشرائطه لا تنتظم في خصوصية سرقة الصغير وبيعه دون غيره من تفويته وإذهاب أجزائه، فإثبات الحكم بمثل ذلك غير جيّد ومن ثمّ حكاه المصنف قولاً وعلى القولين لو لم يبعه لم يقطع، وإن كان عليه ثياب أو حلي يبلغ النصاب لثبوت يده عليها فلم يتحقق سرقتها ثم لو كان صغيراً على وجه لا يتحقق له اليد -۱- تجه القطع بالمال ومثله سرقة الكبير بمتاعه وهو نائم أو سكران أو مغمى عليه أو مجنون. ولقطع سارق المملوك الصغير حدّاً إذا بلغت قيمته النصاب وإنما أطلقه كغيره بناء على الغالب واحترز بالصغير عمّا لو كان كبيراً مميزاً فإنه لا يقطع بسرقته إلّا أن يكون نائماً أو في حكمه أو أعجمياً لا يعرف سيده من غيره لأنه حينئذٍ كالصغير (۱) آزاد انسان کو اغوا کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگرچہ اغوا ہونے والا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ بچہ مال کے ضمن میں نہیں آتا۔ البتہ اگر اغوا کر کے بیچ دے تو بعض کے نزدیک ہاتھ اسی طرح کاٹا جائے گا جیسے چور کا کاٹا جاتا ہے لیکن چور کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس لیے کہ معاشرہ میں سبب فساد بنا اور مفسد کی سزا قطع ہے، حد کے طور پر نہیں بلکہ تعزیراً۔ اس میں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اغوا کنندہ مفسد ہے تو حاکم کو اختیار ہے کہ اسے قتل کرے یا اس کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دے اور مفسد کے لیے جو بھی احکام ہیں ان

شرح لمعہ کتاب الحدود الفصل الخامس۔

پر عمل کرے۔ قطع ید کا خصوصیت سے تعین کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور یہ جو اعتراض کیا گیا ہے کہ مال کی چوری میں قطع ید کی سزا صرف اس لیے ہے کہ مال کو حراست و حفاظت میں سے چرالیا گیا ہے اور حراست نفس اولیٰ ہے لہٰذا اس میں قطع ید کی سزا بھی زیادہ اولیٰ یعنی زیادہ مناسب ہے، یہ اعتراض نا تمام ہے اس لیے کہ قطع ید کا حکم مشروط ہے اس بات سے کہ مال خاص کو وجہ خاص یعنی حفاظتی مقام سے چرایا جائے۔ جبکہ آزاد انسان میں یہ شرط نہیں پائی جاتی۔ اور قطع ید کے لیے مطلق حفاظت و صیانت مقصود نہیں بلکہ مال کا ملکیت ہونا بھی ضروری ہے جیسا کہ شرائط سرقہ سے ظاہر ہے لہٰذا نفس کو مال پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے اور شرائط کے پورا نہ ہونے کے سبب ہی بچہ کے اغوا میں بھی قطع ید کی سزا نہیں دی جاسکتی، ہاں اگر بچہ کو نقصان پہونچایا یا اس کے اجزاء کو کاٹ دیا تو اسے الگ سزا دی جائے گی۔ بہر حال صیانت کو مقصود بنا کر قطع ید کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ اسی لیے مصنف نے کہا ہے لا ینقطع او مصنف کے قول اور دوسرے قول دونوں کی بنا پر اگر اغوا کے بعد بیچا نہیں ہے تو کسی صورت بھی قطع ید کی سزا نہیں دی جاسکتی اور اگر اغوا شدہ کے بدن پر لباس اور اتنا زیور وغیرہ ہو کہ نصاب تک بھی پہنچتا ہو تب بھی سرقہ نہیں کہا جائے گا اس لیے کہ خود مالک کا قبضہ ہے البتہ اگر اغوا ہونے والا اتنا چھوٹا بچہ ہو کہ جس کا قبضہ مستحق نہ ہو تو مال کی وجہ سے قطع ید کی سزا دی جائے گی۔ اسی طرح اگر بالغ آدمی کو اس کے مال و متاع سمیت نیند کی حالت میں یا نشے یا حد سے زیادہ غمگین ہونے یا پاگل ہونے کی صورت میں اغوا کیا ہو تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔

خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ ہر مرتکبین اغوا کو عبرتناک سزا ضرور دی

جائے گی خواہ حد کے طور پر دی جائے یا تعزیر کی حیثیت سے، اگر بطور حد سزا کا ثبوت مہیا ہو گیا تو داہنے ہاتھ کی چار انگلیاں کاٹ دی جائیں گی اور اگر فساد فی الارض بھی پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو داہنے ہاتھ کے ساتھ بایاں پیر بھی کاٹ دیا جائے گا۔ اور اگر چوری کا حکم عائد نہ کیا جائے تو حاکم مجاز مختار ہے کہ کوئی بھی عبرتناک قسم کی سزا جو مناسب ہو دے خواہ قتل کر دے یا سر عام گولی سے اڑا دے جیسا کہ ماضی قریب میں تہران کی ایک عدالت نے اس قسم کے مجرموں کو سرعام گولیوں سے اڑا دیا۔ اسی طریق کار پر عمل پیرا ہونے سے معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بنے گا۔ وحشت و مردم آزاری کے حوصلے ختم ہو جائیں گے اور بدکاری کو رواج دینے کے عزائم اور حوصلے ملیامیٹ ہو جائیں گے۔

حضرت آیت اللہ الخمینی دامت ظلالہ نے اس تعلق میں جو افادہ فرمایا ہے وہ اس طرح سے ہے۔ "لو سرق حراً کبیراً او صغیراً ذکراً او انثی لم یقطع حداً نعم یقطع دفعاً للفساد قیل نعم وجدہ روایۃ والاحوط ترک القطع وتعزیرہ بما یراہ الحاکم (۱) اگر کوئی شخص کسی آزاد فرد کو چاہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ مرد ہو یا عورت اغوا کرے تو بطور حد اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن کیا فساد کے دفع کرنے کے لیے قطع ید کی سزا دی جائے گی۔ اور حاکم وقت اپنی صوابدید کے مطابق اس کو سزا دے۔

حجۃ الاسلام علامہ سید امیر محمد قزوینی رقمطراز ہیں:

من سرق مملوکاً صغیراً لا یمیز بین مولاہ وغیرہ قطع السارق وان کان حراً فلا قطع وقیل یقطع دفعاً لفسادہ (۲)

(۱) تحریر الوسیلہ ج ۲ کتاب الحدود ص ۴۹۱ (۲) الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم ص ۳۲۵

جس شخص نے ایسے مملوک بچے کو اغوا کیا ہو جو اپنے آقا اور غیر میں تمیز نہیں کر سکتا ہے تو اغوا کنندہ کا ہاتھ قطع کیا جائے گا اور اغوا کیا جانے والا آزاد ہو تو قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی۔ اور کہا گیا ہے کہ فساد کے مٹانے کے لیے قطع ید کی سزا دی جائے گی۔ دامت ظلالہ الوارفۃ نے اغوا کے تعلق میں بڑا واضح حکم دیا ہے: من باع انساناً حراً صغیراً کان أو کبیراً ذکراً کان أو انثیٰ قطعت یدہ (۱) "جو شخص کسی آزاد انسان کو بیچ ڈالے خواہ اغوا شدہ بالغ ہو یا نابالغ، صنف نازک میں سے ہو یا صنف قوی سے، اغوا کنندہ کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

حضرت خوئی مدظلہم نے اس سلسلے میں چند احادیث معصومین علیہم السّلام نقل فرمائی ہیں: وقد علی ذلک معتبرۃ السکونی عن أبی عبداللہ علیہ السلام: ان امیرالمؤمنین علیہ السلام أتی برجل قد باع حراً فقطع یدہ (۲) وتویدہا روایۃ سفیان الثوری علی روایۃ محمد بن یعقوب وروایۃ طریف بن سنان الثوری علی روایۃ الصدوق والشیخ قال: سئلت جعفر بن محمد علیہما السلام عن رجل سرق حرۃ فباعہا؟ قال فقال فیہا اربعۃ حدود اما اولہا فسارق تقطع یدہ (۳) اور حکم قطع ید پر دلالت کرتی ہے جناب السکونی کی بیان کردہ حدیث جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ امیرالمومنین علیہ السّلام کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے ایک آزاد فرد کو بیچ ڈالا تھا تو آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا اور اس کی تائید کرتی ہے سفیان ثوری کی بیان کردہ حدیث جیسے محمد بن یعقوب کلینی، جناب صدوق اور جناب شیخ مفید رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے امام

جعفر صادق علیہ السلام سے اس شخص کے متعلق پوچھا جس نے آزاد عورت کو اغوا کر کے بیچ ڈالا ... ؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس میں چار قسم کی حدیں عائد ہوتی ہیں اور سب سے پہلی یہ ہے کہ اغوا کنندہ چور ہے لہٰذا اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

جناب خوئی دامت ظلالہم کے فتوے اور استدلال کی روشنی میں یہ طے ہو جاتا ہے کہ اغوا کنندہ بہر حال عبرتناک سزا کا مستحق ہے اور وہ کم سے کم قطع ید ہے اگر ہمارے قانون ساز ادارے اغوا کنندہ کے لیے ہولناک سزا کا اہتمام کریں تو جنسی بے راہ روی کا یہ تاجرانہ سبب کالعدم ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام یہی چاہتا کہ جنسی بے راہروی کے ہر سبب کی بیخ کنی کر دی جائے۔ چند مہینے یا برس کی سزا نہ پہلے کبھی مؤثر ہوئی ہے اور نہ آئندہ ہوگی۔ انسانی ذہن کی ایجاد کردہ سزاؤں سے جیسا کہ دن رات کا مشاہدہ ہے حوصلہ جرم کی شکست و ریخت ممکن نہیں ہے البتہ اسلام نے اغوا کی وارداتوں کو روکنے کے لیے عبرتناک سزا مقرر کر کے جنسی کج روی کے ارتکاب کا ایک بہت بڑا سبب ختم کر دیا ہے۔

---

(۱) مبانی تکملۃ المنہاج ج ۱ ص ۳۱۔ (۲) وسائل الشیعہ ج ۱۸، باب ۲۰ من ابواب حد السرقۃ۔

مانع حمل آلات وادویہ کی ایجاد اور ان کا وسیع پراپیگنڈہ

یہ دعویٰ کرنا کہ مانع حمل ادویہ اور آلات کی ایجاد خاندانی منصوبہ بندی ہی کے لیے ہوئی تھی۔ ایک بے بنیاد جھوٹ کذب صریح ہے اس لیے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی عمر ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن سے زیادہ نہیں ہے جبکہ مانع حمل اشیاء کی ایجاد کو طویل وعریض زمانہ گذر چکا ہے۔ حقیقت واقعی یہ ہے کہ جب یورپی ممالک میں صنعتی معاشرہ پیدا ہوا اور اس کے نتیجے میں مال و دولت کی فراوانی کے ساتھ عورت اور مرد کے اختلاط اور عام میل جول کی کثرت ہوگی جبکہ پہلے بھی مرد و زن کے آزادانہ میل جول پر کوئی پابندی نہ تھی تو جنس شدہ مردوں نے عورت کے جذبہ آزادی سے فائدہ اٹھا کر اس کو خاتون خانہ کے بجائے شمع محفل بنا لیا اور گھر کے مسائل میں مصروف رہنے کے بجائے دفاتر اور کارخانوں میں مرد کے شانہ بشانہ کسب معاش کے لیے آمادہ کر لیا چنانچہ اس آزادانہ اختلاط کے نتیجے میں جنسی بے راہ روی عام ہوگئی اور بے شمار ناجائز بچے پیدا ہونے لگے۔ تاہم کچھ کنواری لڑکیوں میں تھوڑی بہت شرم وحیا پائی جاتی تھی اس لیے وہ بدنامی سے بچنے کے واسطے حمل ضائع کرنے کی کوشش کرتی تھیں اور ناتجربہ کار دائیوں اور عطائی ڈاکٹروں سے اسقاط میں مدد لیتی تھیں جس کے نتیجے میں بہت سی لڑکیاں مر جایا کرتی تھیں۔ یہ صورتحال ان ملکوں کے بااقتدار لوگوں کے لیے پریشان کن تھیں۔ وہ عیاشی اور فحاشی کے طوفان بدتمیزی کو نہ تو روک سکتے تھے اور شاید روکنا بھی نہ چاہتے تھے کہ وہ خود اسی طرز زندگی سے مانوس تھے۔ تاہم انہوں نے زنا زادوں کی کثرت اور اسقاط کے سہارے اموات کی زیادتی کی بدنامی سے بچنے کے لیے ایک تو اسقاط کو

کو سند جواز عطا کی۔ دوسرے مانع حمل ادویات و آلات کی ایجاد اور تشہیر کے وسائل مہیا کیئے۔

برصغیر پاک و ہند میں مانع حمل اشیاء کی درآمد ان دولت مندوں کے واسطے سے ہوئی جو یورپی ممالک میں آمدورفت کی استطاعت رکھتے تھے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے ملک میں یہ لعنت سرمایہ داری کا کرشمہ ہے۔۔۔!! غریب کو اس سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی واسطہ تھا۔ نہ ہے۔

جہاں تک خاندانی منصوبہ بندی کا تعلق ہے، یورپی ممالک اور اقوام میں یہ جنسی بے راہ روی پر۔ پردہ ڈالنے کا ایک وسیلہ ہے اور شادی شدہ جوڑوں کے لیے عیاشی کا ذریعہ ہے۔ بچوں کی تربیت وغیرہ سے فرار بھی اس کا ایک بہت بڑا سبب ہے ہم نے خاندانی منصوبہ بندی کے متعلق جتنا بھی لٹریچر پڑھا ہے اس سب کی تان اس بات پر ٹوٹتی ہے کہ زمین اور اس کی قوت پیداوار محدود ہے۔ انسانی آبادی بڑھتی چلی جا رہی ہے اس وقت تقریباً ساڑھے چار ارب آبادی ہے اگر سلسلہ تولید نہ روکا گیا تو ۲۰ سال کے اندر ۱۲ ارب ہو جائے گی۔ زمین کی پیداواری صلاحیت اور اس کا رقبہ اس قابل نہ رہے گا کہ سب کے لیے تغذیہ ممکن ہو۔ اس لیے لوگ بھوکے مر جائیں گے۔ اور اس طرح گویا خود غرضی کا تقاضا یہ ہے کہ سلسلہ تولید پر پہرے بٹھا دیئے جائیں گے۔ مزید انسان سامان کلی مدشرب میں شریک نہ ہو جائیں۔ یہ ہے تخمین محکمہ زراعت کے ماہروں اور اقوام متحدہ کے پاپولیشن پلاننگ کے مخصصوں کی آراء و افکار عالیہ کی۔۔۔!!

حقیقت یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کا ڈھکوسلا، ایک تیر سے دو شکار کے مترادف ہے۔ ایک تو یہ کہ غیر یورپی اقوام رنگ رلیوں کی عادی ہو جائیں اور نام نہاد مہذب امریکہ برطانیہ اور فرانس وغیرہ کی طرف انگلی نہ اٹھائیں

دوسرے مسلمان، اسلام کے تلقین کردہ اپنے ایمان و یقین کو ترک کرکے آہستہ آہستہ اسلام کو چھوڑنے اور کافرانہ نظریات و عقائد کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔۔۔۔!!

اس کا تعلق زمین سے نہیں آسمان سے ہے

اسلام کی تلقینات میں یہ جوہری عقیدہ سرفہرست ہے کہ ہر ایک کی روزی کا ذمہ دار خدا ہے، جس نے پیدا کیا ہے وہی رزق بھی دیتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں کہا گیا ہے: وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا (۱) زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

زمانہ جاہلیت میں جبکہ علم کا چراغ خال خال ہی نظر آتا تھا جہالت ماٰبوں کا یہی خیال تھا کہ نسل کو آگے نہ بڑھنے دیا جائے تاکہ ہماری معاشی حالت خراب نہ ہو۔ آفتاب اسلام کے طلوع کے وقت یہ احساس اس قدر جاندار تھا کہ لوگ اپنے بچوں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ ہمارے اس نام نہاد مہذب دور میں جبکہ علوم و فنون کے سہارے کائنات افلاک پر کمندیں ڈالی جارہی ہیں انسان تاریک روشنی یعنی علمی جاہلیت کا شکار ہوتا جارہا ہے اور خود غرضی کا نخچیر زبوں ہو کر غذائی قلت سے دنیا کو خوف زدہ بنا رہا ہے۔ قرآن کریم نے ماضی کے جہلا کو اس پست کام سے یہ کہہ کر روکا تھا ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقہم وایاکم ان قتلہم کان خطأً کبیرا (۲) اور تم اپنی اولاد کو تنگدستی کے خوف سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی ان کا قتل یقیناً بہت بڑا جرم ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے!

۱۔ القرآن پ ۱۲ ھود آیۃ ۶۔ (۲) القرآن پارہ ۱۵ بنی اسرائیل آیۃ ۳۱۔

ولا تقتلوا اولادکم من املاق ۔ نحن نرزقکم وایاھم (۱)
اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو نہ قتل کرو۔ ہم تم کو بھی روزی دیتے
ہیں اور انھیں بھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ رزق کی ذمہ داری خالق انسان کی ہے
اور اس لیے معاشیات کی بنیاد پر ضبط تولید کے نظریہ کو قبول کرنا غیر
اسلامی فعل ہے۔

اعداد و شمار کی بھول بھلیوں کے سہارے غیر مسلم نام نہاد ماہرین اقتصادیات
و معاشیات کا یہ فرمانا کہ زمین کا رقبہ اور اس کی پیداواری قوت محدود ہے
انسانی آبادی کی زیادتی فقر و فاقہ کا سبب بن جائے گی۔ قطعاً ایک کافرانہ تصور
ہے۔۔۔۔!! اور اس لیے کہ غذائی پیداوار کا زمین وسیلہ تو ہے مگر پیداوار
کی قلت و کثرت میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ خدائے قادر مطلق کا اپنا
اختیار ہے کہ وہ ایک ایکڑ رقبہ زمین سے ایک کروڑ انسانی آبادی کے
لائق غذا پیدا کردے اور چاہے تو لکھوکھا ایکڑ سے سو آدمیوں کے لیے
بھی کافی غذا میسّر نہ آئے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کی واضح طور پر نشاندہی
کی ہے وان من شئی الا عندنا خزآئنہ وما ننزلہ الا
بقدر معلوم (۲) اور ہمارے پاس تمام اشیاء کے خزانے موجود ہیں
اور ہم سوچے سمجھے ہوئے انداز کے مطابق ان کو نازل کرتے رہتے ہیں۔
ظاہر ہے کہ خدائے علیم و قدیر اپنی مخلوقات کو پیدا کرتا ہے تو ان کی واقعی
ضرورت کی اشیاء بھی مہیا کرتا ہے۔ غذائی اجناس انسانی ضرورت سے نہ
پہلے کم تھیں، نہ آج کم ہیں اور نہ آئندہ ہوں گی۔ ارادۂ الہٰی کے تحت حسب
تقدیر غذائی اجناس پیدا ہوتی رہیں گی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خدائے عادل
طالب غذا کو پیدا تو کردے اور غذا مہیا نہ کرے۔۔۔۔!! بہر حال

(۱) القرآن پ۸ انعام آیۃ ۱۵۱ (۲) القرآن پ۱۴ حجر آیۃ ۲۱ ۔

مستقبل میں زمین کی قوت پیداوار کم یا ختم ہوجانے کا ڈھنڈورا پیٹنے والے بڑی ہوشیاری سے مسلمانوں کو بے دین بنانے کی کوشش کر رہے ہیں ورنہ جیسا کہ عرض کیا گیا خزائن رزق، اللہ کے اختیار میں ہیں۔ زمین کے اختیار میں نہیں۔ ہاں اگر کبھی کچھ لوگ غذا کی کمی کا شکار ہوتے ہیں کہ اس کا سبب غذائی اشیاء کی کمی نہیں ہوتا بلکہ خود غرضی اور زر پرست سرمایہ داروں کا جذبہ احتکار پسندی یا کچھ غرض پرستوں کی اسمگلنگ کے سہارے پیسہ کمانے کی خود غرضانہ خواہش ہوتی ہے۔

غیر مسلم اقوام خصوصاً یہودی اور عیسائیوں کی طرف سے خاندانی منصوبہ بندی کے پروپیگنڈے کی مساعی، اس خوف کی وجہ سے بھی ہیں کہ دنیا میں مسلمان عددی لحاظ سے زیادہ ہو جائیں گے تو سائنس اور ٹیکنالوجی میں بھی آگے بڑھ جائیں گے اور عیسائیوں اور یہودیوں کی ذہنی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے۔ ان اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کے یہاں شرح پیدائش بہت زیادہ ہے اور بجا طور پر یہ اقوام خوف زدہ ہیں کہ اگر مسلمانوں کے اعداد و شمار اسی طرح بڑھتے رہے تو مستقبل قریب میں مسلمان ان قوموں کے مقابلہ میں ہر گونہ بالادستی حاصل کرلے گا ۔۔۔۔۔!!

مشاہدہ بتلاتا ہے کہ غیر مسلم اقوام کے مقابلے میں مسلمانوں میں ترقی یافتہ قوموں کے مقابلہ میں ترقی پذیر اقوام میں اور امیروں کے مقابلے میں غریب لوگوں کے یہاں شرح پیدائش زیادہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ترقی یافتہ اور دولت مند اقوام و افراد مختلف قسم کے تعیشات میں مبتلا رہتے ہیں اور طرح طرح کی تفریحات میں مصروف رہتے ہیں اس لیے ان کے تولیدی قویٰ شکارِ انتشار ہو جاتے ہیں جبکہ غریب لوگوں کو ضروری ذمہ داریوں سے اتنی فرصت ہی

نہیں ملتی کہ تفریح و تعیش میں وقت گذاریں۔ ان کی تو واحد تفریح، اوقاتِ فرصت میں بال بچوں میں منحصر ہوتی ہے اور چونکہ ان کے ذہن انتشار کا شکار نہیں ہوتے اس لیے جنسی وظائف کی ادائیگی کے نتیجے میں بچوں کی پیدائش زیادہ ہوتی ہے۔ ہمارے ملک پاکستان میں بھی کثرتِ اولاد روٴسا کے یہاں نہیں بلکہ غریبوں کے یہاں محسوس و مشاہد ہے۔

اسلام اور کثرت اولاد کی ہمت افزائی

بہرحال رزق کی کمی کے خوف سے خاندانی منصوبہ بندی غیر اسلامی تصوّر ہے اور اقدام ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اسلام میں کثرتِ اولاد کی ہمّت افزائی کی گئی ہے اور شوق دلایا گیا ہے کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ اولاد پیدا کریں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: تناکحوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ ولو باسقط وقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم: تزجوا الودود الولود وکا مزید فرمایا: سودا۔ ولود خیر من حسناء عقیم (۱) "نکاح کرو اور زیادہ اولاد پیدا کرو اس لیے کہ میں قیامت کے دن دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔ اگرچہ وہ ساقط شدہ حمل ہی کیوں نہ ہو۔ نیز فرمایا زیادہ بچے پیدا کرنے والی، محبت کرنے والی لڑکی سے شادی کرو اور سیاہ فام زیادہ بچے پیدا کرنے والی خوبصورت بانجھ عورت سے بہتر ہے۔

جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے اس طرح حدیث پیغمبر کو بیان فرمایا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تزوجوا بکرا ولودا ولا

(۱) جامع الاخبار صـ ۱۲۷:

تزوجوا حسناء جميلة عاقراً فانی اباهی بکم الامم یوم القیامۃ (۱) زیادہ بچے پیدا کرنے والی کنواری لڑکی سے شادی کرو اور حسین وجمیل بانجھ عورت سے نہ کرو اس لیے کہ میں قیامت کے دن دوسری امتوں کے مقابلے میں تم پر فخر کروں گا۔

عن سلیمان بن جعفر الجعفری عن ابی الحسن الرضا علیہ السّلام قال:

تزوجہا سوداء ولوداً ولا تتزوجہا جمیلۃ حسناء عاقراً فانی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ اما علمت ان الولدان تحت العرش یستغفرون لآبائھم یحضنھم ابراھیم وتربیھم سارۃ فی جبل من مسک وعنبر وزعفران (۱) سلیمان بن جعفر جعفری نے امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ بدشکل زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت سے شادی کرو اور خوبصورت بانجھ عورت سے شادی نہ کرو کیونکہ میں قیامت کے دن دیگر امتوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ بچے عرش کے نیچے اپنے والدین کے لیے مغفرت کرتے ہیں۔ جناب ابراہیم علی نبینا وعلیہ السّلام ان کو سینے سے لگاتے ہیں اور جناب سارہ مشک وعنبر وزعفران کے پہاڑوں کی وادیوں میں ان کی پرورش کرتی ہیں۔

عن عبد اللہ بن سنان عن أبی عبد اللہ علیہ السلام قال:

جاء رجل إلی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال: یا نبی اللہ

(۱) فروع کافی ج ۵ ص ۳۳۳، وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۳۳ (۲) وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۳۴، فروع کافی ج ۵ ص ۳۳۳۔

إن لي ابنة عم قد رضيت جمالها وحسنها ودينها ولكنها عاقر، فقال لا تزوجها إن يوسف بن يعقوب لقي اخاه فقال : يا اخي كيف استطعت أن تتزوج النساء بعدي؟ فقال إن أبي أمرني وقال: إن استطعت أن تكون لك ذرية تثقل الارض بالتسبيح فافعل فقال فجاء رجل من الغد الى النبي صلى الله عليه وآله وسلم فقال له مثل ذلك فقال له : تزوج سوداء ولوداً فاني مكاثر بكم الامم يوم القيامة (۱) عبداللہ بن سنان امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ایک شخص جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میری ایک چچا زاد ہے جس کا حسن و جمال اور تمیز و سلیقہ مجھے بہت پسند ہے لیکن وہ بانجھ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کے ساتھ شادی نہ کرو۔ مزید فرمایا کہ جناب یوسف بن یعقوب علیہما السلام جب اپنے بھائی سے ملے تو کہا کہ بھیا میری گمشدگی کے بعد عورتوں سے شادی کرنے کا حوصلہ تمہیں کیسے ہوگیا . . . . . !! بھائی نے جواب دیا کہ والد ماجد نے مجھے حکم دیا اور فرمایا کہ اگر یہ ہو سکے کہ تمہاری اولاد زمین کو تسبیح الٰہی سے بھر دے تو ایسا ضرور کرو۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور اسی طرح کی بات عرض کی تو آپ نے اس سے فرمایا کہ زیادہ بچے پیدا کرنے والی بدشکل عورت سے شادی کرو اس لیے کہ میں قیامت کے دن دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔

ان مبارک احادیث کی روشنی میں بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ اسلامی ضوابط حیات میں کثرت اولاد ممدوح ہے اور مطلوب شارع علیہ السلام ہے۔

---

(۱) فروع کافی ج ۵ ص ۳۳۳ ، وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۳

ایک لطیفہ: اخبار نوائے وقت مورخہ ۱۲ اپریل ۱۹۸۰ء کی روایت کے مطابق "عالمی تنظیم خاندانی منصوبہ بندی کے ماہرین نے پاکستان کے متعلق اعداد و شمار کی روشنی میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اس خطے میں محکمۂ خاندانی منصوبہ بندی کی مساعی کے باوجود، شرحِ پیدائش میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ کچھ اضافہ ہی ہوا ہے۔۔۔۔!! یہ اظہار رائے دلچسپ بھی ہے اور تعجب انگیز بھی۔۔۔!! یہ رائے تو کسی طرح بھی قائم نہیں کی جا سکتی کہ پاپولیشن پلاننگ ڈیپارٹمنٹ کے کارکنوں نے مانع حمل کے ادویہ اور آلات کو دریائے راوی یا سندھ میں پھینک دیا ہوگا۔ ہم نے اس محکمہ کا جو لٹریچر پڑھا ہے اس کے پیش نظر ہماری رائے یہ ہے کہ کارپردازانِ محکمہ نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا کے رکھی ہے۔ لیکن نتیجہ ڈھاک کے تین پات کی شکل میں اس لیے نکلا ہے کہ عوام نے شرحاً حضوری مانع حمل آلات وادویہ بے کر ضائع کر دیئے مگر یہ صورت حال بھی مشکل ہی سے قابل قبول ہو سکتی ہے اس لیے کہ ادویہ اور آلات کی شکل میں تضییع سرمایہ کون جانتا اور روا رکھ سکتا ہے۔۔۔۔!!؟ لہٰذا قرین قیاس یہ ہے کہ کھاتے پیتے گھرانوں کے عیاش طبع، رنگین مزاج افراد نے اپنی رنگ رلیوں پہ پردہ ڈالنے کے لیے ان دواؤں اور آلات کو استعمال کیا اور اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور جیسا کہ ہم عرض کر آئے ہیں مانع حمل اشیاء کی ایجاد ہوئی ہی جنسی کجرویوں کے نتائج سے محفوظ رہنے کے لیے ہے۔ اس لیے ان اشیاء کو وہی طبقات استعمال کرتے ہیں جو رنگ رلیوں کے پرستار اور جنسی کجروی کے گرفتار ہیں۔

۱۔ فروع کافی ج ۵ ص ۴۳۳، وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۴۳

پاکستانی آبادی میں خاندانی منصوبہ بندی کا یہ حشر اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ مسلمان نے ذہنی طور پر یہودیت اور عیسائیت سے شکست نہیں کھائی ہے اور وہ خدا کی رزاقیت کے عقیدے کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اگر غذائی قلت اور دیگر ضروریات زندگی کی کمی کے خوف کے علاوہ کوئی اور دلیل شرح پیدائش کو کم کرنے کے لیے پیش کی جائے تو مسلمان اس پر غور کرنے کے لیے تیار ہو سکتا ہے اس لیے کہ اسلام نے افزائش نسل کو واجب قرار نہیں دیا ہے مناسب اور بہتر قرار دیا ہے اور کثرت اولاد کو خوشنودی، خدا و رسول کا ذریعہ بتایا گیا ہے

اب ظاہر ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی خوشنودی کے لیے شرح پیدائش کو صرف وہی لوگ کم کر سکتے ہیں جو خدا کی رزاقیت پر ایمان نہ رکھتے ہوں دوسری طرف شرح پیدائش کے اضافے میں پیغمبر اسلام کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے مسلمان حدامکان اس گراں قدر تحفے کے حصول میں کس طرح غفلت کر سکتا ہے۔

بہر حال جیسا کہ عرض کیا گیا بچوں کا پیدا کرنا واجب نہیں ہے۔ اگر کوئی جوڑا بچے پیدا کرنا نہ چاہتا ہو تو اسلام اس کی بھی اجازت دیتا ہے جیسا کہ محمد بن مسلم نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے! عن محمد بن مسلم قال سئلت أبا عبد الله علیہ السلام عن العزل ...؟ فقال ذاک إلی الرجل یصرف حیث شاء (۱) میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عزل کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا مرد کا اختیار ہے جیسا چاہے کرے

انہی محمد بن مسلم نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ انہوں

---

(۱) وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۱۰۵

فرمایا: لا بأس العزل عن المرأة الحرة إن احب صاحبها وان كرهت ليس لها من الامر شئ (۱) اگر شوہر چاہے تو آزاد عورت کے ساتھ عزل کر سکتا ہے۔ اگر عورت ناپسند بھی کرتی ہے تو اس کو کوئی دخل نہیں ہے۔

عن محمد بن مسلم قال: قلت لأبي جعفر علیہ السلام الرجل يكون تحته الحرة أيعزل عنها قال ذاك اليه إن شاء عزل وإن شاء لم يعزل۔ (۲) محمد بن مسلم کہتے ہیں میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ آزاد عورت ایک شخص کی بیوی ہے کیا وہ اس سے عزل کر سکتا ہے۔۔ فرمایا یہ مرد کا اختیار ہے چاہے عزل کرے یا نہ کرے۔

عن يعقوب الجعفي قال سمعت أبا الحسن علیہ السلام يقول: لا بأس بالعزل في ستة وجوه المرأة التي تيقنت انها لا تلد، والمسنة والمرأة السليطة والبذية، والمرأة التي لا ترضع ولدها والأمة (۳) یعقوب جعفی کہتے ہیں کہ میں نے امام رضا علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ چھ صورتوں میں عزل میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ۱۔ ایسی عورت کے ساتھ جس کے متعلق یقین ہو کہ اس کے بچہ پیدا نہیں ہوگا (۲) بوڑھی عورت کے ساتھ (۳) لڑاکا عورت کے ساتھ (۴) گندی اور بدلگام عورت کے ساتھ (۵) اپنے بچے کو دودھ نہ پلانے والی عورت کے ساتھ (۶) اور کنیز کے ساتھ۔

جناب آیۃ اللہ خمینی مدظلہم ارشاد فرماتے ہیں: لا إشكال في جواز العزل

---

(۱) وسائل الشیعہ ج ۷، ص ۱۰۶ (۲) وسائل الشیعہ ج ۷، ص ۱۰۶ (۳) وسائل الشیعہ ج ۷، ص ۱۰۷

فی غیر الزوجة الدائمة الحرة وکذا فیما مع اذنها واما فیها بدون اذنها ففیه قولان اشهرهما الجواز مع الکراهة وهو لاقوی بل یبعد عدم الکراهة فی التی علم انها لا تلد وفی المسنة والسلیطة والبذیة والتی لا ترضع ولدها (۱) آزاد دائمی نکاح والی بیوی کے علاوہ عزل میں کوئی اشکال نہیں ہے اور اگر آزاد بیوی اجازت دے دے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے لیکن آزاد بیوی کی اجازت کے بغیر عزل میں دو قول ہیں اور زیادہ مشہور یہ ہے کہ کراہت کے ساتھ جائز ہے اور یہی قول قوی ہے مگر یہ کراہت بھی زائل ہو جاتی ہے جبکہ عورت کے متعلق علم ہو کہ وہ بچہ نہیں پیدا کر سکتی یا بوڑھی ہے یا لڑاکا یا بدزبان ہے یا اپنے بچے کو دودھ نہیں پلاتی۔ عرضیکہ مذکورہ احادیث اور ان احادیث سے جناب آیۃ اللہ کے استنباط سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شادی شدہ جوڑے اگر اولاد کے خواہشمند نہ ہوں تو مانع حمل وسائل اختیار کر سکتے ہیں لیکن از روئے اسلام یہ کوئی پسندیدہ فعل نہیں ہے صرف اس کی اجازت ہے اب ظاہر ہے کہ یہ چیزیں خصوصی انتظام کے ساتھ صرف اور صرف شادی شدہ ضرورت مندوں کو فراہم نہ کی جائیں اور ہر کس و ناکس ان کو حاصل کر سکتا ہو تو یہ اشیاء جنسی کجروی کی ہمت افزائی کا سبب بنیں گی۔ حمل کا انعقاد کنواری لڑکیوں کے لیے مستقبل کی تباہی کا ذریعہ بن جاتا ہے اس لیے وہ جنسی کجروی سے شدید تشویق و تحریص کے باوجود باز رہتی ہیں لیکن مانع حمل اشیاء کی عمومی دستیابی جنسی بے راہ روی کی ہمت افزائی کا سبب بنتی ہے ...... !! اس لیے تمام مانع حمل اشیاء کی دستیابی پر ایسی شدید

۱۔ تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۲۴۱

پابندیاں عائد کی جائیں کہ ان لوگوں کے علاوہ جن کے دو چار بچے ہو چکے ہوں کوئی حاصل ہی نہ کر سکے۔

یورپ کی جنسی بے راہ روی کا مشاہدہ اس حقیقت کی کافی اور وافی دلیل ہے کہ مانع حمل اشیاء نے فقط فحاشی اور عیاشی میں اضافہ کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام کسی ایسے طریق کار کو جائز نہیں رکھتا جس سے جنسی بے راہ روی کی ہمت افزائی ہو ہم حیران ہیں کہ امریکہ میں مانع حمل اشیاء پر پابندی لگائی جا چکی ہے کہ اس سے رحم اور سینے کا کینسر پیدا ہوتا ہے جبکہ پاکستان میں ابھی تک ان ادویہ کو آزمایا جا رہا ہے۔۔۔۔۔!!

۱۔ تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۳۸۱

غیر متوازن معیشت (۱۴)

معاشی عدم توازن اور اقتصادی ناہمواری جہاں دوسری ان گنت اور بیشمار شکلوں میں یعنی سیاسی، تہذیبی، ثقافتی، تمدنی، تجارتی اور دیگر اخلاقی دائروں میں عالم آدمیت کو زیر وزبر کرتی رہتی ہے اور امن انسانیت کی دھجیاں اڑاتی رہتی ہے وہاں یہ صورت حالات جنسی کجروی کا ایک جوہری اور بنیادی سبب بھی بن جاتی ہے یورپین ممالک میں جہاں دیگر مسائل حیات کے علل و اسباب معلوم کرنے کے لیے دانشوروں پر مشتمل مختلف کمیشن معین کیئے جاتے ہیں وہاں بلا تکلف جنسی کجروی کے وجود اور اسباب معلوم کرنے کے لیے کمیشن تشکیل دیئے جاتے ہیں اور ان کی تحقیقات کے نتائج رپورٹوں کی شکل میں اخبارات و رسائل اور کتابوں کے ذریعے عوام تک پہنچا دیئے جاتے ہیں اور ان کی تحقیقات کے نتائج

عوام تک پہنچا دیئے جاتے ہیں تاکہ رائے عامہ بیدار ہو اور جنسی کجروی سے بچنے کی کوششیں کی جا سکیں۔ مختلف کمیشنوں کی تحقیقات کا مطالعہ بتلاتا ہے کہ ۹۰ فیصد جنسی بے راہ روی کا سبب معاشی عدم توازن ہے ......!!! گناہ آلود زندگی گذارنے والی لڑکیاں بے محابا بتاتی ہیں کہ لباس، غذا، مکان اور رہن سہن کے دوسرے طریقوں کے تعلق میں معاشروں کی عمومی سطح تک آنے کے لیے ہمارے معاشی وسائل یعنی نوکری وغیرہ کفایت نہیں کرتے اس لیے ہمیں اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے اپنی عفت کو مال بازار بنا دینا پڑتا ہے۔ جنسی لذت کوشی کو اس کاروبار میں صرف دو فیصد عورتوں اور لڑکیوں نے قبول کیا ہے بلکہ اس قسم کی زندگی گذارنے والی لڑکیوں اور عورتوں کی اکثریت نے بتایا ہے کہ ہمیں جنسی عمل میں کوئی لذت

حاصل نہیں ہوتی بلکہ بڑی حد تک بیزاری ہی ہوتی ہے۔

اگر پاکستان کے مختلف شہروں میں گناہ کے بازاروں کا تجزیہ کیا جائے اور جرم وعصیان کی، عام آنکھوں سے اوجھل، خفیہ کمین گاہوں پر حقائق بین نظر ڈالی جائے تو اس سارے گھناؤنے کاروبار کے پس منظر میں ایک طرف غربت و افلاس اور دوسری طرف دولت و ثروت کی بھر مار نظر آئے گی۔ بازار گناہ کے جو خاندان اس وقت خوشحال زندگی گذار رہے ہیں ان کے ماضی میں جھانک کر دیکھا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان افراد کو یہاں تک لانے میں معاشی عدم توازن بنیادی سبب ہے، غربت و افلاس زدہ گھرانوں کی لڑکیوں کو اچھے کھانے پہننے، کوٹھی بنگلہ میں ٹھاٹھ باٹ کے ساتھ زندگی گذارنے اور قیمتی لباس و زیورات سے آراستہ کرنے کا لالچ دے کر سر بازار یا خفیہ اڈوں میں عصمت فروشی کے کاروبار پر آمادہ کر لیا جاتا ہے۔ چونکہ انسان کا خالق انسان کے فطری رجحانات کا بھی خالق ہے اس لیے اس نے اسلام کی صورت میں جو نظام حیات دیا اس کے معاشی دائرے میں ایسے اصول وضوابط وضع کر دیئے کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو ہر انسان ایسی معاشی سطح پر آ جائے کہ فلاکت اور غربت کی وجہ سے کوئی فرد بھی اپنی عفت کے موتی کو نیلام کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتی۔ شوقیہ جنسی کجروی کی راہ اختیار کرنا الگ بات ہے ۔۔۔۔۔!!

سنہ ۱۱ ہجری تک اسلام کا معاشی نظام اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ مسلمانوں میں رائج رہا تاہم سنہ ۴۰ھ تک معمولی اور جزوی تغیرات کے ساتھ اسلام کے معاشی نظام کے مطابق مسلمان زندگی گذارتے رہے اور نتیجہ یہ تھا کہ اس عرصہ میں جنسی جرم نہ ہونے کے برابر تھے اور اگر کسی سے یہ جرم سرزد ہو گیا تو اس نے کسی دار و گیر اور پکڑ دھکڑ کے بغیر اپنے آپ کو اسلامی تعزیر کے لیے پیش کر دیا۔ سنہ ۴۰ھ کے بعد

مالکان مسند اقتدار نے بیت المال کو جو عوام کا حق تھا اپنی ذاتی ملکیت بنا لیا اور مسلمان ممالک میں معاشی عدم توازن کا بھوت اور اقتصادی ناہمواری کا دیو ہر جگہ عریاں رقص کرنے لگا۔ جو صرف وہ دین دار افراد یا طبقے اسلامی معاشی نظام سے وابستہ رہے جو خدا و آخرت اور اسلام کے نظام جزا و سزا پر مستحکم یقین رکھتے ہیں ہمارے زمانے تک ایسے ہی افراد اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کے نمائندے ہیں اور ان افراد و طبقات میں گناہ آلود زندگی کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔

ظاہر ہے کہ پاکستان، اسلامی نظام زندگی کو نافذ کرنے کے لیے بنایا گیا تھا اور اسلامی نظام حیات بروئے کار نہیں آسکتا، جب تک کہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام قبول نہ کر لیا جائے۔

یہ درست ہے کہ مکمل طور پر معاشی مساوات عقل اور عادت زیادہ کے خلاف ہے۔ کوئی کم کھاتا ہے کوئی زیادہ۔ کسی کو اپنے قد کاٹھ کے اعتبار سے کپڑے کی تھوڑی مقدار درکار ہوتی ہے کسی کو زیادہ اسی طرح انسانوں کی ذہنی اور جسمانی طاقتوں میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ کوئی اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے سہارے وسائل معاش سے زیادہ استفادہ کر سکتا ہے اور کوئی کم اور بعض افراد ذہنی اور جسمانی معذوریوں کی وجہ سے کوئی کام نہیں کر سکتے ۔ ان صورت حالات میں معاشی تفاوت کا پیدا ہو جانا فطری اور طبعی امر ہے۔

خالق کائنات نے قرآن کریم میں اس فرق و امتیاز کو واضح طور پر اپنی تخلیق کا کرشمہ قرار دیا ہے: قل ان ربی یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر ولکن اکثر الناس لا یعلمون (۱) "اے رسول کہہ دیجیے کہ میرا پالنے والا ہی جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں وسعت پیدا کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے کمی، لیکن انسانوں کی اکثریت اس حقیقت کو نہیں سمجھتی۔" اس حقیقت کی مزید وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے۔

۱۔ القرآن ۳۴ سبا آیت ۳۶۔

واللہ فضل بعضکم علیٰ بعض فی الرزق (۱) اے انسانو! اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔" مزید وضاحت کے لیے تاکہ کوئی معمولی سے معمولی عقل و فہم کا آدمی بھی فہم حقیقت میں اضطراب و تذبذب کا شکار نہ ہو فرمایا گیا ہے: أھم یقسمون رحمۃ ربك نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیٰوۃ الدنیا ورفعنا بعضکم فوق بعض درجات لیتخذ بعضکم بعضا سخریا ورحمۃ ربك خیر مما یجمعون (۲) کیا وہ آپ کے پروردگار کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں۔ . . . (نہیں بلکہ) ہم نے دنیا کی زندگانی میں ان کے درمیان ان کی روزی تقسیم کر دی اور ہم نے بعض کو بعض پر درجات کے لحاظ سے بلند کیا تاکہ ایک دوسرے کو خدمت گار بنا لے اور آپ کے پروردگار کی رحمت ان چیزوں سے جنہیں یہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے۔

انسانی تہذیب و تمدن کی بقا اور ترقی کے لیے معاشی تفاوت ضروری اور ابدی ہے جس کا اہتمام خالق کائنات نے اپنی حکمت بالغہ کے زیر اثر خود ہی فرمایا ہے تاہم یہ معاشی تفاوت جب عدم توازن کی حدود میں داخل ہوتا ہے تو انسانی زندگی، حیوانی طرز حیات کا آئینہ بن جاتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ قدرتی معاشی تفاوت کو خالق کائنات کے بنائے ہوئے ضوابط کے تحت ناہمواری اور عدم توازن کی حدود سے نکال کر متوازن معیشت کی طرح ڈال دی جائے تاکہ تفاوت کی خوبیاں انسان کو حاصل ہو جائیں اور عدم توازن کی قباحتوں سے بھی ہر طرح محفوظ رہے۔

۱- القرآن پ ۱۴ النحل آیۃ ۷۱ (۲) القرآن پ ۲۵ زخرف آیۃ ۳۲۔

خالق کائنات نے اپنے آخری رسول حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعے جو نظام معاش نافذ کیا ہے وہ انہی ناہمواریوں میں توازن پیدا کرتا ہے یہ امر قابلِ بحث ہے کہ اسلام کے علاوہ اس وقت دنیا میں جتنے بھی معاشی نظام جاری وساری ہیں خواہ وہ سرمایہ دارانہ نظام ہو یا اشتراکی و اشتمالی، یہ سب انسانی ذہن کے ساختہ و پرداختہ ہیں اور یہ معاشی عدم توازن کو جیسا کہ چاہیئے دور نہیں کر سکتے۔

سرمایہ داری میں غرباء کے لیے کوئی کشش نہیں ہے اور اشتراکیت میں خوشحال زندگی گذارنے والوں کے لیے کسی قسم کا جذبہ نہیں پایا جاتا دونوں دونوں نظاموں میں طبقاتی جنگ وجدل، لوٹ کھسوٹ، مار دھاڑ اور حسد ونفرت وغیرہ کے وجوہ واسباب موجود ہیں اور ان نظاموں کو اقتدار مطلق کے سہارے نافذ کیا جا سکتا۔ اور قائم رکھا جا سکتا ہے جس وقت بھی شمشیر اقتدار کی دھار کند ہوگی یہ نظام پاش پاش ہو جائیں گے اور اپنی موت آپ مرجائیں گے صرف اور صرف اسلام جو خالق کائنات کا بنایا ہوا نظام معاش پیش کرتا ہے۔ رضاکارانہ معاشی عدم توازن کو ختم کرنے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہے اس میں جبر واستبداد کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اسلام نے سب سے پہلے تو یہ بتلایا ہے کہ جس طرح سے انسان کا پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے اس طرح سے ساری کائنات کا بھی وہی خالق ہے: ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین (۱)

اور یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ اللہ خالق کل شیء وھو علیٰ کل شیء وکیل (۲) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے

(۱) القرآن پ۱۸ المومنون آیۃ ۱۲ (۲) القرآن پ۲۴ زمر آیۃ ۶۲

اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ ماخلقنا السمٰوات والارض وما بینھما الا بالحق واجل مسمّی (۱) اور ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور جو کچھ ان دونوں میں ہے حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے اور ایک مقررہ مدت کیلئے۔

یہ امر بھی معلوم خاص وعام ہے کہ انسان کو اپنی زندگی گذارنے کے لیے جتنی اشیار کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب زمین سے پیدا ہوتی ہیں اور اگر ان کی پیدائش اور تزئین میں کائنات کے دوسرے اجزا یعنی ستاروں کا دخل ہے تو یہ سب چیزیں بھی خدا ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی مذکورہ آیات سے واضح اور ظاہر ہوتا ہے اور قرآن کریم میں مزید فرمایا گیا ہے:

وھو الذی فی السمآء الٰہ وفی الارض الٰہ (۲) اور وہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہر جگہ متبوع اور مطلع ہے وھو الذی خلق السمٰوات والارض بالحق (۳) وہ خدا ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔

قرآن کریم نے واضح طور پر نشاندہی کی ہے کہ انسان کی ضرورت کی ہر چیز زمین میں موجود ہے اور وہ سب خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں: وھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (۴)" وہی خدا ہے جس نے جو کچھ بھی زمین میں پیدا کیا ہے وہ سب تمہارے لیے ہے"۔ اور اللہ نے انسان کو اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں جن کا شمار ممکن نہیں ہے: وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (۵) اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو گے تو نہیں گن پاؤ گے۔ لفظ "نعمت" بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ جو کچھ بھی

۱۔ القرآن پ ۲۶ الاحقاف آیہ ۳ ۲۔ القرآن پ ۲۵ زخرف آیہ ۸۴
۳۔ القرآن پ ۷ آیہ ۷۳ ۴۔ القرآن پ ۱ بقرہ آیہ ۲۹

انسان کھاتا پیتا ہے، اوڑھتا پہنتا ہے وہ سب خداوند عالم کا عطیہ ہے اور ظاہر ہے کہ عطیہ کو ملکیت نہیں کہا جا سکتا۔ انتفاع انسان کا حق ہے جس کے لیے یہ اشیاء پیدا کی گئی ہیں لیکن ان کا مالک خدا ہی ہے۔ ایک ایرانی شاعر نے بڑے حسین انداز میں اس حقیقت کی عکاسی کی ہے

در حقیقت مالک ہر شئی خداست

ایں امانت چند روز نزد ماست

قرآن کریم کی اس آیت میں اسی حقیقت کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے ان الارض للہ یورثھا من یشآء من عبادہ (۱) "بے شک زمین اللہ ہی کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے" یعنی اسلامی نقطہ نظر سے زمین اللہ کی ملکیت ہے اور انتفاع کا حق ان بندوں کو ہے جو اس سے انتفاع کے اہل ہوں۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے: ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (۲) بے شک زمین کے قابض اور وارث میرے اہل بندے ہیں۔" للہ ملک السمٰوات والارض وما فیھن وھو علی کل شئی قدیر (۳) اللہ ہی زمین اور آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے سب کا مالک ہے اور ہر چیز پر قادر ہے لہ ما فی السمٰوات وما فی الارض (۴) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔

جیسا کہ مذکورہ بالا آیات سے ظاہر اور ثابت ہوتا ہے کہ ہر شئی اللہ ہی کی ملکیت ہے تو قدرتی طور پر نتیجہ یہی نکلے گا کہ انسان دنیا کی کسی چیز کا مالک نہیں ہے، بے شک اسے حق انتفاع حاصل ہے۔ اور چونکہ انسان اور

(۱) القرآن پ۹ الاعراف آیۃ ۱۲۸ (۲) القرآن پ۱۷ الانبیاء آیۃ ۱۰۵ (۳) القرآن پ۷ المائدہ آیۃ ۱۲۰ (۴) القرآن پ۱۱ یونس آیۃ ۶۸

یہ سب چیزیں اللہ کی تخلیق ہیں اس لیے ان اشیاء کے استعمال کے ضوابط انسان
کو خدا ہی کی طرف سے ملیں گے اور انسان کا فرض ہے کہ وہ انہی ضوابط حیات
ہی کو قبول کرے اور ان کے مطابق زندگی گذارے۔ انسان کائنات کا ایک جزو
اور حصہ ہے، یہ کائنات سے الگ کوئی چیز نہیں ہے تاہم اس کو عقل و شعور بخشا
گیا ہے اس لیے طبعی زندگی کے ساتھ ساتھ اس کو ارادی اور اختیاری زندگی سے
بھی نوازا گیا ہے لہٰذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح یہ اپنی طبعی اور غیر ارادی زندگی
ساتھ اس کو ارادی اور اختیاری زندگی سے بھی نوازا گیا ہے
کے ساتھ ساتھ اس کو ارادی اور اختیاری زندگی سے بھی نوازا گیا ہے لہٰذا عقل
کا تقاضا بھی ہے کہ جس طرح یہ اپنی اور غیر ارادی زندگی میں قوانین فطرت کا اتباع
کرتا ہے اسی طرح ارادی زندگی گذارنے کے لیے بھی اپنے خالق کے تجویز کردہ
ضوابط حیات پر عمل کرے اور زندگی گذارنے کے لیے خود قانون نہ بنائے تاکہ طبعی
اور ارادی زندگی میں تصادم کا امکان پیدا نہ ہو سکے اسی لیے خالق کائنات نے انسان
کو عقل و شعور اور ان کے نتیجہ میں ارادہ و اختیار بخش کر زندگی گذارنے کے لیے قانون
بھی عطا کر دیا ہے: اِنَّ الدین عند اللہ الاسلام (۱) ومن یبتغ غیر الاسلام
دیناً فلن یقبل (۲) اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہی ہے۔
اور اگر انسان اسلام کے علاوہ کوئی اور دین قبول اور تسلیم کرے گا تو وہ
بارگاہِ خداوندی میں قابلِ پذیرائی نہ ہوگا۔ احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
میں یہ حقیقت واضح طور پر بیان کر دی گئی ہے کہ انسان زمین کا مالک نہیں ہوتا
بلکہ وہ اپنی محنت اور مشقت سے کوشش اور سعی سے جو چیزیں حاصل کرتا ہے
ان سے اسلام کے معین کردہ ضوابط کے مطابق فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یعنی،
ضرورت کے مطابق استعمال کر سکتا ہے۔

---

(۱) القرآن پ۳ آل عمران آیت ۱۹ (۲) القرآن پ۳ آل عمران آیت ۸۵۔

ضرورت سے زیادہ استعمال بھی قابل مذمت ہے: کلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین (۱) کھاؤ اور پیو لیکن اسراف سے کام نہ لو، بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ دوسری آیت میں کہا گیا ہے کلوا واشربوا من رزق اللہ ولا تعثوا فی الارض مفسدین (۲) اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو یعنی چھین جھپٹ، لوٹ مار کا پیشہ اختیار نہ کرو، جو جس نے اپنی محنت سے حاصل کیا ہے اس کو استعمال کرنے کا وہ خود زیادہ حقدار ہے مگر ضرورت کے مطابق ضرورت سے زیادہ خرچ اسراف ہوگا۔ اسراف کہتے ہی ہیں ضرورت کی چیز کو قدر ضرورت سے زیادہ صرف کرنے کو ظاہر ہے کہ بلا ضرورت خرچ تو بدرجۂ اولیٰ قابلِ نفرت و مذمت ہوگا۔ اسی لیے خداوند عالم نے کہا ہے: وات ذا القربی حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا ۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین ۔ وکان الشیطن لربہ کفورا (۳) اور قرابت دار، مسکینوں اور مسافروں کو ان کے حقوق دے دو مگر خبردار فضول خرچی نہ کرنا۔ فضول خرچ تو شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔ "تبذیر" کے معنی ہی ضرورت کے بغیر خرچ کرنا۔ آجکل ہمارے گھروں میں ضرورت سے زیادہ بھی اور بلا ضرورت بھی سینکڑوں ہزاروں چیزیں خرید کر اکھٹی کر لی جاتی ہیں جو اسلام کے معاشی ضوابط کی خلاف ورزی ہے۔ اگر آپ چار جوڑوں میں ایک سال آرام سے گذار سکتے ہیں تو چھ اور آٹھ جوڑے بنانا اسراف کے حکم میں ہوگا اور بلا ضرورت کی چیزیں جو فیشن کی اور آرائشی اشیاء کہلاتی ہیں تبذیر کے حکم میں ہوں گی۔ ظاہر ہے

(۱) القرآن پ ۸ الاعراف آیۃ ۳۱ (۲) القرآن پ ۱ البقرہ آیۃ ۶۰ (۳) پ ۱۵ بنی اسرائیل آیۃ ۲۶-۲۷

کہ تجارت اور فیشن کی چیزوں کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا، بازار پٹے پڑے ہیں۔
اسلام ایسی اشیاء کی خریداری کی اجازت نہیں دیتا تاکہ اس طرح جو سرمایہ محفوظ ہو جائے بچ رہے وہ ضرورت مندوں کو دے دیا جائے۔ یہ سرمایہ محفوظ دولت کو اکٹھا کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ ضرورت مند انسانوں کی ضرورتوں کو رفع کرنے کے لیے اس کا تقسیم کر دینا ضروری ہے۔ قرآن کریم میں واضح طور پر ارتکاز دولت کی مذمت کی گئی ہے: والذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ۔ یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون (۱) اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے پس آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے جس دن کہ اس مال کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جو تم اپنی ذات کے لیے جمع کرتے تھے۔ پس تم مزا چکھو اس کا جو تم جمع کیا کرتے تھے۔

مال کی کثرت کو الٰہی ضوابط حیات میں کوئی وزن نہیں دیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے: وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفی الا من آمن وعمل صالحا فاولئک لھم جزاء الضعف بما عملوا وھم فی الغرفات آمنون (۲) اور تمہارے مال اور تمہاری اولادیں ایسی نہیں کہ وہ ہمارے حضور تمہارا درجہ

(۱) القرآن ۲۲ سبا آیت ۳۴ (۲) القرآن ۲۲ حجرات آیت ۱۳۔

قریب کردیں، سوائے اس شخص کے جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے چنانچہ یہی لوگ وہ ہیں کہ جو بھی عمل کریں اس کا دوگنا معاوضہ ان کے لیے مہیا کیا ہے۔ اور وہی بالاخانوں میں امن و امان سے رہنے والے ہوں گے۔

اسلامی معاشرہ میں عظمت کا وسیلہ نیکوکاری اور تقویٰ ہے: انّ اکرمکم عند اللہ اتقکم (۲) یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بہرحال رضاکارانہ طور پر ضرورت مند انسانوں کی ضرورتوں کو رفع دفع کرنے کے لیے مال خرچ کرنے کی مدح بھی کی گئی ہے اور اس کو قابل اجرا قدام قرار دیا گیا ہے: الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرّاً وعلانیۃ فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (۳) وہ لوگ جو اپنے مالوں کی رات اور دن میں پوشیدہ اور ظاہر طور پر خرچ کرتے ہیں ان کے لیے ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور نہ انھیں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: انّ الذین یتلون کتاب اللہ واقاموا الصلوٰۃ وانفقوا ممّا رزقنٰھم سرّاً وعلانیۃ یرجون تجارۃ لن تبورہٗ لیوفیھم اجورھم ویزیدھم من فضلہٖ انّہ غفور شکور (۴) یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور انھوں نے نماز قائم کی اور جو کچھ ہم نے انھیں رزق دیا انہوں نے اس میں سے چھپ کر اور ظاہر بظاہر خرچ کیا، وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو ہرگز کبھی تباہ نہ ہوگی تاکہ اللہ ان کے اجروں کو پورا پورا دے اور اپنے فضل سے انھیں زیادہ بھی دے یقیناً وہ بخشنے والا قدردان ہے۔

---

(۱) القرآن ۲۲ سبا آیت ۳۷ (۲) القرآن ۲۶ حجرات آیت ۱۳ (۳) القرآن ۳ بقرہ آیت ۲۷۴ (۴) القرآن ۲۲ فاطر آیت ۲۹ (۵) القرآن ۴ آل عمران آیت ۱۳۴

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نماز روزہ کی کثرت ہی کا نام تقویٰ نہیں ہے بلکہ جملہ فرائض انسانی کی اسلام کے احکام کے مطابق بجا آوری خصوصاً غربا کی دستگیری کے لیے مال و منال کا خرچ کرنا منزل تقویٰ تک پہونچنے کے لیے ضروری ہے۔ قرآن مجید میں دوسروں کی مدد کا شوق بیدار کرنے کے لیے بڑے عجیب و غریب انداز میں صاحبان تقویٰ کی تصویر کشی کی گئی ہے: وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السمٰوات والارض لا اعدت للمتقین ہ الذین ینفقون فی السرآء والضرآء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس ط واللہ یحب المحسنین (۱) اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کا پھیلاؤ سب آسمانوں اور ساری زمین جتنا ہے۔ وہ صاحبان تقویٰ کے لیے تیار کی گئی ہے جو فراخی اور تنگدستی میں خرچ کرتے ہیں، غصے کو روکنے والے اور لوگوں کے قصور سے درگذر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

سود کو بھی حرام اسی لیے قرار دیا گیا ہے کہ سود کی وجہ سے انسانی زندگی ہولناک مصائب کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے: واحل اللہ البیع وحرم الربوا (۲) اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ دوسری آیت میں سود کی مذمت اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی توصیف اس طرح کی گئی ہے: یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات ط واللہ لا یحب کل کفار اثیم (۳) اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقوں کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی منکر گناہگار کو دوست نہیں رکھتا۔

سود اکتناز دولت کا سبب ہونے کے علاوہ انسان میں کنجوسی کی ذلیل صفت بھی پیدا کر دیتا ہے اور کسی ضرورت مند کی مدد کرنے کا جذبہ سود خور کے دائرۂ قلب و دماغ ہی سے خارج ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں واضح طور پر بخل کی مذمت کی گئی ہے

(۱) القرآن پ۴ آل عمران آیۃ ۱۳۳، ۱۳۴ (۲) القرآن پ۳ بقرہ آیۃ ۲۷۵ (۳) القرآن پ۳ بقرہ آیۃ ۲۷۶

اور بخل کو غرور تکبر کے پیدا ہونے کا سبب تبلایا گیا ہے: واللہ لا یحب کل مختال فخور ۀ الذین یبخلون و یأمرون الناس بالبخل ط (۱)

اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے، فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔ وہ کہ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔" دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:۔

ھاانتم ھؤلاء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ ج فمنکم من یبخل ج ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہ ط واللہ الغنی وانتم الفقراء ج وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم (۱)

آگاہ رہو کہ تم وہ لوگ ہو جو بلائے جاتے ہو تاکہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو، پس تم میں سے کوئی وہ ہے جو بخل کرتا ہے اور جو بخل کرتا ہے ماسوا اس کے نہیں ہے کہ اپنی ہی ذات سے بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم فقیر ہو اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمھارے سوا دوسری قوم بدل دے گا اور پھر تم جیسے نہ ہوں گے"

بخل بہر رنگ و بہر حال اسلام میں ناپسندیدہ ہے۔ قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر انفاق فی سبیل اللہ کی مدح اور کنجوسی کی مذمت کی گئی ہے: سورہ تغابن میں اس طرح فرمایا گیا ہے: فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا وانفقوا خیرا لانفسکم ط ومن یوق شح نفسہ فاولٓئک ھم المفلحون (۲)

پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو، یہ تمھاری جانوں کے لیے بہتر ہے اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا پس وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

بخل اور بخیلوں کی مذمت کے ساتھ ساتھ روز قیامت بخیلوں کے لیے جو سزا کا طریقہ رکھا گیا ہے وہ بھی بڑا ہولناک ہے۔ اللہ اپنی دولت کے تمام

(۱) القرآن ۲۶ محمد آیت ۳۸ (۲) القرآن ۲۸ تغابن آیت ۱۶

امیروں کو اس سے محفوظ رکھے اور اللہ کے بندوں کی خدمت میں اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے بعد سب کچھ خرچ کرنے کا حوصلہ پا جائیں : ولا یحسبن الذین یبخلون بما آتاھم اللہ من فضلہ ھو خیراً لھم بل ھو شر لھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ وللہ میراث السماوات والارض واللہ بما تعملون خبیر (۱) اور جو لوگ اس چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دے رکھی ہے وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ وہ بخل کرنا ان کے لیے اچھا ہے بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے. قریب ہے کہ جس چیز میں انھوں نے بخل کیا وہ قیامت کے دن ان کے گلے میں طوق بنا کر پہنایا جائے اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی میراث ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پورا پورا باخبر ہے۔

اسلام نے صاحبان استطاعت پر معاشی عدم توازن کو ختم کرنے کے لیے اور ضرورتمندوں کو مجبوریوں اور پریشانیوں کے چنگل سے چھڑانے کے لیے دو طرح کے واجب حق (ٹیکس) عائد کیے ہیں کہ اگر ان کو ادا نہ کیا جائے تو انسان ماخوذ الذمہ رہے گا اور عذاب آخرت کا مستحق ہو جائے گا۔ ایک حق عام لوگوں کے لیے ہے جس کا نام زکوٰۃ ہے جس کی تفصیل قرآن کی زیر نظر آیت میں بیان کی گئی ہے : انما الصدقات للفقرآء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین فی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم (۲) یقیناً صدقات فقیروں، مسکینوں اور صدقات وصول کرنے والوں کا حق ہیں اور ان کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور لونڈی غلاموں کی گردنیں چھڑانے یعنی ان کو

(۱) القرآن پ۲۶ محمد آیت ۳۸ (۲) القرآن پارہ ۲۸ تغابن آیت ۱۶ (۳) القرآن پ۴ آل عمران آیت ۱۸۰

آزاد کرانے کے لیے اور قرضوں میں گرفتار ہو جانے والوں کے لیے اور مجاہدین راہ خدا کے لیے اور مسافروں کی مدد میں، یہ حق اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

جو لوگ یہ زکوٰۃ ادا کر دیتے ہیں وہ اجر کے مستحق ہو جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے: ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (۱) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کا اجر ان کے رب کی بارگاہ میں موجود ہے۔ اور نہ انھیں خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اُمّتِ مسلمہ کے تمام مسالک اور فرقوں کا بلا اختلاف یہ عقیدہ ہے کہ زکوٰۃ سادات کو نہیں دی جا سکتی حتیٰ کہ اگر کوئی سیّد، مال زکوٰۃ کی وصولی کے لیے مقرر کیا جائے تو اس کی تنخواہ بھی مالِ زکوٰۃ سے نہیں دی جائے گی اس لیے صاحبانِ استطاعت کے اموال میں دوسرا "حق واجب" اللہ نے "خمس" قرار دیا ہے جس میں سے پچاس فیصد اللہ رسول اور امام معصوم کے حق کے طور پر ہمارے زمانے میں مجتہد وقت کو دیا جائے گا اور پچاس فیصد غرباء، یتامیٰ، مساکین اور مسافرانِ سادات کو دیا جائے گا جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے: واعلموا انّما غنمتم من شیءٍ فانّ للّٰہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل ان کنتم آمنتم باللّٰہ وما انزلنا علیٰ عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان واللّٰہ علیٰ کلّ شیءٍ قدیر (۲) "اور تم جان لو کہ جو کچھ بھی تمھیں کسی چیز سے فائدہ یا

(۱) القرآن ۲ البقرہ آیت ۲۷۷ (۲) القرآن ۸ الانفال آیت ۴۱

نفع حاصل ہو۔ اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے، اس کے رسول اور رسول کے قرابت داروں کے لیے اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس چیز پر جو ہم نے فیصلے کے دن نازل کی تھی جس دن دو گروہ باہم مقابل ہوئے تھے اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

ظاہر ہے کہ ہر نفع اور فائدہ پر خواہ وہ میدان جنگ میں حاصل ہو یا بازار میں یا معدن اور کان کے ذریعے یا سال بھر کے اخراجات پورا کرنے کے لیے بعد بچت کی شکل میں "خمس، حق واجب کی حیثیت سے عائد ہو جائے گا۔

خمس کو میدان جنگ سے حاصل ہونے والے مال غنیمت تک محدود کرنا خاندان رسول کے ساتھ انتہائی ناانصافی ہوگی۔۔۔۔۔۔!!! تعجب ہے کہ کچھ لوگ سادات کو ان کے حق خمس سے محروم کر کے ان کی معاشی پریشانیوں کا تماشہ کیوں دیکھنا چاہتے ہیں۔۔۔۔؟ زکوٰۃ اور خمس دونوں برابر کے حق ہیں کوئی وجہ محسوس نہیں ہوتی کہ زکوٰۃ کا سلسلہ تو ہر وقت جاری رہے اور خمس کو میدان جنگ سے حاصل شدہ غنیمت سے مخصوص کر دیا جائے جبکہ عربی لغت کی ہر کتاب میں لفظ "غنیمت" کے معنی فوائد اور منافع بھی موجود ہیں۔۔۔۔!!!

یہ حقیقت معلوم ہے کہ زکوٰۃ عام مسلمانوں کا حق ہے اس لیے اس کو ہم پیداوار اور بچت پر عائد کر دیا گیا اور خمس حق سادات ہے اس لیے اس کو صرف فوائد اور منافع پر لگایا گیا ہے اس طرح سے غیر سادات اور سادات کے فلاکت زدہ خاندانوں کی معاشی پریشان حالی کو رفع کرنے کی راہ ہموار کی گئی ہے جو لوگ ہمارے زمانے میں خمس کو واجب نہیں جانتے وہ آخر سادات کے فلاکت زدہ خاندانوں کو معاشی مصائب سے نجات دلانے کے لیے کیا طریقہ تجویز فرمائیں گے۔۔۔۔؟؟! بہر حال خمس کی اموالِ غنیمت سے تخصیص خاندانِ رسالت

سے محبت کے دعوؤں کا بھانڈا پھوٹتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد اس تعلق میں بالکل واضح ہے "انما غنمتم" کے ساتھ "من شیئ" کا اضافہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں فوائد اور منافع بھی مطلوب ہیں۔ اگر صرف لڑائی میں حاصل شدہ مال غنیمت ہی مطلوب ہوتا تو "من شیئ" کے لفظ کی ضرورت نہ تھی۔ اس لفظ کے ہوتے ہوئے خمس کا فقط میدان جنگ سے متعلق کر دینا بلاغت قرآن سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

بہر حال اسلام نے سادات اور غیر سادات معاشی طور پہ پریشان لوگوں کے لیے خمس زکوٰۃ کو واجب قرار دے کر [illegible] توازن کو ختم کرنے کے بہترین وسائل تجویز فرمائے ہیں۔ مذکورہ واجب حقوق کے علاوہ ضرورتمندوں اور مدد کے طلب گاروں کے لیے ہر صاحب دولت کے اموال میں حق رکھا گیا ہے: وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (۱) اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کے لیے حق ہے والذین فی اموالھم حق للسائل والمحروم (۲) اور وہ لوگ جن کے مالوں میں سوال کرنے والوں اور محروم لوگوں کے لیے ایک مقرر حق ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ حقوق واجبہ ادا کرنے کے بعد بھی دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں گردش نہ کرتی رہے اور وہ ضرورتمندوں کے پاس جذبۂ خیر کے تحت پہنچا دی جائے تا کہ معاشی عدم توازن ختم ہو جائے حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں مال کو جمع کر کے اور غرباء کو محروم کر کے خیر اور نیکی کا تصور عملی شکل اختیار کر ہی نہیں سکتا۔ خیر اور نیکی وجود و ظہور پاتی ہی اس شکل میں ہیں جب کہ ہر صاحب مال و دولت غرباء کی اتنی امداد کرے کہ وہ فقیر کی ذلت سے رہائی پا جائے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: ولکن البر من آمن باللہ والیوم

---

(۱) القرآن ۲۶ الذاریات آیت ۱۹ (۲) القرآن ۲۹ المعارج آیت ۲۴۔

الآخر والملائکۃ والکتاب والنبیین ج واتی المال علی حبہ ذوی القربٰی والیتامٰی والمساکین وابن السبیل لا والسائلین وفی الرقاب ج واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ ج والموفون بعھدھم اذا عاھدوا ج والصابرین فی الباسآء والضرآء وحین الباس ط اولئک الذین صدقوا ط واولئک ھم المتقون (۱) لیکن نیکی تو اس کی ہے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن اور تمام فرشتوں اور کتاب اور سب نبیوں پر ایمان لایا اور خدا کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں اور لونڈی غلاموں کی گردنیں آزاد کرانے میں دیا اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور وہ جو اپنے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنے والے ہیں اور تنگی اور مصیبت اور جنگ کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے عملاً سچ کر دکھایا اور یہی وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں" اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ قرآن مجید کی اس آیت میں نیکی کے حصول کو اپنے مال و دولت کے خرچ سے وابستہ کیا گیا ہے: لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون ط وما تنفقوا من شیئ فان اللہ بہ علیم (۲) تم ہرگز نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک کہ تم ان چیزوں میں سے راہ خدا میں خرچ نہیں کرو گے جن سے تم پیار کرتے ہو اور جو کچھ تم راہ خدا میں خرچ کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ یعنی کوئی شخص کتنی ہی نمازیں پڑھے، روزے رکھے، حج کرے، جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے لیکن وہ نیکی اور بھلائی کو مس بھی نہیں کر سکتا جب تک کہ اپنا مال خدا کی خوشنودی کے لیے ضرورتمندوں

---

(۱) پ البقرہ آیت ۱۷۷ (۲) پ آل عمران ۳ آیت ۹۲

کو نہ دے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس ارشاد الٰہی کے ہوتے ہوئے کون خدا اور آخرت پر یقین رکھنے والا۔ معاشرے کے فلاکت زدہ طبقوں کو مشکلات اور مصائب میں گرفتار دیکھ سکتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ صاحبان دولت کے پاس جو کچھ مال ہے وہ خدا کا ہے اور غریب بندے بھی خدا ہی کے ہیں لہٰذا یہ مال غربا کو پہنچنا ہی چاہیئے

کیا خرچ کیا جائے ...؟

اسلام کا معاشی نظام، ارتکاز دولت کی نفی کرتا ہے اسی لیے سرمائے کی تقسیم در تقسیم کا عملی سلسلہ قائم کر دیا گیا ہے۔ بخل کی ممانعت، فیاضی کی مدح، ضرورتمندوں کو دینے کی تعریف، میراث میں تمام ورثاء کے لیے ایک خاص حصے کا تعین، حج، زکوٰۃ، خمس اور جہاد میں حصہ لینے کی تشویش۔ تقسیم سرمایہ کی مختلف شکلیں ہیں اور اسی لیے یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ اپنی شخصی اور خاندانی ضرورتوں سے جو کچھ بھی فاضل اور زیادہ ہو وہ راہ خدا میں خرچ کر دیا جائے: ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو کذلک یبین اللہ لکم الآیات لعلکم تتفکرون۔[۱]

اور یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ راہ خدا میں کیا خرچ کریں؟ اے رسولؐ ان سے کہہ دیجیے کہ جو کچھ تمہاری ضرورت سے فاضل (فالتو) ہو خرچ کر دو۔ اسی طرح اللہ نے احکام تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔"

کہاں خرچ کیا جائے ....؟

یہ بھی ایک بڑا اہم مسئلہ ہے کہ اخراجات کی مدیں کیا ہوں؟ اس تعلق میں وحی الٰہی کی رہنمائی بڑی ضروری تھی وا اِلّا آدمی زادہ بڑا چالاک ہے وہ اپنے ذاتی عیش و تنعم کے لیے خرچ کے ایسے ایسے مرحلے تجویز کر لیتا ہے کہ کسی

۱۔ القرآن پ۲ البقرہ آیۃ ۲۱۹

ضرورت مند کی حاجت برآری بھی نہ ہوتی اور ضرورت سے فاضل سرمایہ خرچ بھی ہو جاتا۔ . . . اس لیے قرآن کریم میں کیا خرچ کرنے کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ کہاں کہاں خرچ کیا جائے : یسئلونک ماذا ینفقون ۵ قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل ۵ وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم ۱ یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ خدا کی راہ میں کیا خرچ کریں، اے رسول ان سے کہہ دیجیے کہ تم جو کچھ بھی خرچ کرو وہ والدین کے لیے، قریبی رشتہ داروں کے لیے، یتیموں کے لیے، محتاجوں کے لیے اور مسافروں کے لیے خرچ کرو اور جو نیکی بھی تم کرو گے یقیناً اس کا علم اللہ کو ہے۔

ضرورتمندوں کی مالی مدد ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح ہونی چاہیئے!

قرآن کریم نے لوگوں کے ساتھ بھلائی کو ظاہر اور پوشیدہ دونوں طریقوں پر پسندیدہ قرار دیا ہے؛ فرمایا گیا ہے : ان تبدوا الصدقات فنعما ھی ج وان تخفوھا وتوتوھا الفقراء فھو خیر لکم ویکفر عنکم من سیاتکم واللہ بما تعملون خبیر (۲) اگر تم لوگ کسی کی مالی مدد کھلم کھلا کرو تب بھی اچھا ہے اور اگر پوشیدہ طریقہ پر ضرورت مندوں کو دے دو تو یہ طریق کار بھی تمھارے لیے بہتر ہے۔ دونوں صورتوں میں تمھارے کچھ گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے آگاہ ہے۔

کسی کی مالی مدد کر کے احسان نہیں جتانا چاہیئے!

اسلام چاہتا ہے کہ معاشرے میں کوئی فرد ذلیل نہ ہو اس لیے سرمایہ داروں

(۱) القرآن ۲: البقرہ آیت ۲۱۵ (۲) القرآن ۲: البقرہ ۲۷۱

کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ کسی کی مدد کر کے احسان نہ جتائیں ، حقیقت تو یہ ہے
کہ اگر کسی کے پاس کچھ ہے تو وہ اللہ کی دین اور امانت ہے۔ اس صورت
میں اگر وہ کسی کو کچھ دیتا ہے تو خدا کی امانت منتقل کرتا ہے اس کو احسان جتانے
کا کیا حق ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ پھر احسان جتانے سے خیر سگالی کے نتیجے میں جو محبت
پیدا ہوتی وہ نفرت میں تبدیل ہو جائے گی اور معاشرہ تعاون سے محروم ہو جائے گا
جبکہ تہذیب و تمدن کے ارتقار کے لیے تعاون ضروری ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا
گیا ہے : یا ایھا الذین آمنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ
کالذی ینفق مالہ رئاء الناس ولا یؤمن باللہ والیوم
الآخر فمثلہ کمثل صفوان علیہ تراب فاصابہ وابل
فترکہ صلدا لا یقدرون علی شیء مما کسبوا
واللہ لا یھدی القوم الکافرین ○ ومثل الذین ینفقون
اموالھم ابتغاء مرضات اللہ وتثبیتا من انفسھم کمثل
جنۃ بربوۃ اصابھا وابل فآتت اکلھا ضعفین فان
لم یصبھا وابل فطل واللہ بما تعملون بصیر (۱)
اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر
باطل نہ کر دو ، اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھلاوے کے لیے خرچ
کرتا ہے اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا ، پس اس کی مثال
اس چٹان جیسی ہے جس پر مٹی ہو ۔ پھر اس پر زور کا مینہ برسا اور اسے
صاف کر کے چھوڑ گیا ، جو کچھ انہوں نے کمایا ہے ۔ اس میں سے کچھ بھی نہ
پائیں گے اور اللہ کافروں کو منزل مقصود پر نہیں پہنچایا کرتا ہے اور ان لوگوں

---

(۱) البقرہ (۱) القرآن پ ۳ البقرہ آیت ۲۶۴-۲۶۵

کی مثال جو اپنے مال کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کی غرض سے اور اپنی ذات کو ثابت قدم رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ ایسی ہے جیسے ایک باغ بلند جگہ پر ہو اس پر زور کا مینہ برسا پھر وہ اپنا دوگنا لایا۔ پھر اگر اس پر زور کا مینہ نہ برسے تو ہلکی پھوار ہی سہی اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے۔"

دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے۔ الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذیً لا لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ہ قول معروف ومغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعھا اذیً ہ واللہ غنی حلیم (۱)

"جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر جو کچھ انہوں نے خرچ کر دیا اس کے پیچھے نہ تو احسان جتاتے ہیں اور نہ ہی دکھ پہنچاتے ہیں ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر ہے اور نہ ہی ان کو خوف ہوگا اور نہ ہی رنجیدہ ہوں گے (یاد رہے کہ) اچھی بات کہنا اور درگذر کرنا اس صدقہ سے بہتر غرباء کو کھانا کھلانا اور عام استعمال کی گھریلو اشیاء سے ایک دوسرے کی مدد کرنا دینی فریضہ ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ ارء یت الذی یکذب بالدین ہ فذلک الذی یدع الیتیم لا ولا یحض علی طعام المسکین ہ فویل للمصلین لا الذین ھم عن صلاتھم ساھون لا الذین ھم یراءون لا ویمنعون الماعون ہ (۲)

اے رسول! کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ پس یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں

(۱) القرآن پ ۳ البقرۃ آیت ۲۶۳،۲۶۲ (۲) القرآن پ ۳۰ الماعون:

دیتا، لہٰذا ان نمازیوں کے لیے خرابی ہے جو اپنی نماز سے غفلت کرنے والے ہیں۔ جو نماز کا دکھلاوا کرتے ہیں اور روزمرہ استعمال کی چیزوں سے منع کرتے ہیں۔ بھوکوں کو کھانا کھلانا اسلامی نقطہ نظر سے ایک عظیم کار ثواب ہے اسی لیے ضرورت مندوں کو کھانا کھلانے والوں کی قرآن کریم میں بڑی تعریف کی گئی ہے۔

ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما و اسیرا o انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاء و لا شکورا o انا نخاف من ربنا یوما عبوسا قمطریرا o فوقٰهم الله شر ذلك الیوم ولقٰهم نضرة و سرورا o (۱) وجزٰهم بما صبروا جنة و حریرا o متکئین فیها علی الارآئك لا یرون فیها شمسا و لا زمهریرا o (۱)

اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ماسوا اس کے نہیں کہ ہم تمہیں صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے ہی کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔ یقیناً ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جس میں لوگ ترش رو اور بگڑے چہرے والے ہو جائیں گے۔ پس اللہ انہیں اس دن کی سختی سے بچائے گا اور انہیں تروتازگی اور سرور عطا کرے گا۔ اور یہ بسبب اس کے کہ انہوں نے صبر کیا انہیں جنت اور ریشم کا لباس بدلہ میں دے گا۔ وہ ان میں تختوں پر تکیے لگائے ہوں گے، وہ اس میں نہ تو دھوپ دیکھیں گے اور نہ سخت سردی

ضرورتمندوں کو قرض دینا اسلامی فریضہ ہے

اسلامی نظام معاش میں جہاں عطیے اور بخشش کو اہمیت دی گئی ہے۔ وہاں

(۱) القرآن پ۳ البقرۃ آیت ۲۶۲، ۲۶۳

قرض کی بھی ہمت افزائی کی گئی ہے۔ عطیہ اور بخشش ان لوگوں کے لیے جو طبعی طور پر یا کسی خصوصی وجہ سے اکتساب کی صلاحیتوں سے محروم ہیں اور قرض ان کے لیے جو صلاحیت کسب و اکتساب رکھتے ہوں۔

قرض جہاں محبت کا سبب ہوتا ہے وہاں اس سے ایک تباہ حال خاندان ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو جاتا ہے اور سرمائے کی غیر موجودگی کی وجہ سے جو صلاحیتیں سو جاتی ہیں۔ بیدار ہو کر معاشرے کی عظمت کا سبب بنتی ہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے: من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضاعفہ لہ اضعافاً کثیرۃ واللہ یقبض ویبصط والیہ ترجعون (۱) کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے کہ خدا اس کو اس کے لیے بہت زیادہ بڑھا دے اور اللہ تنگدست کرتا ہے اور فراخی دیتا ہے اور اسی کی طرف تمہاری بازگشت ہے۔ ظاہر ہے کہ خداوند عالم نے دولت مندوں کی ہمت افزائی اور غربا کی دلداری کے لیے اپنی ذات والاصفات کو قرض گیرندہ کی منزل میں رکھا ہے۔ گویا جس کا مال ہے اسی کو دیا جا رہا ہے۔ شاید غالب نے اسی مقام سے اپنا یہ مشہور شعر اخذ کیا ہے:

بدل کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

سورۂ مزمل کی اس آیت میں تو قرض دینے کا حکم بھی دیا گیا ہے:

واقیموا الصلاۃ واٰتوا الزکوٰۃ واقرضوا اللہ قرضاً حسناً وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ھو خیراً واعظم (۲) "اور نماز قائم کیا کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہو اور نیکی بھلائی میں سے جو کچھ تم اپنی جانوں کے لیے آگے بھیجو گے

۱۔ القرآن ۲: البقرۃ آیت ۲۴۵ ۲۔ القرآن ۷۳: ۲۰

تو اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے اور وہ بہتر اور اجر کے لحاظ سے بہت عظمت والا ہوگا۔"

ایثار:

اسلامی تلقینات میں اپنی ذاتی ضروریات کو نظر انداز کر کے دوسروں کی ضرورت کی تکمیل شرفِ آدمیت ہے: ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ط ق (۱) اور اگرچہ اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو) دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس قوم میں جذبۂ ایثار زندہ ہوگا اس قوم کا کوئی فرد فلاکت کی اس منزل میں کبھی نہیں آ سکتا کہ جس میں اسے اپنی عزت کا سودا کرنا پڑے۔ مسلمان قومی اور شخصی اعتبار سے جہاں اور جس مرحلہ میں بھی ذلت اور رسوائی کا شکار بنا ہے وہاں اسلامی ضوابط کا عملی انکار بنیادی سبب ہے

اسلامی نظامِ معاشی کا ایک اہم ضابطہ

دنیا میں بہت سی تباہیاں اور بربادیاں بعض لوگوں کی حماقت اور کم عقلی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ شخص۔ خاندان اور قوم کے معاشیات بھی اگر احمقوں کے حوالے ہو جائیں تو معاشی تباہی میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا اس لیے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے: ولا تؤتوا السفھاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاماً وارزقوھم فیھا واکسوھم وقولوا لھم قولاً معروفاہ (۲) اور بیوقوفوں کو اپنے مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے زندگی کے قیام کا سبب قرار دیا ہے نہ دو اور اس میں سے انہیں کھلاؤ اور انہیں پہناؤ اور ان سے اچھی اچھی باتیں کرو۔

یہ عام مشاہدہ ہے کہ جب کسی کاروبار میں سفہاء دخیل ہو جاتے ہیں

۱۔ القرآن ۵۹ الحشر: ۹ ۲۔ القرآن پارہ ۴ النساء آیۃ ۵

تو وہ تباہ ہو جاتا ہے اور جب کوئی احمق کسی ملک کا وزیر اعظم یا وزیر خزانہ بن جائے تو وہ اس ملک کے معاشیات کو تباہ کر دیتا ہے۔ اسی لیے اسلام یہ چاہتا کہ احمقوں کو اموال پر تصرف نہ دیا جائے تاہم چونکہ وہ معاشرہ کا جزو ہیں اس لیے ان کو فلاکت اور ناداری کے گڑھے میں نہ دھیلا جائے۔ بلکہ ان کے کھانے، پہننے اور دیگر ضروریات زندگی کا فراخدلانہ اہتمام کیا جائے اور محافل و مجالس میں نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ ان کی دلداری کی جائے۔

ہم نے اسلام کے معاشی نظام کی تفصیلات سے بحث کی نہیں ہے بلکہ اجمالاً اس کو پیش کیا ہے اسی لیے صرف قرآن کریم کی آیتوں سے استشہاد کیا ہے۔ اگر احادیث سے بھی ہم تمسک کرتے تو مضمون بہت طویل ہو جاتا۔ تاہم اسلامی نظام معاش کے اس مختصر تعارف سے ہر با عقل و شعور آدمی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اگر اسلامی ضوابطِ معاش پر عمل کر لیا جائے تو کوئی انسان ناداری اور فلاکت و عسرت کا شکار نہیں بن سکتا لہٰذا کسی کو اپنی عفت اور اپنے خاندان کی عظمت کو مال بازار بنانے کی ضرورت پیش نہیں آسکتی۔ اسلام نے معاشی عدم توازن کو ختم کر کے جنسی کجروی کا ایک بہت بڑا سبب موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

۱۵:- غیر مؤثر اور غیر متوازن امتناعی قوانین کی تشکیل

قیام پاکستان کے بعد "تعزیرات پاکستان" کے نام سے جو مجموعۂ قوانین شائع کیا گیا وہ صرف انگریزی تصور جرم و سزا کی نقالی سے زیادہ کچھ نہیں..!!
ان قوانین میں زنا بالجبر کو قابل سزا نہیں قرار دیا گیا ہے صرف زنا بالجبر اور ۱۴ برس سے کم عمر کی لڑکی سے زنا کو قابل تعزیر سمجھا گیا ہے۔ اسلام ہر طرح کے جنسی جرم کی بیخ کنی کر دینا چاہتا ہے اس لیے اسلام کے تجویز کردہ قانون سزا کو بلا کم و کاست نافذ کر دیا جائے تو ارتکاب جرم کی واقعی حوصلہ شکنی ہو گی اور بڑی تیزی سے پاکستانی معاشرہ جنسی کجروی کی لعنت سے محفوظ ہو جائے گا۔

اسلام کے تمام فرقے جنسی کجروی کی سزا میں ہم آہنگ اور یک آواز ہیں ہم بھی محل مناسب پر ان قوانین کی تفاصیل سے بحث کریں گے۔ جنسی جرائم کے تعلق میں غیر اسلامی قوانین نے ہر ملک اور ہر قوم میں جنسی جرائم کی تعداد میں ہولناک اضافہ کیا ہے۔ لیکن جن ممالک میں اسلامی سزائیں نافذ ہیں وہاں شاذ و نادر ہی یہ جرم وقوع پذیر ہوتا ہے اس لیے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اسلامی تعزیری قوانین جنسی کجروی کو روکنے میں غیر معمولی تاثیر رکھتے ہیں اور فطرت کے عین مطابق ہے۔ ان کے سرشر دمفید ہونے کے لیے مشاہدہ کافی و وافی دلیل ہے۔

۱۶۔ امتناعی قوانین نافذ کرنے والے اداروں کی کور چشمی، خود غرضی اور بے صبری :-

ضوابط اور قوانین کتنے ہی مفید اور موثر کیوں نہ ہوں، بے معنی اور ایک حد تک زینت کتب ہی رہتے ہیں۔ اگر ان پر موثر طور پر عمل نہ کیا جائے دیگر اقوام و ملل کے پاس جنسی کجروی کو روکنے کے لیے معتدل اور موثر قوانین موجود ہی نہیں ہیں جبکہ یہ ایک حقیقت ہے اور اس میں کسی قسم کی بحث نہیں کی جا سکتی کہ اسلام نے جنسی کجروی کو کلیتہً مٹا دینے کے لیے بے مثل قوانین وضع کیے ہیں لیکن ایک دو ملکوں کے علاوہ ان پر کہیں عمل نہیں کیا جاتا۔ ماضی میں بھی مسلمان بادشاہوں اور حکام کی رنگ رلیوں اور عیاشیوں کے پیش نظر اسلامی تعزیری قوانین کو نافذ نہیں کیا گیا۔ اس وقت کچھ مسلمان اپنے ملکوں میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، خصوصاً پاکستان جس کی تشکیل ہی نفاذ اسلام کے لیے ہوئی ہے۔ جنرل محمد ضیاء الحق اور ان کے ساتھیوں کی سعی مشکور کے نتیجے میں نفاذ قوانین اسلام میں پیش رفت کر رہا ہے خدا کرے کہ یہ نفاذ دیگر قوموں کے قوانین کی طرح کتب قانون کی زینت بن کر نہ رہ جائے بلکہ واقعی اور حقیقی طور پر عملاً نافذ کیا جائے۔

قوانین کے نافذ کرنے عام طور سے حکومت کے دو اداروں سے متعلق ہوتے ہیں۔ مرحلہ اول میں انتظامیہ سے اور دوسرے مرحلے میں عدلیہ سے۔ اگر انتظامیہ کے عمال دیانتدار اور فرض شناس ہوں تو ہر مجرم بلا رورعایت کیفر کردار تک پہنچنے کے لیے عدلیہ کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے اور عدلیہ اپنے وقار اور فرض کی محافظ ہو تو مجرم ضروری تعزیر سے نہیں بچ سکتا۔ اور اس طرح حوصلہ جرم اور

اعادۂ جرم کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ قانون نافذ کرنے والے عام طور پر دو میں سے ایک یعنی سفارش یا رشوت کی انسانیت کش بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ سفارشیں ہمیشہ معاشرے کے سر برآوردہ اور با اثر افراد کی طرف سے کی جاتی ہیں۔ یہ لوگ اپنے لگے بندھوں کو قانون کی گرفت سے بچانے کے لیے اپنا اثر و نفوذ استعمال کر کے قانون کو غیر موثر بنا دیتے ہیں اور ارتکاب جرم و اعادۂ جرم کا حوصلہ پرورش پاتا ہے اور برگ و بار لاتا رہتا ہے اور معاشرہ جرم و گناہ میں مبتلا رہتا ہے۔ ان سفارش کرنے والوں کو چند مجرموں کی طرف سے مدح و ثنا کی خواہش میں مواخذہ عقبیٰ سے آنکھیں بند نہیں کرنا چاہئیں۔ کسی مجرم کو تحفظ دے دینا۔ بچا لینا بجائے خود ارتکاب جرم کے حکم میں ہے۔ اگر سفارش کنندہ دنیا میں اپنے جرم کی کوئی سزا بھی نہ بھگتے تو آخرت میں اس کے بچنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ عدالت الٰہیہ میں اثر و رسوخ، دولت و ثروت اور معاشرتی مرتبہ کوئی قیمت نہیں رکھتے۔۔۔!!

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ معاون جرم بھی مجرم ہی ہے، خواہ یہ تعاون سفارش کی حیثیت میں کیا گیا ہو، ارتکاب جرم کا حکم دیا گیا ہو۔ مشورہ دیا گیا ہو یا رہنمائی کی گئی ہو! فی کتاب الخصال عن ابی عبد اللہ عن آبائہ عن علی علیہم السلام قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: من امر بمعروف او نہی عن منکر او دل علی خیر او اشار بہ فھو شریک، ومن امر بسوء او دل علیہ او اشار بہ فھو شریک (۱) کتاب خصال میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباء کرام علیہم السلام کے واسطے سے حضرت علی علیہ السلام کی روایت کردہ حدیث رسول، بیان فرمائی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ؛ جو شخص کسی نیکی کا حکم دے یا

(۱) تفسیر نور الثقلین ج ۱ ص ۵۲۳

برائی سے روکے یا کسی بھلائی کی طرف رہنمائی کرے یا اشارہ کرے وہ شخص شریک عمل ہے۔ یعنی اس کو وہی ثواب ملے گا جو عامل کا حصّہ ہے اسی طرح جو شخص کسی برائی کا حکم دے یا فعل قبیح کی طرف راہنمائی کرے یا اشارہ کرے وہ مرتکب فعل کا شریک ہے یعنی وہ ہر اس سزا کا مستحق ہے جو مرتکب جرم کا استحقاق ہے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مبارک قرآن کریم کی زیرِ نظر آیت کی شرح اور تفصیل ہے: من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منھا ومن یشفع شفاعۃ سیئۃ یکن لہ کفل منھا وکان اللہ علیٰ کلّ شئی مقیتا (۱)۔ "جو شخص اچھی شفاعت کرے گا اس میں سے اس کو بھی حصّہ ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرے گا اس میں وہ بھی حصہ دار ہوگا۔ اور خداوندِ عالم ہر چیز پر نگہبان ہے۔

اگر صاحبانِ اثر و نفوذ حقدار کا حق دلوانے یا مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے میں اپنا اثر و نفوذ استعمال کریں تو یہ اقدام شفاعت حسنہ میں شمار ہوگا۔ اور اگر کسی کو حق سے محروم کروانے یا مجرم کو بچانے کے لیے اثرات استعمال کیے جائیں تو یہ شفاعت سیئہ یا بری سفارش ہوگی اور مجرم کے ساتھ سفارش کنندہ بھی مواخذۂ آخرت سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

رشوت بڑی پرانی اور ہولناک بیماری ہے۔ ماضی اور حال کے کم و بیش تمام معاشرے اس مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ صرف چند باتقویٰ افراد اس بیماری سے محفوظ رہے ہیں اور آج بھی وہی لوگ محفوظ رہتے ہیں جن کی سیرت خدا خوفی ہے۔ رشوت کی روک تھام کے لیے دن رات قوانین بنائے جاتے ہیں اور نئے نئے محکمے قائم کیے جاتے ہیں لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ رشوت کا طوفان تھمنے میں نہیں آتا اس لیے کہ معاشرہ خدا خوفی سے عاری ہے اور اخلاقی لحاظ سے

۱۔ القرآن سورۃ النساء، آیت ۸۵

دیوالیہ۔ اگر متعلقہ افراد میں مواخذہ عقبیٰ کا احساس بیدار کر دیا جائے اور اخلاقی تربیت کا بھرپور اہتمام کیا جائے تو رشوت کے خاتمے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ رشوت کے رواج پانے اور ختم نہ ہونے میں انگریزوں کے بنائے ہوئے قوانین کا اتباع ایک بہت بڑا سبب ہے۔ انگریزوں سے جو قانون ہمیں ورثہ میں ملا ہے اس میں صرف رشوت گیرندہ کو موجب سزا قرار دیا گیا ہے۔ رشوت دہندہ کے لیے کوئی تعزیر موجود نہیں ہے۔ . . . !! جب رشوت دینے والا تحفے تحائف یا نقدی کی شکل میں متعلقہ فرد کے پاس پہونچتا ہے تو فطری طور پر اس کا جذبہ حرص و آز بیدار ہو جاتا ہے اور وہ رشوت ستانی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ رشوت پیش کرنے والا بغیر کسی تردد اور خوف کے رشوت پیش کرتا ہے اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کے اقدام کے لیے کوئی تعزیر نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رشوت کا بازار رشوت دہندوں کی بے خوفی کی وجہ سے گرم ہے۔ رشوت لینے والا عام طور سے رشوت دینے والوں کو تلاش نہیں کرتا بلکہ رشوت دینے والے رشوت پیش کرنے کے وسائل مہیا کر کے رشوت پیش کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مفت میں ہاتھ آتا ہوا مال کون چھوڑے . . . . !! صرف مواخذہ عقبیٰ کا احساس مانع قوی ہو سکتا ہے اور وہ موجود ہی نہیں ہے اس لیے کہ جن تدریسی اور تعلیمی اداروں میں ان کو مرتب کیا گیا ہے وہ اس قسم کے احساسات سے عاری اور خالی ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر واقعی رشوت کو ختم کرنا اور مٹانا مقصود ہے تو ہمیں ایسا قانون بنانا پڑے گا جس کے تحت رشوت دہندہ بھی مستوجب سزا ہو اور جب سزا کے خوف سے کوئی رشوت پیش کرے گا ہی نہیں تو رشوت لینے والا کس سے اور کہاں سے لے گا . . . !! اور اس طرح رشوت کا خاتمہ آسان ہو جائے گا۔

ملّتِ مسلمہ کے نزدیک بالاتفاق رشوت حرام ہے۔ عالمِ اسلام میں ایک متفق

بھی ایسا موجود نہیں ہے جو رشوت کی اباحت کا قائل ہو۔ قرآن کریم نے رشوت کو واضح طور پر حرام قرار دیا ہے۔ ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون (۱) اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ مال کو رشوت کے طور پر حکام کو دو تاکہ لوگوں کے مال میں سے جو کچھ ہاتھ لگے مجرمانہ کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔" یہ آیت با اجماع امت مسلمہ، رشوت کی حرمت پر دلیل ناطق ہے۔ ظاہر ہے کہ رشوت میں طرفین کا ہونا لازمی ہے۔ راشی اور مرتشی یعنی رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا قرآن کریم کے حکم کی روشنی میں یہ دونوں ہی مجرم ہیں اس لیے صرف مرتشی کو لائق سزا قرار دینا اور راشی کو نا قابل سزا سمجھنا حکم قرآن سے بغاوت ہے۔ اور جب تک یہ احمقانہ قانون زندہ رہے گا رشوت ختم ہونے کے بجائے پھلتی پھولتی رہے گی خواہ ہم رشوت روکنے کے لیے "اینٹی کرپشن" قانون کے ہزاروں محکمے کیوں نہ قائم کر دیں۔ رشوت دھندا کو مستوجب سزا قرار دینے کے سادہ سے ضابطے کو نافذ کرنے کی بجائے انسداد رشوت ستانی کے لیے محکمہ پر محکمہ قائم کرنا اور ملک و قوم کے خزانے پر لایعنی بوجھ ڈالنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ اسلامی ضوابط و قوانین میں راشی "رشوت دھندا" اور مرتشی "رشوت گیرندہ" حتیٰ کہ جو رشوت دینے اور دلانے کی کوشش کرے اس کو بھی قابل تعزیر قرار دیا گیا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ الراشی والمرتشی والماشی بینھما فی النار (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رشوت دھندا رشوت گیرندہ اور ان دونوں میں وسیلہ بننے والا سب کے سب جہنمی ہیں۔

(۱) القرآن پ۲ البقرۃ آیۃ ۱۸۸ (۲) آنچہ باید از اسلام دانست ص ۱۳۸

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے: الراشی والمرتشی والماشی بینهما ملعونون وقال: لعن اللہ الراشی والمرتشی والماشی بینهما وقال ایاکم والرشوۃ فانہا محض الکفر ولا یشم صاحب الرشوۃ ریح الجنۃ (۱) رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا اور ان کے درمیان وسیلہ بننے والا سب ملعون ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ خداوند عالم نے رشوت دھندہ رشوت گیرندہ اور ان دونوں میں وسیلہ بننے والوں پر لعنت کی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ خبردار رشوت سے، کیونکہ یہ خالص کفر ہے اور رشوت والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکتا۔

ان مبارک احادیث سے یہ حقیقت آفتاب نیم روز کی طرح واضح ہے کہ اسلام رشوت دہندہ اور رشوت گیرندہ دونوں کو قابل تعزیر اور موجب سزا قرار دیتا ہے۔

جہاں تک رشوت لے کر کسی فیصلے کو بدلنے کا تعلق ہے خواہ اس کا ارتکاب انتظامیہ کی طرف سے ہو یا عدلیہ کی طرف سے کفر ہے اور ایسے لوگوں کی نماز روزے اور دیگر اعمالِ خیر کی کوئی حیثیت نہیں ہے یقیناً ایسے افراد کی اولاد بھی خیر کی طرف مائل نہیں ہو سکتی۔

عن سماعۃ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال: الرشا فی الحکم ھو الکفر باللہ (۲) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: "فیصلہ میں رشوت " اللہ کا انکار ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے چند حرام اور ناجائز کمائیوں اور آمدنیوں کی نشاندہی کرنے کے بعد فرمایا: واما الرشا فی الحکم فان ذلک الکفر باللہ العظیم وبرسولہ (۳) اور رہی فیصلہ میں رشوت

(۱) جامع الاخبار صفحہ ۱۸۳ (۲) وسائل شیعہ ج ۱۸ صفحہ ۱۶۳ کتاب الوافی ج ۳ صفحہ ۱۳۵
(۳) مجمع البیان ج ۳ صفحہ ۱۹۶، فروع کافی ج ۷ صفحہ ۴۰۹

تو بے شک یہ اللہ اور رسول دونوں کا انکار ہے۔

سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئی فرماتے ہیں : تحرم الرشوۃ علی القضاء ولا فرق بین الآخذ والباذل (۱) "فیصلہ پر رشوت حرام ہے اور لینے دینے والے میں کوئی فرق نہیں ہے" یعنی راشی اور مرتشی دونوں مجرم ہیں اس لیے ضروری ہے کہ اسلامی ہدایات کی روشنی میں راشی اور مرتشی دونوں کو مستوجب سزا قرار دیا جائے تو انشاء اللہ ارتکاب جرم کے امکانات معدوم ہو جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ جنسی جرائم میں مجرموں کو سفارش اور رشوت ہی کے سہارے تحفظ مل جاتا ہے۔ اسلام نے سفارش اور رشوت کو جرم وگناہ اور مستوجب سزا قرار دے کر جنسی جرائم کے ارتکاب کا قرار واقعی سدباب کر دیا ہے۔ اگر انتظامیہ اور عدلیہ کے ذمہ دار افراد، دیانتدار اور فرض شناس ہوں اور مواخذۂ عقبیٰ کا احساس رکھتے ہوں تو اعادۂ جرم اور حوصلۂ جرم تقریباً ناممکن ہو جائیں گے۔

۱۔ مبانی تکملۃ المنہاج، ج اول ص ۵۰۶

جنسی کج روی کے اسباب

متعہ:

جنسی کجروی سے باز رکھنے کا بہترین ذریعہ

یہ ایک مشاہداتی حقیقت ہے کہ جنسی جذبہ اور احساس اتنا تند و تیز ہوتا ہے کہ اس کی طوفانی لہروں کی زد میں آکر بڑے بلند مرتبہ، معتبر اور ثقہ لوگ بھی نفسیاتی شکست و ریخت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے انسانی زندگی کے اس پہلو کی واضح عکاسی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے انّ النفس لامّارۃ بالسوء الا ما رحم ربیّ انّ ربی غفور رحیم (۱) "بے شک نفس ارتکاب شر کے لیے حکم دیتا رہتا ہے، اس کی دار و گیر سے صرف وہ لوگ محفوظ رہتے ہیں جن پر میرا خدا رحم کرے، یقیناً میرا خدا بڑا بخشنے والا بہت مہربان ہے" یعنی نفس کی شر پسندی سے صرف وہ لوگ محفوظ رہتے ہیں جو خداوند عالم کے اقتدار اعلیٰ اور مواخذہ عقبیٰ کا مستحکم اور غیر متزلزل یقین رکھتے ہوں۔

○ جنسی کجروی کی طرف نفس انسانی کے میلان کی قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ بڑے ہی موثر انداز میں وضاحت کی گئی ہے: ولقد همّت به وهمّ بها لولا ان رأی برهان ربه کذلک لنصرف عنه السوٓء والفحشآء انه من عبادنا المخلصین (۲) "اور بے شک زلیخا نے جناب یوسفؑ کا ارادہ کر ہی لیا تھا اور حضرت یوسف بھی زلیخا کا ارادہ کر لیتے اگر اپنے پروردگار کی واضح دلیل نہ دیکھ لیتے۔ یہ اس لیے تاکہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو دور رکھیں۔ یقیناً وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے۔" جناب زلیخا اور حضرت یوسفؑ کی واردات کے بیان کے ذیل میں

۱۔ القرآن پ ۱۳ یوسف آیۃ ۵۳ (۲) القرآن پ ۱۲ یوسف آیۃ ۲۴

صنف نازک اور صنف قوی کے احساسات کی ترجمانی اور عکاسی کی گئی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر عورت کے دل و دماغ میں مرد کی طرف جھکاؤ کے احساسات پائے جاتے ہیں اور یہی حال مرد کا ہے تاہم جو لوگ کسی معاشرہ کے ضوابط اور دینی قوانین کے پابند ہیں وہ بدی اور برائی میں مبتلا نہیں ہوتے وہ قید و بند اور فقر و فاقہ کی مصیبتوں کا استقبال کرتے ہیں مگر فواحش کے قریب نہیں جاتے

مسلم معاشرے میں اصحاب کرام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک خصوصی مقام و مرتبہ کے مالک ہیں معصوم مطلق رسول اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قربت اور اس کی عظمت کی کرسی بخشی ہے "تاہم جنس کے "جن کی" دستبرد سے ان میں سے بلند پایہ حضرات تک محفوظ نہیں رہتے تھے۔ جب ماہ رمضان کے روزے واجب کیے گئے تو نماز عشاء کے یا سو جانے کے بعد یا کچھ دیر سو کر اٹھنے کے بعد کھانا پینا اور جنسی التذاذ ممنوع تھے لیکن بعض بزرگ صحابہ مطالبہ نفس کے آگے جھک جاتے تھے اور اپنی بیویوں سے جنسی تسکین حاصل کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے ان تفصیلات کی عکاسی ان لفظوں میں فرمائی ہے: احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم ھن لباس لکم وانتم لباس لھن علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم فالآن باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر (۱) "تمہارے لیے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے۔ اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے مگر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگزر

(۱) القرآن پ البقرہ آیت ۱۸۷۔

فرمایا۔ اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمہارے لیے جائز کیا اسے حاصل کرو۔ نیز راتوں کو کھاؤ پیو۔ یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سفیدۂ صبح کی دھاری نمایاں نظر آجائے" (ترجمہ از مولانا مودودی)۔ اس آیت سے جنسی دیو کی چیرہ دستی اظہر من الشمس ہے صاحب تفسیر کشاف علامہ جار اللہ زمخشری نے مذکورہ آیت کی شان نزول سے متعلق تفصیلات بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: كان الرجل إذا أمسى حل له الأكل والشرب والجماع إلى ان يصلي العشاء الآخرة أو يرقد فاذا صلاها أو رقد ولم يفطر حرم عليه الطعام والشراب والنساء إلى القابلة ثم ان عمر رضي الله عنه واقع اهله بعد صلاة العشاء الاخرة فلما اغتسل أخذ يبكي ويلوم نفسه فاتى النبي صلى الله عليه وسلم وقال يا رسول الله اني اعتذر إلى الله واليك من نفسي هذه الخاطئة واخبره بما فعل فقال عليه الصلوة والسلام ماكنت جديرا بذلك يا عمر فقام رجال فاعترفوا بما كانوا صنعوا بعد العشاء فنزلت (۲) روزوں کے زمانے میں جب افطار کا وقت آجاتا تو لوگوں کے لیے کھانا پینا اور جنسی اتصال جائز ہوجاتا۔ یہاں تک کہ نماز عشاء پڑھ لیتا یا سو جاتا۔ پس اگر کسی شخص نے نماز عشاء پڑھ لی یا سو گیا اور روزہ افطار نہ کیا تو دوسرے دن کے وقت افطار تک اس پر کھانا پینا اور عورتیں حرام ہوجاتیں۔ پھر واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز عشاء کے بعد اپنی بیوی سے ربط پیدا کر لیا اور جب انہوں نے غسل فرمایا تو رونا شروع کر دیا اور اپنے نفس کو ملامت

تفہیم القرآن ج اول صد ۱۴۴ - ۱۴۵ - تفسیر کشاف ج اول صد ۲۵۷ تا ۲۵۸

کرنے لگے۔ اسی کیفیت میں حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کیا کہ اے خدا کے رسول! میں آپ کی خدمت میں اور خداوند عالم کی درگاہ میں اپنے نفس کی اس خطا کی معذرت کرتا ہوں اور جو کچھ کیا تھا اس کی تفصیل بیان کی سارا قصہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اے عمر! تمہارے لیے یہ فعل مناسب نہ تھا اس مرحلے پر اور بھی کئی اصحاب کرام کھڑے ہو گئے اور انہوں نے عشاء کے بعد جو کچھ کیا تھا اس کا اعتراف کیا تو قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔ احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسآئکم الخ۔"

صاحب کشاف کے بیان کی تائید زیر نظر تفاسیر سے بھی ہوتی ہے صاحبان نظر ملاحظہ فرما سکتے ہیں: روح المعانی جلد اول ص۵۵، ۵۶ ۔ مصر در منثور ج اول صفحہ ۱۹۷، ۱۹۸ بیروت، تفسیر کبیر رازی ج ۵ ص۱۰۳ تہران، تفسیر خازن ج اول صفحہ ۱۲۱، ۱۲۲ مصر، انوار التنزیل بیضاوی ص۱۰۳ مصر تفسیر القرآن۔ شبیر احمد عثمانی بر حاشیہ ترجمہ محمود الحسن حاشیہ ۲۸۱ ص۳۹ لاہور تفہیم القرآن ج اول ص۱۴۴، ۱۴۵ لاہور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے صرف صحابہ کرام کا نام نہیں لکھا باقی سب باتوں کو تحریر کیا ہے۔

حضرت عمرؓ حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ایک خصوصی نسبت بھی رکھتے ہیں کہ آپ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خسر بھی تھے اور آپ کو حضرت ابو بکرؓ نے مسلمانوں کا دوسرا خلیفہ نامزد کیا تھا۔ آپ کی شخصیت بعض مسلمانوں کے نزدیک بڑی ہی قدآور ہے۔ جنسی جذبے کی طغیانی کیفیتوں کو سمجھنے کے لیے ایسی معتبر ہستی کا کردار عظیم روشنی مہیا کرتا ہے۔

کتاب مناقب سلطانی تصنیف قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، سرتاج مشتاق غوثیہ، فخر خاندان عالیہ قادریہ حضرت سلطان حامد بن حضرت شیخ غلام باہو،

قادری سروری، شائع کردہ ملک چنن دین، خلف ملک فضل الدین منزل نقشبندیہ کوچہ گگے زئیاں، بازار کشمیری لاہور ۱۳۵۸ھ کے صہ ۴۳ پر لکھا ہے کہ: حضرت امیرالمومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ماہ رمضان کا روزہ جماع سے افطار فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے اس حلال سے بڑھ کر کوئی حلال معلوم نہیں ہوتا میں اس سے روزہ افطار کرنا افضل جانتا ہوں اور جہاں کہیں مسئلہ کا موقع آتا ہے میں حتی الامکان اسے بیان کرتا ہوں۔ اگر کوئی اعتراض کرے تو اس کا یہ جواب کافی ہے کہ واللہ لا یستحی من الحق " یعنی اللہ تعالیٰ حق بات کے کہنے سے نہیں شرماتا۔"

الغرض جب جنسی "جن" اور "دیو" کی گرفت اتنی شدید اور قوی ہو تو ضروری ہے کہ جنسی جذبات کی تسکین کے لیے جائز وسائل اور قانونی ذرائع مہیا کر دیئے جائیں۔

اسلام چونکہ کائنات کے خالق کا تشکیل و نافذ کردہ ضابطۂ زندگی ہے اس لیے اسلام میں جنسی جذبات کی تسکین کے لیے دو ذریعے تجویز کئے گئے ہیں: والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذلک ھم العدون (۱) اور وہ مومنین فلاح پا گئے ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں سے یا اپنی کنیزوں سے پس اس میں وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔ پھر جن لوگوں نے اس کے سوا خواہش کی تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔

تزویج کی تشویق کے لیے فرمایا گیا ہے: وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من

۱۔ القرآن پ ۱۸ المومنین آیۃ ۵ تا ۸۔

فضلہ ط واللہ واسع علیم (۱) اور تم نکاح کرو بغیر بیوی والے مردوں اور بغیر شوہر والی عورتوں کا اور قابل نکاح غلاموں اور کنیزوں کا، اگر یہ محتاج ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ تو بڑا وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اگر ایک بیوی تسکین نفس کے لیے کافی نہ ہو

فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنیٰ وثلٰث وربٰع ج فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ط (۲) اور عورتوں میں سے جو تمہیں پسند آئیں تو دو دو تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو، تاہم اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ تم ان کے درمیان عدل نہ کر سکو گے تو منکوحہ ایک ہی ہونا چاہیئے یا وہ عورتیں جو تمھاری ملکیت ہوں یعنی لونڈیاں۔"

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر جنسی کجروی سے باز رہنے کا حکم اور جائز ذرائع اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ مسلم معاشرہ ہر طرح کی بے راہروی سے محفوظ رہے۔ جہاں تک کنیزوں کا تعلق ہے ہمارے زمانے میں یہ جنس ناپید ہے لہذا مسلمانوں کے لیے جنسی تسکین کا قانون اور جائز ذریعہ صرف نکاح ہی ہے اور نکاح کی دو قسمیں ہیں (۱) نکاح دائم (۲) نکاح مؤقت یا نکاح منقطع۔

نکاح مؤقت کو عرف عام میں "متعہ" کہا جاتا ہے۔ نکاح دائم اور منقطع کی تفصیلات پر نظر کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ وہ کونسی عورتیں ہیں جن سے جنسی رابطہ کسی حالت میں جائز اور درست نہیں اور وہ کونسی عورتیں ہیں کہ جن سے ایک وقت خاص تک جنسی رابطہ حرام ہے۔

قرآن کریم کی تصریح اسی تعلق میں اس طرح ہے: ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النسآء الا ما قد سلف ط اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن کے

(۱) القرآن ۲۴ النور آیہ ۳۲ (۲) القرآن ۴ النساء آیہ ۳

ساتھ تمہارے انہ کان فاحشۃ ومقتاہ وساء سبیلا ۰ حرمت علیکم باپ دادا نکاح کر چکے ہوں سوائے اس کے جو پہلے امھاتکم وبناتکم واخواتکم وعمّتکم وخالاتکم وبنات الاخ ہو چکا یقیناوہ بے حیائی اور اللہ کی ناراضگی کی بات بنات الاخت وامھاتکم الّتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ اور برا راستہ تھا۔ تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں وامھات نسآئکم وربائبکم الّتی فی حجورکم من نسآئکم الّتی۔ تمہاری بیٹیاں۔ تمہاری بہنیں تمہاری پھوپھیاں۔ تمہاری دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلاجناح علیکم خالائیں۔ تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں وحلائل ابنآئکم الذین من اصلابکم لاوان تجمعوا بین جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں الاختین الّا ما قد سلف ان اللہ کان غفورا رحیماہ اور تمہاری بیویوں کی مائیں یعنی ساسیں اور تمہاری وہ والمحصنات من النسآء الا ما ملکت ایمانکم ج کتاب اللہ پروردہ لڑکیاں جو تمہاری گودوں میں تمہاری ان بیویوں علیکم ج واحل لکم ما ورآء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین کے بطن سے ہوں جن سے تم جنسی تعلق قائم کر چکے ہو غیر مسافحین (ا) پس اگر تم نے ان عورتوں سے جنسی ربط قائم نہ کیا ہو تو ان لڑکیوں سے نکاح میں کوئی حرج نہیں ہے اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں اور ایک وقت میں دو بہنوں کا جمع کرنا بھی۔ ہاں جو پہلے ہو چکا ہو چکا۔ بے شک اللہ تو بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے اور شادی شدہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں۔ سوائے ان عورتوں کے جو تمہاری ملکیت ہو جائیں۔ مذکورہ عورتوں کا

حرام ہونا خدا نے تمہارے ذمہ لکھ دیا ہے اور ان کے سوا تمہارے لیے باقی عورتیں حلال کی گئی ہیں کہ تم اپنے مالوں سے پاکدامنی کے ساتھ خواستگاری کرو نہ کہ زناکاری کے لیے۔"

قرآن کریم اور سنت رسول کی تفصیل و وضاحت علماء کرام نے چند عنوانوں کے تحت کی ہے: عورت جوہری طور پہ دو طرح حرام ہوتی ہے ۱: نسبت کی وجہ سے ۲: اور سبب کی وجہ سے۔

نسبت کی وجہ سے حرام ہونے والی عورتیں سات قسم کی ہیں۔

(۱) ماں: نانی، دادی، پرنانی، پردادی وغیرہ سب ماں کے حکم میں ہیں

(۲) بیٹی: نواسی، پوتی، پرنواسی، پرپوتی، کسی سلسلہ نسل تک بھی چلی جائیں بیٹی کی حقیقت میں شامل ہیں

(۳) بہن: ماں کی طرف سے ہو یا باپ کی طرف سے یا دونوں طرف سے ہر حالت میں بہن ہے

۴: پھوپھی: اس میں سگے، سوتیلے کا امتیاز نہیں ہے۔

5: خالہ: سگی ہو یا سوتیلی دائماً حرام ہے

۶: بھتیجی اور بھانجی بھی بیٹیوں کی طرح حرام ہیں۔

سبب کی کئی قسمیں ہیں

۱: رضاعت کی وجہ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں: عن برید العجلی عن ابی جعفر علیہ السلام فی حدیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: یحرم من الرضاع مایحرم من النسب (۱) جو رشتے رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ عن الحلبی قال سئلت ابا عبداللہ علیہ السلام

(۲) حلبی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے رضاعت کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں! (سبب کی کئی قسمیں ہیں)

رضاعت کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ بچّہ پندرہ بار، وقفہ کے بغیر ایک عورت کا دودھ پیئے یا ایک دن رات بار بار دودھ پیتا رہے، یا اتنا دودھ پیئے کہ لوگ یہ سمجھیں اور یہ کہیں کہ اسی دودھ سے ہڈیاں مضبوط ہوئی ہیں اور گوشت بڑھا ہے بشرطیکہ یہ دودھ حلال سے پیدا ہوا اور بچہ عورت کے پستان سے پیئے اور عرصہ رضاعت میں پیئے

(۲) مصاہرت (دامادی): بیوی کی ماں یعنی ساس اور ساس کی ماں اور نانی، دادی، بیوی کی بہن جب تک کہ وہ حبالۂ عقد میں ہے۔ بیوی کی خالہ اور پھوپھی یا بھانجی اور بھتیجی اگر بیوی اجازت نہ دے، یہ سب حرام ہیں۔ بیوی کی رضاعی بہنیں بھی حقیقی سالیوں کے حکم میں ہیں۔ باپ کی زوجہ جسے سوتیلی ماں کہا جاتا ہے اور بیٹے کی زوجہ جسے بہو کہا جاتا ہے باپ کے لئے حرام ہیں۔

(۳) دیگر اسباب کی وجہ سے حرام ہونے والی عورتیں یہ ہیں۔

(الف) جس شوہر دار عورت سے زنا کیا جائے وہ عورت زانی پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔

(ب) جن عورتوں سے نکاح کے بعد جنسی اتصال بھی واقع ہو چکا ہو ان کے پہلے شوہروں کی لڑکیاں جن کو ربیبہ کہا جاتا ہے، حرام ہیں۔

(ج) جس عورت کو طلاق بائن یعنی تین مرتبہ طلاق ہو جائے تو وہ محلل کے بغیر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگی اور اگر تین بار طلاق بائن یعنی نو بار طلاق ہو جائے تو پھر وہ کسی طرح حلال نہ ہوگی۔

(د) اگر یہ جنسی کا ارتکاب کیا جائے (معاذ اللہ) تو مفعول کی ماں، بہن (حقیقی ہوں یا سوتیلی یا رضاعی) اور بیٹی مرتکب جرم پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہیں (باقی تفصیلات کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جائے)

مذکورہ عورتوں کے علاوہ باقی ماندہ عورتیں، انسان کے لئے نکاح یا کنیزی کے وسیلے سے حلال ہیں. کنیزی کا آجکل وجود نہیں ہے اس لئے صرف نکاح جنسی تسکین کا جائز ذریعہ رہ جاتا ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا، نکاح کی دو قسمیں ہیں: نکاح دائم اور منقطع۔ قرآن کریم ان دونوں نکاحوں کی واضح لفظوں میں اجازت دی ہے اور تمام اسلامی فرقوں میں نکاح دائم کے جواز و تشریع میں کوئی جوہری اختلاف نہیں ہے

متعہ کی تشریع اور جواز کے لیے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: فما استمتعتم بہ منھن فآتوھن اجورھن فریضۃ ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ ان اللہ کان علیما حکیما (۱۵) اور پھر تم جن سے متعہ کرو تو ان کے مقرر کیے ہوئے مہر دے دو اور (مہر و میعاد مقرر ہو جانے کے بعد اگر آپس میں تم کمی بیشی پر راضی ہو جاؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اور یقیناً اللہ جاننے والا. حکمت والا ہے.

متعہ کے جواز اور تشریع کے تعلق میں تمام مسلمان فرقے متفق ہیں کہ اس طریقۂ جنسی اتصال کو خدا اور رسول کی طرف سے سند جواز حاصل ہے لیکن بعض مسلمان فرقوں کے نزدیک نکاح منقطع یعنی متعہ کی تشریح ایک خاص مدت کے لیے تھی آجکل یہ جائز نہیں ہے مگر ان حضرات کی یہ رائے ان کی اپنی رائے ہے اس لیےکہ اسلام میں قانون سازی صرف اللہ کا اختیار ہے اور اس کی تشریح، توضیح اور نفاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اس لیے کسی قانون کے اسلامی ہونے کی سند صرف خدا اور رسول سے مل سکتی ہے، دیگر حضرات اگر کچھ فرمائیں گے تو اس کی حیثیت شخصی یا گروہی رائے کی ہو سکتی ہے جس کو شریعت الٰہیہ یعنی قانون

اسلامی کا حصہ نہیں کہا جا سکتا ۔ والا قانون سازی کے اختیارات میں جو اللہ رسول سے مخصوص ہیں ان حضرات کی شرکت بھی ماننا پڑے گی جس کو اسلام کا تشریعی قانون اور مزاج قبول نہیں کرتا ۔۔ !!! اور ایسے حضرات جو اس کو کوئی اہمیت دیں گے کم از کم شرک فی الرسالۃ کے مرتکب ضرور قرار پائیں گے ۔۔ !!!

چودھویں صدی تک عربی، فارسی میں جتنی بھی تفسیریں لکھی گئی ہیں جواز نکاح مؤقت یعنی متعہ کا کسی نے انکار نہیں کیا ہے، البتہ بعض تاویلات کے ذریعے سے آیت متعہ کی منسوخیت کے کچھ حضرات قائل ہوئے ۔ لیکن اردو میں جو قرآن مجید کی تفسیریں لکھی گئی ہیں ۔ ان میں بعض مفسروں نے آیت متعہ کی ترجمہ کرتے ہوئے ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ گویا یہ آیت تشریع متعہ سے متعلق نہیں ہے ۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی آیت متعہ کا ترجمہ اس طرح فرما گئے ہیں گو جیسے اس میں متعہ کا ذکر ہی نہیں ہے ۔ یہ تفسیر بالرائے کو ممنوع قرار دیا ہے اور فرمایا ہے من فسر القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار یا، من فسر القرآن برأیه فقد کفر جو اپنی رائے سے تفسیر قرآن کرتا ہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بناتا ہے یا جو اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے، تاہم مولانا مودودی نے سورۂ مومنون کی تفسیر کرتے ہوئے مجبوراً متعہ کی تشریع کو قبول کیا ہے فرماتے ہیں ۔ والذین هم لفروجهم حافظون ۰ الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین ۰ فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک هم العادون ۰(۲)

اور جو وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں کہ ان پر (محفوظ نہ رکھنے میں) وہ قابل ملامت نہیں ہیں ۔ البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں ۔ وہی زیادتی کرنے

۱۔ القرآن پ۵ النساء آیہ ۲۴ (۲) القرآن پ۱۸ المومنون آیت ۵ تا ۷

اب متعہ کے تعلق میں مولانا کے ارشاداتِ عالیہ ملاحظہ فرمایئے لکھتے ہیں: "بعض مفسرین نے متعہ کی حرمت بھی اس آیت سے ثابت کی ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ ممتوعہ عورت نہ تو بیوی کے حکم میں داخل ہے اور نہ لونڈی کے حکم میں۔ لونڈی تو وہ ظاہر ہے کہ نہیں ہے، اور بیوی اس لئے نہیں ہے کہ زوجیت کے لئے جتنے قانونی احکام ہیں ان میں سے کسی کا بھی اس پر اطلاق نہیں ہوتا۔ نہ وہ مرد کی وارث ہوتی ہے، نہ مرد اس کا وارث ہوتا ہے، نہ اس کے لئے عدت ہے نہ طلاق نہ نفقہ نہ ایلاء و ظہار و لعان وغیرہ بلکہ چار بیویوں کی مقررہ حد سے بھی وہ مستثنٰی ہے پس جب وہ بیوی اور لونڈی دونوں کی تعریف میں نہیں آتی تو وہ لامحالہ "ان کے علاوہ کچھ اور" میں شمار ہوگی جس کے طالب کو قرآن "حد سے گزرنے والا" قرار دیتا ہے۔ یہ استدلال بہت قوی ہے مگر اس میں کمزوری کا ایک پہلو ایسا ہے جس کی بنا پر یہ کہنا مشکل ہے کہ متعہ کی حرمت کے بارے میں یہ آیت ناطق ہے۔ وہ پہلو یہ ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے متعہ کی حرمت کا آخری اور قطعی حکم فتح مکّہ کے سال دیا ہے اور اس سے پہلے اجازت کے ثبوت صحیح احادیث میں پائے جاتے ہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حرمت متعہ کا حکم قرآن کی اس آیت میں ہی آچکا تھا جو بالاتفاق مکّی ہے اور ہجرت سے کئی سال پہلے نازل ہوئی تھی تو کیسے تصوّر کیا جاسکتا ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اسے فتح مکّہ تک جائز رکھتے ...... لہٰذا یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ متعہ کی حرمت قرآن مجید کے کسی صریح حکم پر نہیں بلکہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنت پر مبنی ہے۔ سنت

میں اس کی صراحت نہ ہوتی تو محض اس آیت کی بنا پر تحریم کا فیصلہ کر دینا مشکل تھا۔ متعہ کا جب ذکر آگیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دو باتوں کی اور توضیح کر دی جائے اوّل یہ کہ اس کی حرمت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اسے حضرت عمرؓ نے حرام کیا درست نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ اس حکم کے موجد نہیں تھے بلکہ صرف اسے شائع اور نافذ کرنے والے تھے چونکہ یہ حکم حضورؐ نے آخر زمانے میں دیا تھا اور عام لوگوں تک نہ پہنچا تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے اس کی اشاعت کی اور بذریعہ قانون اسے نافذ کیا۔ دوم یہ کہ شیعہ حضرات نے متعہ کو مطلقاً مباح ٹھیرانے کا جو مسلک اختیار کیا ہے اس کے لئے تو بہر حال نصوصِ کتاب و سنت میں سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

صدر اوّل میں صحابہ اور تابعین اور فقہاء میں سے چند بزرگ جو اس کے جواز کے قائل تھے وہ اسے صرف اضطرار اور شدید ضرورت کی حالت میں جائز رکھتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اسے نکاح کی طرح مباح مطلق اور عام حالت میں معمول بہ بنا لینے کا قائل نہ تھا۔ ابن عباسؓ جن کا نام قائلینِ جواز میں سب سے زیادہ نمایاں کر کے پیش کیا جاتا ہے اپنے مسلک کی توضیح خود ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ "ماھی الا کالمیتة لاتحل الا للمضطر (یہ تو مردار کی طرح ہے کہ مضطر کے سوا کسی کے لئے حلال نہیں) اور اس فتوے سے بھی وہ اس وقت باز آگئے تھے جب انھوں نے دیکھا کہ لوگ اباحت کی گنجائش سے ناجائز فائدہ اٹھا کر آزادانہ متعہ کرنے لگے ہیں اور ضرورت تک اسے موقوف نہیں رکھتے۔ اس سوال کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے کہ ابن عباس اور

ان کے ہم خیال چند گنے چنے اصحاب نے اس مسلک سے رجوع کر لیا تھا یا نہیں؟ تو ان کے مسلک کو اختیار کرنے والا زیادہ سے زیادہ جواز بحالتِ اضطرار کی حد تک جا سکتا ہے۔ مطلق اباحت اور بلا ضرورت تمتع، حتی کہ منکوحہ بیویوں تک کی موجودگی میں بھی متوعہ سے استفادہ کرنا تو ایک ایسی آزادی ہے جسے ذوقِ سلیم بھی گوارا نہیں کرتا۔ کجا کہ اسے شریعتِ محمدیہ کی طرف منسوب کیا جائے اور ائمۂ اہلِ بیت کو اس سے متہم کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ خود شیعہ حضرات میں بھی کوئی شریف آدمی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص اس کی بہن یا بیٹی کے لئے نکاح کے بجائے متعہ کا پیغام دے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جوازِ متعہ کے لئے معاشرہ میں زنانِ بازاری کی طرح عورتوں کا ایک ایسا ادنیٰ طبقہ موجود رہنا چاہیئے جس سے تمتع کرنے کا دروازہ کھلا رہے یا پھر یہ کہ متعہ صرف غریب لوگوں کی بیٹیوں اور بہنوں کے لئے ہو اور اس سے فائدہ اٹھانا خوشحال طبقہ کے مردوں کا حق ہو۔ کیا خدا اور رسول کی شریعت سے اس قسم کے غیر منصفانہ قوانین کی توقع کی جا سکتی ہے اور کیا خدا اور اس کے رسول سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ کسی ایسے فعل کو مباح کر دیں گے جسے ہر شریف عورت اپنے لئے بے عزتی سمجھے اور بے حیائی بھی۔ [1]

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کے مذکورہ خیالات جن کو لطائف سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہو گا۔ آپ کے سامنے ہیں۔ مبحث متعہ میں یہ کج مج بیانی، گروہی عقیدہ کی حمایت کا ردِ عمل ہے ورنہ مولانا

---

[1] تفہیم القرآن ج ۲ حاشیہ ۴۴ صفحہ ۲۶۶ - ۲۶۷

کے بیان سے جواز متعہ میں کہیں جھول تک پیدا نہیں ہو سکتا ہے "بعض مفسرین" کی طرف سے حرمت متعہ کے جو دلائل دیئے ہیں ان میں لفظ "بعض" رکھ کر یہ تسلیم کر لیا ہے کہ کچھ مفسر ایسے بھی ہیں جو ان ارشادات کو قبول نہیں کرتے ۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ !!! اس استدلال کو "قوی" کہنے کے باوجود مولانا خود ہی اس کی کمزوری کا پردہ بھی چاک کرتے ہیں کہ یہ آیت مکّی ہے اور مدنی آیت کو مسترد نہیں کر سکتی ۔ مولانا نے قبول کیا ہے کہ فتح مکہ تک متعہ جائز تھا ۔ اب انھیں یہ کیوں یاد نہ آیا کہ ان کے "بعض مفسروں" کے بقول نہ اس میں طلاق ہے ۔ نہ عدہ ہے ۔ نہ نفقہ نہ ایلاء و ظہار و لعان ۔ چار بیویوں کی حد سے بھی خارج ۔ لونڈی کے حکم میں بھی نہیں ۔۔ ۔۔ ۔۔ ؟! تو کیا فتح مکہ تک حضور پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم یعنی شارع کو یہ امور معلوم نہ تھے کہ انھوں نے فتح مکہ تک متعہ کو جائز رکھا ؟ ؟ ! شاعری کے جوش میں ایک مسلمان کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر حملہ کر ڈالے ۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنے قانون کے مفسروں سے بھی گئے گذرے تھے کہ انھوں نے بقول شخصے صفات مذکورہ کے نہ ہوتے ہوئے بھی متعہ کو جائز رکھا ۔ ۔۔ ۔۔ ؟!

مولانا مودودی نے یہ حقیقت تسلیم کر لی ہے کہ "متعہ کی حرمت قرآن کے کسی صریحی حکم سے ثابت نہیں ہے بلکہ اس کا انحصار سنت پر ہے" جناب سر سید احمد خاں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے ، فرماتے ہیں ۔ "علماء کا اتفاق ہے کہ ابتدائے اسلام میں متعہ جائز تھا ۔ اور اس باب میں کہ وہ بدستور جائز ہے یا ممنوع یا منسوخ ہو گیا

ہے اختلاف ہے۔ گروہ کثیر امت کا یہ قول ہے کہ اس آیت میں تو بلاشبہ جواز متعہ کا حکم ہے لیکن یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے مگر جن آیتوں سے نسخ کا استدلال کرتے ہیں وہ استدلال میری دانست میں نہایت ضعیف ہے۔[۱]

بہر حال یہ تو طے ہوا کہ قرآن نے متعہ کو جائز قرار دیا ہے، حرام قرار نہیں دیا۔ لہٰذا یہ اقرار مولانا مودودی و سر سید احمد خاں، نص قرآن کی رو سے متعہ جائز ہے اب رہی سنت کے ذریعے حرمت متعہ تو یہ قانون عقل و شرع کے خلاف ہے مولانا کو چاہیئے تھا کہ شریعت اسلامیہ سے قرآن کے کسی دوسرے حکم کی سنت سے تنسیخ کی مثال دیتے جو یقیناً اس لئے نہیں دی کہ وہ ممکن نہیں ہے۔ ۔۔۔۔۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر فرمایا ہے:۔ کلامی لا ینسخ کلام اللہ، وکلام اللہ ینسخ کلامی، وکلام اللہ ینسخ بعضہ بعضا[۲] "میرا کلام، کلام خدا کو منسوخ نہیں کر سکتا اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کر سکتا ہے، اللہ کا ایک کلام دوسرے کلام کو منسوخ کر دیتا ہے" ان مسلمہ احادیث کے ہوتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ کے قرآنی قانون کو منسوخ فرما دیا ہو ۔ ۔ ۔ ۔ !

حقیقت یہ ہے کہ سنت پیغمبر کے ذریعے سے نسخ حکم قرآن

---

[۱] تصانیف احمدیہ حصہ اول ج چہارم، تفسیر القرآن ج دوم ص۱۱

[۲] فلسفۃ التشریع فی الاسلام ص

عقل کے خلاف ہے۔ علامہ ابو اسحاق شیرازی اس تعلق میں اس طرح اظہار رائے فرماتے ہیں "ہمارے نزدیک از روئے سماع یہ جائز ہی نہیں ہے کہ سنت نبوی کے ذریعے وحی قرآنی کو منسوخ کیا جائے" شافعی اکابر نے سماع اور عقل دونوں کے لحاظ سے اس خیال کا شدت سے انکار کیا ہے [۱]

علامہ حمزہ فناری "نسخ القرآن بالسنۃ" کو جائز نہیں مانتے انھوں نے کہا ہے "انّ السنۃ لا تصلح ناسخۃ لنظم الکتاب لتقوم مقامہ فی الاعجاز وصحۃ الصلوٰۃ وغیرھما" سنت، نظم کتاب کی ناسخ نہیں بن سکتی کہ اس میں ناسخ بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اس لئے کہ نہ اعجاز میں قرآن کی مانند ہے اور نہ نماز میں تلاوت کئے جانے کی حیثیت سے صحت صلوٰۃ کی ضامن [۲]

امام احمد بن حنبل نے اس تعلق میں فرمایا ہے، امام اعظمی فرماتے ہیں "حدثنا ابو داؤد السجستانی قال سمعت احمد بن حنبل وسئل عن حدیث، السنۃ قاضیۃ علی الکتاب، قال لا اجتری أن اقول فیہ ولکن السنۃ مفسر القرآن ولا ینسخ القرآن الّا القرآن" امام احمد بن حنبل سے جب دریافت کیا گیا کہ نظریہ نسخ القرآن بالسنۃ کے بارے میں آپ کا موقف کیا ہے

---

[۱] اللمعۃ فی اصول الفقہ مصر

[۲] فصول البدائع ج ۲ صہ ۱۲۵ مصر

تو آپ نے کہا معاذ اللہ ایسی جرات مجھ میں کہاں ہے کہ حدیث کو ناسخ قرآن تسلیم کروں۔ سنت تو تفسیر قرآن کرتی ہے اور قرآن کو قرآن ہی منسوخ کر سکتا ہے سنت نہیں [1]

امام شافعی فرماتے ہیں :

لاینسخ الکتاب بالسنۃ المتواترۃ سنت متواترہ بھی قرآن پاک کو منسوخ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی [2]

مذکورہ حوالے ہم نے "تغیر منسوخ القرآن" صہ۶۳ تا ۶۵ از علامہ رحمت اللہ طارق ادارہ ادبیات اسلامیہ ملتان طبع اول نومبر ۱۹۷۳ء سے لئے ہیں۔ ترجمہ بھی موصوف ہی کا کیا ہوا ہے۔ تغیر منسوخ القرآن خیرپور پبلک لائبریری میں موجود ہے۔

علامہ رحمت اللہ طارق صاحب نے بھی متعہ کے متعلق بڑی دلچسپ شاعری فرمائی ہے جو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے ملتی جلتی ہے اس لئے ہم ان کی گفتگو کو قابل اعتناء نہیں سمجھتے تاہم ان کا ایک دلچسپ انفرادی استدلال پیش کئے دیتے ہیں تاکہ اس محقق مجتہد کی ذہنی پرواز کی پستی کا اندازہ ہو سکے "بگاڑ کہاں سے پیدا ہوا" کی سرخی سے ابی ابن کعب اور ابن عباس کے مصاحف میں آیہء "فما استمتعتم بہ منھن" میں "الی اجل مسمیٰ" کے الفاظ کے وجود پر داد شاعری دیتے ہوئے جس کا نام انھوں نے تحقیق رکھا ہے فرمایا ہے "اب ہم ایک اور زاویہ سے بھی

---

[1] الاعتبار صہ۲۷ میز دمشقی

[2] فتح بیان فی مقاصد قرآن ج اول صہ۱۸۱ نواب صدیق حسن خاں بھوپال

اِلیٰ اجل مسمیٰ" کا جائزہ لے رہے ہیں کہ اگر ابن عباس اور ابی بن کعب کا یہ اضافہ ان کے مصاحف میں درج ہوتا تو حکومت ایران ضرور اس پر عمل کرتی اور میعادی شادی کے خلاف قانون وضع نہ کرتی یعنی حکومت ایران نے یکم رجب ۱۳۵۴ھ ہجری مطابق ستمبر ۱۹۳۵ء کو شخصی قوانین میں اس بات کا اضافہ کیا تھا کہ اس تاریخ کے بعد کوئی بھی ایرانی شہریت رکھنے والا شخص ایک سے زیادہ بیویاں اور نکاح متعہ نہیں کرسکتا۔ یعنی اُلیٰ اجل مسمیٰ" پر عمل کرنے کے باعث شہری قوانین کے تحت قابل سزا جرم کا مرتکب سمجھا جائیگا۔[۱]

"الیٰ اجل مسمیٰ" کے گرزسے رحمت اللہ طارق صاحب اس حد تک زخمی ہیں کہ وہ ایرانی حکومت کے قانون کو دینی قانون قرار دے رہے ہیں ۔۔ ۔۔ ۔۔ !! گویا حکومت ایران نے یکم رجب ۱۳۵۴ھ کو "الیٰ اجل مسمیٰ" کے مصاحف میں نہ ہونے کا احساس کیا اور اس کے ساتھ ہی "فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنیٰ وثلاث ورباع (۲) کی آیت کو بھی قرآن کریم سے نکال کر صرف ایک بیوی کی حد تک سند جواز عطا فرمائی۔ اگر حکومت ایران کا یہ احمقانہ اقدام کوئی وزن رکھتا ہے تو پھر قرآن کی دونوں آیتیں "فما استمتعتم به منهن الخ اور "فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنیٰ و ثلاث ورباع الخ" طارق صاحب کو قرآن سے خارج کر دینا چاہیئے (نعوذ باللہ - ۔۔ !! ان صاحبزادے کو کون سمجھائے کہ حکومت کے

---

[۱] منسوخ القرآن صہ ۲۷۳ ملتان [۲] القرآن پ۴ النساء آیہ ۳

قوانین دینی وقار نہیں رکھتے۔ علماء اور فقہاء کے احکام ہی دینی نقطہ نظر کے عکاس ہوا کرتے ہیں اور وہی سند کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں اور اس نقطہ نظر سے عالم اسلام میں زمانۂ پیغمبر و اصحاب میں بھی متعہ رائج تھا اور آج بھی رائج ہے۔

یہ تو تھا جملۂ معترضہ، اب اصل مبحث کی طرف آیئے !!

مولانا مودودی نے حضرت عمرؓ کے اقدام تحریم متعہ کو تحفظ دیتے ہوئے بڑا دلچسپ طریقہ اختیار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ : "چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخر زمانے میں متعہ کو حرام کیا تھا اور یہ حرمت عام لوگوں کو معلوم نہ ہو سکی تھی۔ حضرت عمرؓ نے عام اور شائع کر دیا" اتفاقاً مولانا چند سطر پہلے آخر زمانہ کا موقع فتح مکہ کو قرار دے چکے ہیں اور فتح مکہؐ کے موقعہ پر کم سے کم دس ہزار صحابہ کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن تھا، لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک امر مباح کو ناجائز قرار دیں اور اس کا علم صرف حضرت عمرؓ کو ہو، باقی صحابہ بے خبر رہیں ۔۔ !! احکام مذہب سے صحابہ کی یہ بے خبری خود صحابہ کرام کے وقار کے لئے کوئی اچھی علامت قرار نہیں دی جا سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متعہ کو حرام قرار دیتے تو تمام صحابہ باخبر ہوتے۔ حضرت عمرؓ کے علاوہ کسی صحابی کا باخبر نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باقی حیات مبارک میں حضرت ابوبکرؓ کے پورے زمانہ خلافت میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی تین چار برس کے عرصہ میں اصحاب کرام متعہ

کرتے رہے اور کسی نے ایک دوسرے کو نہیں ٹوکا ۔ ۔ ۔ !! کسی خاص وجہ سے حضرت عمرؓ نے متعہ کی حرمت کا فتویٰ دے دیا ۔ حضرت عمرؓ نے اس فتوے کے ارشاد کے لئے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں وہ خود اس حقیقت کی دلیل ہیں کہ متعہ کو حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں بلکہ حضرت عمرؓ نے حرام کیا ہے : متعتان کانتا علی عہد رسول اللہ وانا انھی عنھما واعاقب علیھما [۱] رسول اللہ (صلی اللہ علیہ آلہ وسلم) کے زمانے میں دو متعے تھے (متعۃ الحج ومتعۃ النساء) میں ان دونوں کو ممنوع قرار دیتا ہوں اور ان دونوں کے مرتکب کو سزا دوں گا ۔

عجیب بات ہے کہ حضرت عمرؓ تو واضح لفظوں میں کہیں کہ رسول اللہ کے زمانے میں متعہ حلال تھا ، میں حرام کر رہا ہوں " اور مولانا مودودی فرمائیں کہ حضرت عمرؓ صرف اعلان کر رہے تھے ۔ ۔ ۔ !!! تاہم یہ اعلان بھی اپنی حکومت کا کافی عرصہ گذر جانے کے بعد فرمایا اور خاصے عرصہ تک بقول مولانا مودودی اس حرام پر عمل گوارا فرماتے رہے (نعوذ باللہ)

ایک دلچسپ لطیفہ یہ بھی ہے جو مودودی صاحب نے عطا فرمایا ہے کہ " ابن عباس قائلین جواز میں سب سے زیادہ نمایاں کئے جاتے ہیں " یعنی یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جواز کے بہت سے لوگ قائل ہیں ان میں سے ایک ابن عباس بھی ہیں ۔ لیکن حرمت متعہ کے صرف حضرت عمرؓ قائل ہیں ۔ ان کے ساتھ کوئی دوسرا صحابی نہیں ہے ۔ فقط حکومت کا اختیار ان کا تعاون تھا ۔

جناب عبد اللہ ابن عباسؓ کے متعلق یہ تاثر دینا کہ وہ متعہ کو مردار کی طرح حالتِ اضطرار میں جائز سمجھتے تھے ، انتہائی غیر معقول اور گھڑا ہوا

---

[۱] تفسیر کبیر رازی ج ۱۰ صفحہ ۵

الحاق اور انتساب ہے۔ جناب ابن عباسؓ جو امت مسلمہ میں مفسّرِ قرآن سمجھے جاتے ہیں اور بڑے ذہین اور باسواد آدمی مانے جاتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ نکاح مُوقت کی تمثیل میں مردار کو پیش کریں ۔۔!!
اس لئے کہ مردار بذات خود حرام ہے اور جب کسی شخص کو بھوک کی شدّت کی وجہ سے موت کا خطرہ لاحق ہو جائے تو مردار کا اتنا حصّہ کھا لینا جائز ہوتا ہے جس سے جان بچ جائے۔ تسکین کی حد تک سیر ہو کر کھانا کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔ یعنی مردار خوری میں ایک شخص جان بچانے کے لئے بقدر سدِّ رمق کھا سکتا ہے اس کے برعکس نکاح موقت یعنی متعہ نصِ قرآن اور سنت پیغمبر کی روشنی میں جائز و حلال ہے جنسی جذبے کے ہیجان کے نتیجے میں موت کا خطرہ کبھی لاحق نہیں ہوتا صرف عفّت اور پاکدامنی کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور نکاح مؤقت میں مقابل جنس کا ہونا ضروری ہے یعنی عورت اور مرد دونوں ہی ہوں تو نکاح موقت وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اب یہ کیا لازم ہے کہ مرد اگر جنسی ہیجان میں مبتلا ہے تو کوئی عورت بھی جنسی ہیجان میں گرفتار ہو۔۔۔!!
اس لئے متعہ کی تمثیل مردار خوری سے مارون گھٹنا پھوٹے آنکھ کے حکم میں ہے دونوں میں کوئی جزوی ربط بھی موجود نہیں ہے۔ لہٰذا جناب ابن عباسؓ کی طرف منسوب مقولہ قطعاً الحاقی ہے۔ یہ جناب ابن عباسؓ کے غلام عکرمہ کی کارستانی معلوم ہوتی ہے کہ موصوف حسب ضرورت حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے بھی منسوب کر کے حدیثیں گھڑ لیا کرتے تھے۔ ابن عباسؓ کی طرف ایک مہمل خیال کا منسوب کر دینا کیا بڑی بات ہے ۔۔ !! غرضیکہ جناب ابن عباسؓ

نے بفرضِ محال یہ بات کہی بھی ہو تو بے معنی ہے کہ اکل میتۃ اور عقد مؤقت میں کسی قسم کی مماثلت نہیں پائی جاتی۔

مولانا کے ذوق سلیم " پر بیویوں کے ہوتے ہوئے متعہ بڑا گراں گذر رہا ہے لیکن جب وہ تسلیم کر چکے ہیں کہ رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فتح مکہ تک جائز رکھا تھا تو مولانا کا " ذوق سلیم " حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک تو کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا یا پھر یوں کہا جائے کہ مولانا کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ذوق سلیم نام کی کوئی چیز تھی ہی نہیں (معاذ اللہ) ..

مولانا کو بڑی شرم آتی ہے کسی کی بیٹی یا بہن کو متعہ کا پیغام دینے میں .. .. لیکن کیا یہ پیغام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نہیں دیے گئے .. ؟ اگر اس وقت یہ پیغام دیئے گئے اور متعے کئے گئے تو ایک جائز فعل میں اب شرم کی کونسی بات ہے .. ؟ اگر نکاح کا پیغام دیا جا سکتا ہے تو متعہ کا بھی دیا جا سکتا ہے۔

تفاسیر اور احادیث کی کتابوں میں حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حیات مبارک میں مسلمانوں کے متعے کے تذکرے موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مسلمان حضور کے محترم صحابی تھے۔ یہ حضرات بڑی بے تکلفی سے متعہ کیا کرتے تھے اور عورتوں سے بڑی آزادی کے ساتھ متعہ کا پیغام سلام کرتے تھے۔ عورتیں بھی بلا تکلف مہر اور مدت طے کر کے متعہ کر لیا کرتی تھیں۔ ہم " صحیح مسلم " سے ایک واقعہ نقل کئے دیتے ہیں اس قسم کے بہت سے واقعات موجود ہیں۔

عن الربیع بن سبرۃ ان اباہ غزا مع رسول اللہ

صلى اللہ علیہ وسلّم فتح مکۃ قال فاقمنا بہا خمس عشرۃ ثلاثین بین لیلۃ ولیوم فاذن لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فی متعۃ النساء فخرجت انا ورجل من قومی ولی علیہ فضل فی الجمال وھو قریب من الدمامۃ مع کل واحد منّا برد، فبردی خلق وامّا برد ابن عمی فبرد جدید غض حتی اذا کنا باسفل مکہ او باعلاھا فتلقتنا فتاۃ مثل البکرۃ العنطنہ فقلنا ھل لک ان یستمتع منک احدنا ؟ قالت وماذا تبذلان ؟ فنشر کل واحد بردہ فجعلت تنظر الی الرجلین ویراھا صاحبی ینظر الی عطفہا فقال ان برد ھذا خلق وبردی جدید غض فتقول برد ھذا لاباس بہ ثلاث مرار او مرتین ثم استمتعت منہا [۵]

ربیع بن سبرہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا اور ہم نے مکہ مکرمہ میں پندرہ یعنی رات دن ملا کر تیس دن قیام کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دے دی۔ میں اپنی قوم کے ایک آدمی کے

---

[۵] صحیح مسلم مترجم ج ۲ ص ۳۶۵، ۳۶۶ اس قسم کا واقعہ سنن ابن ماجہ مترجم ج ۲ صفحہ ۶۳-۶۴ تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۴۵ اور خود صحیح مسلم میں دوسری جگہ ج ۲ ص ۳۶۷-۳۶۸ پر موجود ہے۔

ساتھ مکہ مکرمہ سے نکل کر چلدیا۔ پس خوبصورتی میں اس سے
زیادہ تھا اور وہ بدصورتی کے قریب قریب تھا۔ ہم دونوں
میں سے ہر ایک کے پاس ایک ایک چادر بھی تھی مگر میری چادر
پرانی تھی اور اس کی چادر نئی اور اچھی تھی۔ جب ہم مکہ مکرمہ
کے بائیں جانب پہنچے تو ایک عورت سے ملاقات ہوئی۔
عورت نوجوان، طاقتور اور دراز گردن تھی۔ ہم نے اس سے
کہا کیا تم ہم میں سے کسی کے ساتھ متعہ کر سکتی ہو؟ بولی تم
دونوں کیا دوگے؟ ہم نے اپنی اپنی چادر کھول کے دکھادی
تو وہ ہم دونوں کو غور سے دیکھنے لگی اور میرا ساتھی اس کے
میلان طبع کا امیدوار تھا اس لئے کہنے لگا کہ اس شخص کی
چادر پرانی ہے اور میری چادر نئی اور عمدہ ہے مگر عورت نے
دو تین دفعہ کہا کہ اس کی چادر میں کوئی نقصان نہیں ہے۔
بالآخر میں نے اس کے ساتھ متعہ کر لیا (ترجمہ از صحیح مسلم)

اصحاب رسول نے جن خواتین سے متعہ کیا وہ بھی صحابیات تھیں
انھوں نے تو متعہ کا پیغام سن کر نہ تیوری پر بل ڈالے، نہ ہچکچائیں۔ نہ
گھنٹوں میں منہ دیا بلکہ آزادی سے پوچھ لیا کہ مہر کیا دوگے؟ اور آخر
ایک فعل شرع میں شرمانے کی کیا بات ہے۔۔۔ !! واللہ لا یستحی
من الحق۔ شرم تو آنی چاہئے فعل حرام پر تو صحابیات بھی متعہ کے
تعلق میں بے تکلف اقدام فرماتی ہیں اور بقول شخصے ان سے زیادہ
دینی حقیقت کو کون سمجھ سکتا تھا۔ جناب قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے
ہیں۔ روی الطحاوی والنسائی عن اسماء بنت ابی بکر

قالت فعلنا ها علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم وابی بکر وصدر خلافۃ عمر ولما کان اخر خلافۃ عمر فنہانا عنہا فلم نفعل[۱]

نسائی اور طحاوی نے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہم نے متعہ کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں اور جب حضرت عمرؓ کی خلافت کا آخری دور آیا تو انھوں نے ہم کو متعہ سے روک دیا۔ پھر ہم نے متعہ نہیں کیا۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ بڑی جلیلۃ القدر صحابیہ ہیں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سالی۔ حضرت عائشہؓ کی حقیقی بہن۔ حضور کے پھوپھی زاد اور صحابی زبیر بن العوام کی زوجہ محترمہ اور عبداللہ بن زبیر صحابی کی والدہ محترمہ ہیں۔

جناب اسماء بنت ابی بکرؓ نے تمام ضمیریں جمع کی استعمال کی ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ صحابیات کا معاشرہ نکاح مؤقت یعنی متعہ کو بخوشی بلا تکلف عمل میں لاتا تھا اور مولانا مودودی صاحب کی شرم کا وہاں کوئی تصور نہیں تھا۔ تعجب ہے کہ ایک طرف تو اصحاب اور صحابیاتؓ کے احترام اور عظمت کا ڈھنڈورہ پیٹا جائے اور دوسری طرف ان پر پھبتیاں کسی جائیں۔۔۔۔۔!!! بہرحال امر مشروع میں شرم کا تذکرہ اسلام میں

---

[۱] تفسیر مظہری ج ۲ ص ۷۳

ایک بدعت کو رائج کرنے کے مترادف ہے۔

مولانا مودودی کے ذہن میں قیاس نے اپنی کرسی بچھا رکھی ہے اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ "متعہ جائز رہا تو زنانِ بازاری کی طرح کا ایک طبقہ رکھنا پڑے گا" ہم مولانا سے پوچھتے ہیں کہ کیا (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایسا کوئی طبقہ مہیا کر رکھا تھا ۔۔ ۔۔ ؟ اس لئے کہ فتح مکہ تک تو آپ کے نزدیک بھی متعہ جائز تھا ۔۔ ۔۔! اور کیا اس زمانے میں شریف عورتیں متعہ میں کوئی حجاب محسوس کرتی تھیں ۔۔ ؟ تاریخ کا ریکارڈ تو یہ ہے کہ بڑی بڑی شریف زادیوں نے متعہ کیا ہے اور بچے پیدا کئے ہیں۔ مودودی صاحب کو یہ یاد نہیں رہا ہے کہ قانون شخصی رجحانات و احساسات کا تابع نہیں ہوا کرتا وہ عمومی افادیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے تشکیل دیا جاتا ہے اگر کسی صاحب کو متعہ سے شرم دامنگیر ہوتی ہے تو وہ متعہ نہ کریں اور جن کو نکاح سے شرم آتی ہے وہ نکاح بھی نہ کریں ۔۔ ۔۔ !! عرب جاہلیت میں لڑکیوں کو صرف اس لئے قتل کر دیا جاتا تھا کہ عربوں کی جھوٹی شرم یہ برداشت نہ کرتی تھی کہ ان کی بیٹی کسی کے نکاح میں جائے اس لئے اگر یہ شرم والا "فارمولا" قبول کر لیا جائے تو نکاح کا جواز بھی اس ارشاد کی روشنی میں دم توڑ جاتا ہے ۔۔ ۔۔ !!

حقیقت یہ ہے کہ قرآنی نص کی روشنی میں نکاح مؤقت یعنی متعہ جائز تھا۔ جائز ہے اور جائز رہے گا۔ رہا حضرت عمرؓ کا حکم تو وہ ایک حاکم کا انتظامی حکم ہو سکتا ہے جو ایک محدود وقت تک نافذ رہ سکتا ہے لیکن اصل دستوری قانون کو کالعدم نہیں کر سکتا۔ اس

تعلق میں مزید تفصیلات محل مناسب پر پیش کی جائیں گی۔

مولانا مودودی نے آیت متعہ کا گول مول ذکر کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ متعہ کی تشریح قرآن کریم نے کی ہی نہیں۔ تو پھر اس مرحلہ پر مولانا سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ جب قرآن میں حکم متعہ آیا ہی نہیں تو مولانا کے ہم خیال بعض علماء کے نزدیک قرآن کی بعض آیتوں سے اور مولانا کے نزدیک سنت نبوی سے منسوخ کیا ہوا۔ ۔ !؟ اس کو کہتے ہیں حق برزبان جاری۔ سنت یا قرآن سے حکم متعہ کی منسوخی اس کے وجود کی ناقابل انکار دلیل ہے۔ اس لئے دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ مولانا آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے کہ واضح ہو جاتا کہ یہ آیت، متعہ کی تشریح کے لئے نازل ہوئی تھی اور تفسیری نوٹ میں اپنا موقف بیان کر دیتے کہ منسوخ ہو گئی ہے، جیسا کہ نوٹ میں انھوں نے لکھا بھی ہے لیکن افسوس کہ ترجمہ گروہی عقیدہ کی نذر ہو گیا ۔ ۔ !!!

مولانا بہت ذہین آدمی ہیں، انھوں نے آیت متعہ کی تنسیخ کے متعلق اپنے علماء کی کج بیانیاں دیکھ کر واضح طور پر لکھ دیا کہ قرآن کی کسی آیت سے تو حکم متعہ منسوخ نہیں ہے لہذا مولانا کے بقول قرآن سے متعہ ثابت ہوا ۔ ۔ ۔ ۔ !! اب رہ گئی سنت کے سہارے تنسیخ، تو اس کے لئے عالم اسلام میں کسی کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ تاہم آیت متعہ کے مختلف آیات قرآنی سے منسوخ ہونے کا علماء ساختہ افسانہ ہم قارئین کی دلچسپی اور قیاس پسند علماء کی عجائب پسندی کا ریکارڈ مہیا کرنے کے لئے پیش کئے دیتے ہیں

لے القرآن ۲۳ المومنون آیت ۷

پہلی آیت تو سورۂ مومنون کی یہی آیت ہے جس کا تذکرہ فرماتے ہوئے مولانا مودودی نے کہا ہے کہ : استدلال تو بڑا قوی تھا مگر ایک کمزوری رہ گئی کہ سورۂ مومنون کی آیت، آیۂ متعہ سے خاصا عرصہ پہلے نازل ہوئی تھی "حقیقت یہ ہے کہ علماء کے قیاس واہی کو استدلال کہنا بھی مولانا مودودی ہی کی جرأت و ہمت ہے ۔۔۔ !! بہر حال یہ آیت ایک دفعہ پھر پڑھ لیجئے :

والذین ھم لفروجھم حافظون ۝ الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین ۝ فمن ابتغیٰ وراء ذالک فاولئک ھم العادون ۝

اور وہ مومنین فلاح پا گئے ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں سے یا اپنی کنیزوں سے، پس اس میں وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔ پھر ان لوگوں نے اس کے سوا خواہش کی تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں"[1]

اس آیت سے آیۂ متعہ کی تنسیخ کے متعلق رحمت اللہ طارق صاحب کا تبصرہ ملاحظہ کیجئے ۔ "یہ اصول شکنی مستزاد ہے کہ مکی آیات کے ذریعے مدنی آیت کو منسوخ کیا گیا ہے جو علمی دیانت کے سراسر منافی ہے"[2]

بعض حضرات نے آیۂ متعہ کو آیۂ عدہ :

یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن[3]

اے نبی ! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو عدت کے وقت

---

[1] القرآن پ۱۸ المومنون آیۂ ۵ [2] تفسیر منسوخ القرآن صـ ۳۶۸

[3] القرآن پ۲۸ الطلاق آیۂ ۱

طلاق دو" والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء[1] " اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے آپ کو تین طہر تک روکے رکھیں" سے منسوخ قرار دیا ہے مطلب ان حضرات کا یہ ہے کہ زوجین کی جدائی طلاق اور عدہ سے ہوتی ہے اور نکاح متعہ میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں نہ عدہ نہ طلاق۔ حالانکہ یہ دعویٰ کہ متعہ میں عدہ اور طلاق نہیں ہے۔ یا بداہت باطل ہے۔ نکاح میں چونکہ مدت معین نہیں ہوتی اس لئے صیغۂ طلاق جاری کرنا پڑتا ہے اور عقد متعہ میں مدت معین ہوتی ہے لہذا اس کا خاتمہ ہی طلاق ہے اس لئے کہ ختم مدت کے بعد عورت عدت کے بغیر دوسرے شخص سے عقد دائم یا عقد منقطع نہیں کر سکتی۔ عدہ متعہ کے متعلق واضح احکام موجود ہیں

"عن زرارة عن أبي عبد الله علیه السلام انه قال
ان کانت تحیض فحیضة وان کانت لا تحیض
فشهر ونصف

اگر عورت کو حیض آتا ہے تو ایک حیض عدت ہے اور اگر حیض نہیں آتا تو پینتالیس ۴۵ دن

قال ابو جعفر علیه السلام:
عدة المتعة خمسة واربعون یوما والاحتیاط
خمسة واربعون لیلة

متعہ کا عدہ پینتالیس دن ہے اور احتیاط یہ ہے کہ پینتالیس راتیں شمار کی جائیں[2]

---

[1] القرآن پ۲ البقرہ آیہ ۲۲۸ [2] وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۴۷۴

(اس مقصد پر دال بہت سی حدیثیں فروع کافی۔ تہذیب الاحکام اور من لا یحضرہ الفقیہ میں موجود ہیں)

حضرت ابن عباسؓ نے بھی نکاح مؤقت کا عدّہ ایک حیض قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ فخر الدین رازی نے فرمایا ہے:۔

امّا ابن عباس فعنہ ثلاث روایات، احداھا القول بالإباحة المطلقة قال عمّارة: سئلت ابن عباس عن المتعة اسفاح أم نکاح، قال لاسفاح ولانکاح! قلت فما ھی؟ قال ھی متعة کما قال تعالیٰ، قلت ھل لہا عدّة؟ قال نعم عدّتہا حیضة، قلت ھل یتوارثان؟ قال لا[1]

ابن عباسؓ سے متعہ کے متعلق تین قسم کی روایتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ متعہ کو مباح مطلق جانتے ہیں۔ عمّارہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے متعہ کے بارے میں پوچھا کہ متعہ، نکاح ہے یا زنا؟ ابن عباسؓ نے کہا نہ نکاح ہے نہ زنا! میں نے کہا پھر وہ کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا وہ متعہ ہے جیسا کہ خدا نے آیۂ متاع میں اس کو متعہ کہا ہے۔ میں نے کہا کیا متعہ میں عدہ ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، متعہ کا عدّہ ایک حیض ہے۔ میں نے پوچھا عورت اور مرد ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آیت متعہ، آیت میراث (ولکم نصف

---

[1] تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۹

ما ترک ازواجکم[1] اور جو کچھ تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اس میں سے تمہارے لئے نصف حصّہ ہے) سے منسوخ ہوئی ہے۔ نکاح مؤقت چونکہ ایک وقت خاص تک کے لئے ہوتا ہے اس لئے اس میں میراث کا نہ ہونا اس کی منسوخیت کی دلیل نہیں بن سکتا کہ میراث تو بعض حالات میں نکاح دائمی میں بھی نہیں ملتی جیسا کہ طلاق ہونے کے بعد بہرحال طرفین ایک دوسرے کے وارث نہیں رہتے اور متعہ میں چونکہ اختتام مدت ہی طلاق ہے اس لئے میراث کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ اگر شرائط متعہ میں میراث کی شرط طرفین قبول کریں اور مدّت متعہ میں کسی کی وفات واقع ہو جائے تو ایک دوسرے کی میراث پائیں گے۔ عن ابی الحسن الرضا علیہ السلام: قال تزویج المتعۃ نکاح المیراث ونکاح بغیر میراث، إن اشترطت کان ولو لم تشترط لکم یکن[2] امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ متعہ میراث کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور بغیر میراث کے بھی اگر میراث کی شرط کی گئی ہے تو میراث کے ساتھ ہوگا اور اگر شرط نہیں کی گئی تو نہ ہوگا۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیہ عدد فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع[3] اور عورتوں میں سے جو تمہیں پسند آئیں تو دو دو، تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو (سے) سے منسوخ ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عدد نکاح دائمی کے لئے ہے، نکاح منقطع کا حکم مستقل طور پر الگ آیت (فما استمتعتم بہ منھن الخ) میں موجود ہے۔ نیز یہ کہ آیت طلاق، سورہ بقرہ میں واقع ہوئی ہیں جو سورہ نساء

۱۔ القرآن پ۴ النساء آیہ ۱۲ ۲۔ ۳۔ القرآن پ۴ آیہ ۳

سے قبل نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح آیت عدد، سورۂ نساء میں آیت متعہ سے پہلے واقع ہوئی ہے اور اسی طرح آیت میراث بھی آیۃ متعہ سے قبل واقع ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ پہلے نازل ہونے والی آئیتیں بعد میں نازل ہونے والی آیت کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ جہاں تک آیۂ عدہ کا تعلق ہے ہم اس کے متعلق عرض کر چکے ہیں کہ عدہ متعہ بھی اسی طرح واجب ہے، جس طرح عدہ طلاق، اس لئے یہ آیت بھی آیت متعہ کو منسوخ نہیں کر سکتی اب رہ گیا آیت تحریم (حرّمت علیکم امہاتکم الخ) سے متعہ کی منسوخیت پر استدلال تو یہ نہایت ہی بے معنی ہے اس لئے کہ آیت تحریم میں تو حرام عورتوں کی تفصیل بتائی گئی ہے ان عورتوں سے نہ نکاح ہو سکتا ہے نہ متعہ۔ لہذا اس آیت کا متعہ کی تنسیخ سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کے علاوہ آیت تحریم آیت متعہ سے پہلے واقع ہوئی ہے۔ بلفرض محال اگر اس میں نسخ کی صلاحیت ہوتی تب بھی اپنے بعد والی آیت کو کیسے منسوخ کر سکتی تھی ... ... !! (ہم نے اس مرحلۂ گفتگو میں حجۃ الاسلام والمسلمین جناب علامہ محمد حسین طباطبائی کی تفسیر المیزان ج ۴ ص ۲۹۲-۲۹۳ تہران سے استفادہ کیا ہے۔)

میں سمجھتا ہوں کہ ہر با سواد آدمی، آیت متعہ کی تنسیخ کے لئے علماء اور مفسرین کا مذکورہ اضطراب و انتشار دیکھ کر بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ محض قیاسی گھوڑے دوڑائے گئے ہیں۔ اسی لئے کسی نے کسی آیت کو ناسخ قرار دیا کسی بزرگ نے کسی دوسری آیت کو، ایک آیت پر اتفاق ممکن نہ ہو سکا کہ حقیقتاً آیت متعہ منسوخ ہوئی ہی نہیں ہے۔ گرد ہی عقائد کے تحفظ کیلئے دور از کار تاویلوں سے تمسک کی کوشش کی گئی ہے جو بہر حال عقلاء کے

نزدیک کوئی مفہوم نہیں رکھتی .. .. !!!

حقیقت یہ ہے کہ ان علماء کرام سے یہ غلطیاں اس لئے ہوئی ہیں کہ انھوں نے حلال خدا کو حرام بنانے کے لئے قرآنی قانون نسخ سے آنکھیں بند کر کے ذہنی اندھیرے میں قیاسی گھوڑے دوڑانا شروع کر دیئے قرآن کریم نے قانون نسخ کو بڑے واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

قرآنی قانونِ نسخ

ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا، الم تعلم ان اللّٰہ علیٰ کل شئ قدیر[1]

جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو لاتے ہیں دوسری بہتر اس سے یا کم از کم اس جیسی۔ کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے

(ترجمہ پیر کرم شاہ ضیاء القرآن ج اول صـ ۸۳-۸۴ لاہور)

قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں قرآنی قانون نسخ کا اطلاق اسطرح ہوگا کہ منسوخ شدہ آیت جس موضوع میں تھی اسی موضوع میں زیادہ بہتر اور زیادہ ترقی یافتہ یا اسی مقصد کے لئے اس سے ملتا جلتا حکم، لیکن کسی نہج سے زیادہ مفید حکم دیا جانا ضروری ہے۔

مثلاً ابتداء میں جنسی کجروی میں گرفتار عورتوں کے لئے زیر نظر سزا تجویز کی گئی تھی واللتی یاتین الفاحشۃ من نسآئکم

---

[1] القرآن پ۱ البقرہ آیۃ ۱۰۶

فاستشهدوا علیهن اربعۃ منکم ج فان شہدوا فامسکوھنّ فی البیوت حتی یتوفّاھنّ الموت أو یجعل اللہ لھن سبیلاً ؎

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کریں تو تم ان پر اپنوں میں سے چار کی گواہی طلب کرو۔ پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو تا اینکہ موت ان کو پورا پورا لے لے یا اللہ تعالےٰ ان کے لئے کوئی راہ بتا دے"

اسلامی معاشرے کی ابھی ابتدا ہو رہی تھی اور تہذیب و تمدن سے دور عربوں کے ماحول میں جنسی کجروی میں گرفتار عورتوں کے لئے ابتداءً یہ سزا تجویز کی گئی کہ ان کو گھر کے کسی کونے گوشے میں ڈال دیا جائے تاکہ وہ ذہنی اور عملی کرب میں مبتلا ہوں۔ لیکن یہ سزا جہاں ان عورتوں کے لئے تھی ان کے خاندان کے افراد کے لئے بھی پریشانی اور تکلیف کا باعث تھی۔ آخر ان کی غذا اور لباس کا بندوبست تو اہل خاندان ہی کو کرنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ مرتکب جرم مردوں کے لئے کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی تھی اس لئے جب اسلامی معاشرہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہو گیا تو اس سزا کو معطل کر دیا گیا اور اس کی جگہ بے شوہر عورتوں اور بے زوجہ مردوں کے لئے سو کوڑوں کی سزا تجویز کی گئی اور شادی شدہ عورتوں اور مردوں کو رجم یعنی سنگساری کی سزا دی گئی جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کلّ واحد منھما مائۃ

؎ القرآن پ۴ النساء آیۃ ۱۵

جلدة من ولا تأخذكم بهما رأفة فی دین
اللہ ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر
ولیشھد عذابھما طائفة من المومنین

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مردوں میں سے ہر ایک
کو سو سو کوڑے لگاؤ اور اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان
رکھتے ہو تو خدا کے قانون کے مطابق سزا جاری کرنے میں ان
دونوں کے متعلق تمہیں رحم نہ آجائے اور چاہیئے کہ ان دونوں
کی سزا کے وقت مومنوں کا ایک گروہ موجود رہے"

شوہر دار عورت اور شادی شدہ مرد کے لئے سنگساری کی سزا آیت رجم
میں مذکور ہوئی جو منسوخ التلاوہ ہے لیکن اس کے حکم پر پیغمبر اسلام صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور سے اس وقت تک عمل ہوتا رہا ہے یعنی شادی
شدہ جوڑوں کی سزا کی اس نوعیت پر اجماع امت مسلمہ ہے بہرحال
سورۃ نساء کی آیت کا حکم سورہ نور کی آیت اور آیت رجم سے منسوخ
کردیا گیا اور یہ تنسیخ بالکل عقل کے مطابق ہے کہ سابقہ سزا چنداں مؤثر
نہیں تھی، رائج سزا بڑی مؤثر اور فواحش کو روکنے میں بڑی گہری تاثیر
رکھتی ہے۔ یعنی دونوں آیتوں کا موضوع زنا کے مجرموں کی سزا ہے
پہلی سزا ایک حد تک غیر مؤثر اور ناقص تھی کہ اس میں مردوں کا ذکر
نہیں تھا اس لئے اس کو ختم کر دیا گیا اور زیادہ مؤثر مکمل سزا تجویز
کردی گئی۔

۱؎ القرآن ۱۸؍ النور آیت ۲

آیت متعہ میں جنسی ہیجان کی تسکین اور تحفظ عفت کا باضابطہ وسیلہ مہیا کیا گیا ہے، اب اگر یہ حکم معطل ہو تو لازم ہے کہ جنسی جذبہ کی تسکین اور تحفظ عفت کے لئے زیادہ بہتر طریقہ تجویز کیا جائے۔ جبکہ پورے قرآن میں ایسی کوئی آیت موجود نہیں ہے۔ اس لئے **قرآنی قانون نسخ** کے مطابق **آیتِ متعہ منسوخ ہی نہیں ہوئی** حضور پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف بھی ذخیرۂ احادیث میں کوئی نسبت ایسی موجود نہیں ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہو کہ آیت متعہ منسوخ ہو گئی ہو ... **لہٰذا متعہ کا حکم آج بھی جاری اور نافذ ہے۔**

تاہم اگر کوئی صاحب متعہ کو ناپسند نہ کریں تو وہ بے شک متعہ نہ کریں اس لئے کہ متعہ مباح ہے واجب نہیں، خود نکاح بھی واجب نہیں ہے۔ وہ بھی مباح ہے، لیکن حلال خدا کو حرام کہنا مواخذۂ عقبیٰ کا موجب ہے اس لئے ہر مسلمان کو احتیاط کرنا چاہیئے۔ زیادہ وضاحت کے لئے گذارش ہے کہ مثلاً بکری کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن ایک صاحب اس کو کھانا پسند نہیں کرتے تو نہ کھائیں وہ گائے، مرغی اور تیتر وغیرہ کا گوشت کھالیں۔ مگر بکری کے گوشت کو حرام کہنے کا حق ان بزرگوار کو کہاں سے مل جائے گا۔ حلال پیغمبر اسلام ہمیشہ کے لئے حلال ہے اور حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا حرام کیا ہوا ہمیشہ کے لئے حرام ہے خواہ کوئی پسند کرے یا نہ کرے۔

اب جہاں تک سنت یعنی حدیث کے ذریعے سے ممانعت و حرمت متعہ کا سوال ہے تو اس تعلق میں ایک ایسا عجیب و غریب انتشار آرا پایا جاتا ہے جس کی مثال کسی دوسرے مبحث میں موجود نہیں ہے۔ علّامہ

ابو بکر جصاص متعہ کی حرمت و حلت کی تفصیل بتاتے ہوئے فرماتے ہیں

ابیحت فی صدر الاسلام وعام اوطاس ویوم الفتح وعمرۃ القضاء وحرمت یوم خیبر و غزوۃ تبول وحجۃ الاسلام[1]

متعہ ابتدائے اسلام، فتح مکہ، اوطاس اور عمرہ قضا کے سال مباح ہوا اور جنگ خیبر، غزوہ تبوک اور حضور کے حج آخر کے زمانے میں حرام ہوا۔

"صحیح مسلم" کے مطابق ملاحظہ فرمائیے

ابیحت ثم نسخت، ثم ابیحت ثم نسخت ثم ابیحت ثم نسخت[2]

۱۔ متعہ مباح ہوا پھر منسوخ ہوا (۲) پھر مباح ہوا پھر منسوخ ہوا (۳) پھر مباح ہوا پھر منسوخ ہوا

علامہ زرقانی نے متعہ کی حلت و حرمت کو سات بار بتلایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ابیحت سبعاً ونسخت سبعاً نسخت بخیبر وحنین وعمرۃ القضاء وعام الفتح وعام اولاوطاس وغزوۃ تبوک وحجۃ الوداع[3]

متعہ سات مرتبہ مباح ہوا اور سات مرتبہ منسوخ ہوا منسوخ ہوا خیبر میں، حنین اور غزوہ تبوک میں۔ فتح مکہ اور غزوہ اوطاس

---

[1] احکام القرآن ج ۲ صفحہ ۱۸۲ [2] صحیح مسلم مترجم ج اوّل صفحہ ۳۹۲

[3] شرح الموطا للزرقانی ج ۲ صفحہ ۲۴

اور حجۃ الوداع کے سال (یہ مذکورہ حوالے علامہ عبد الحسین احمد الامینی کی کتاب الغدیر ج ۶ صہ ۲۲۵ بیروت سے لئے گئے ہیں)

سنن ابن ماجہ میں نکاح متعہ کے ضمن میں کچھ احادیث، اباحت اور اس کی منسوخیت سے متعلق موجود ہیں جن میں ایک حدیث غزوہ خیبر کے بارے میں ہے جس میں متعہ اور پالتو گدھے کی ممانعت ذکر کی گئی ہے۔ مترجم نے اس پر جو حاشیہ لکھا ہے وہ ملاحظہ کیجئے

حاشیہ ۱ " متعہ کا نکاح یہ ہے کہ ایک میعاد معین تک نکاح کرے جیسے ایک دن، دو دن، ایک ہفتہ، ایک ماہ، ایک سال تین سال کے لئے۔ یہ نکاح اوائل اسلام میں حلال تھا پھر حرام ہوگیا، پھر حلال ہوا پھر حرام ہوا پھر قیامت تک کے لئے حرام ہوگیا لیکن بعض لوگ اس کی حرمت سے مطلع نہیں ہوئے اور اباحت کے قائل رہے۔

حاشیہ ۲ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ ممانعت اس لئے نہیں تھی کہ پالتو گدھا حرام ہے بلکہ اس وجہ سے کہ لوگوں نے یہ جانور مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے لئے تھے اور ان کا گوشت پکنے کے لئے چڑھا دیا تھا۔ چنانچہ امام مالک کے نزدیک پالتو گدھا حلال ہے۔ بس یہی احتمال متعہ میں بھی قائم ہوسکتا ہے علاوہ اس کے جنگ خیبر کے بعد مکہ فتح ہوا اور فتح مکہ میں متعہ پھر حلال ہوا تھا۔ جیسے دوسری حدیث سے ثابت ہے لہذا یہ ممانعت حرمت کی دلیل نہیں ہوسکتی ۔"

لہ سنن ابن ماجہ ج دوم صہ ۶۳

متعہ کی حلت وحرمت کا یہ گورکھ دھندا اتنا دلچسپ ہے کہ جناب امام شافعی کو بھی اس پر حیرانی اور تعجب کا اظہار کرنا پڑا ہے اور فرمایا ہے

لا اعلم فی الاسلام شیئاً اُحل ثم حرم ثم اُحل ثم حرم غیر المتعۃ [1]

مجھے اسلام میں متعہ کے سوا کوئی ایسی چیز معلوم نہیں جو حلال کی گئی ہو پھر حرام کی گئی ہو پھر حلال کی گئی ہو، پھر حرام کی گئی ہو ...... !!؟

بہرحال حلت وممانعت متعہ کے اس عجوبہ سے بس اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان منکرین کرام کے نزدیک شریعت اسلام ایک مذاق ہے اور اللہ ورسولؐ کا قانون ایک تماشہ بلکہ اچھی خاصی موم کی ناک کہ جب جی چاہا حرام کہہ دیا اور جب جی چاہا حلال کہہ دیا۔ حالانکہ بقول امام شافعی اس تماشے کی کوئی دوسری مثال موجود نہیں ہے تو اس لئے بجا طور پر یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ متعہ کی مشروعیت اور اس کا جواز حضرت عمرؓ کے زمانے تک محل بحث نہیں تھا۔ صرف حضرت عمرؓ کے حکم کے بعد ان کے حکم کو تحفظ دینے کے لئے بے معنی ہاتھ پیر مارنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بہت سے مفسروں نے آیت متعہ کو آیت محکمہ تسلیم کیا ہے علامہ جاراللہ زمخشری آیۂ متعہ (فما استمتعتم به منهن الخ) کے ذیل میں فرماتے ہیں "وعن عباس هي محكمة لم تنسخ [2]۔

ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ آیۂ متعہ محکم آیت ہے منسوخ نہیں ہوئی

---

[1] تفسیر الخازن ج اوّل ص ۳۵۰

[2] تفسیر کشاف ج اوّل ص ۳۹۱

علامہ علاؤالدین علی بن محمد الخازن فرماتے ہیں کہ :-

عن ابن عباس فی المتعۃ : فروی عنہ ان الآیۃ محکمۃ وکان یرخص فی المتعۃ قال عمارۃ سألت ابن عباس عن المتعۃ أسفاح ھی أم نکاح ؟ فقال لا سفاح ولا نکاح قلت فما ھی ؟ قال متعۃ ، قال اللہ تعالیٰ فما استمتعتم بہ منھن الخ قلت ھل لہا عدۃ ؟ قال نعم حیضۃ ! قلت ھل یتوارثان ؟ قال لا [1]

جناب ابن عباس رضی کا قول بیان کیا گیا ہے کہ آیت متعہ محکم آیت ہے اور ابن عباس ہمیشہ متعہ کی اجازت دیا کرتے تھے عمارہ کہتے ہیں میں نے ابن عباس سے متعہ کے متعلق پوچھا کہ وہ نکاح ہے یا سفاح ؟ انھوں نے کہا نہ نکاح ہے نہ سفاح میں نے پوچھا پھر کیا ہے ؟ تو انھوں نے کہا متعہ ہے جیسے کہ خدا نے فرمایا ہے فما استمتعتم بہ منھن الخ میں نے کہا کیا متعہ میں عدت ہے ؟ انھوں نے کہا ہاں ایک حیض ، میں نے کہا کیا وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں ؟ کہا نہیں

محمد حسین بن مسعود البغوی فرماتے ہیں :-

وکان ابن عباس رضی اللہ عنھما یذھب الی ان الآیۃ

---

[1] تفسیر الخازن ج اول صلا ۵۰

محکمة و ترخص فی نکاح المتعة، وروی عن ابی نضرة قال اسئلت ابن عباس رضی اللہ عنہما عن المتعة فقال اما تقرأ فی سورة النساء "فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمّی" قلت لا اقرأ ھکذا قال ابن عباس رضی ھکذا انزل اللہ ثلاث مرات[1]

"حضرت ابن عباس رضی آیت متعہ کو آیت محکمہ سمجھتے تھے اور نکاح متعہ کو جائز جانتے تھے۔ ابو نضرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رض سے متعہ کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے کیا تم سورۃ نساء میں آیت متعہ "فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمّی" نہیں پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا اس طرح سے تو نہیں پڑھتا، تو جناب ابن عباس رض نے فرمایا کہ خداوند عالم نے تو یہ آیت اسی طرح نازل فرمائی ہے اور یہ بات آپ نے تین بار دہرائی یعنی زور دے کر کہی ... ... !!!

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں :-

واخرج عبد الرزاق و ابو داؤد فی ناسخه و ابن جریر عن الحکم انه سئل عن هذه الآیة أمنسوخة قال لا وقال علیؑ لولا ان عمرؓ نهی عن المتعة ما زنی الا شقی[2]

عبدالرزاق، ابو داؤد اور ابن جریر نے حکم کا قول بیان کیا ہے

---

[1] تفسیر بغوی برحاشیہ تفسیر خازن ج اوّل صد ۵۰۔

[2] تفسیر در منثور ج ۲ صد ۱۴۰

کہ موصوف سے آیت متعہ کے متعلق پوچھا گیا کہ یہ آیت منسوخ ہے تو آپ نے کہا نہیں منسوخ نہیں ہے اور حضرت علی علیہ السلام کا یہ قول بیان کیا کہ اگر عمرؓ متعہ سے منع نہ کرتے تو بدبخت کے علاوہ کوئی زنا نہ کرتے۔

علامہ فخر الدین رازی عمران بن الحصین کا متعہ کے متعلق نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واما عمران بن الحصین فانہ قال: نزلت آیۃ المتعۃ فی کتاب اللہ تعالیٰ ولم تنزل بعدھا آیۃ تنسخھا وامرنا بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وتمتعنا بھا ومات ولم ینھنا عنہ ثم قال رجل برأیہ ماشاء[1]

عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ آیت متعہ کتاب خدا میں نازل ہوئی اور اس کے بعد کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جو اسے منسوخ کرتی اور اس آیت کے تحت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں حکم متعہ دیا اور ہم نے متعہ کیا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس حال میں رحلت فرمائی کہ حضورؐ نے ہمیں متعہ سے نہیں روکا پھر ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا ۔۔۔۔؟!! اور ظاہر ہے کہ کسی بھی شخص کی رائے خواہ وہ کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو قانون شریعت کو تبدیل نہیں کر سکتی۔

---

[1] تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۹-۵۰

حضرت علی علیہ السلام کی رائے متعہ کے متعلق ہر شخص کو معلوم ہے کہ وہ حضرت ؑ متعہ کو امر مشروع جانتے تھے۔ علامہ رازی تحریر فرماتے ہیں

وروی محمد بن جریر الطبری فی تفسیرہ عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال:
لولا ان عمرؓ نہی الناس عن المتعۃ ما زنی الا شقی ؎

محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت علی علیہ السلام کی فرمائش نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر عمرؓ لوگوں کو متعہ سے نہ روکتے تو بدبخت کے علاوہ کوئی زنا نہ کرتا

یعنی حضرت علی علیہ السلام کے نزدیک متعہ کی مشروعیت، اللہ و رسول کی طرف سے ثابت ہے صرف جناب عمرؓ نے لوگوں کو اس سے روکا ہے اور موصوف کے حکم کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ کے ارشاد کی روشنی میں باسواد اور فہیم مسلمان متعہ کرتے رہے۔۔۔!!! اس لئے کہ درحقیقت جناب عمرؓ کا فرمان متعہ کی مشروعیت کی بڑی مضبوط دلیل ہے۔

امام راغب اصفہانی نے محاضرات ج ۲ صہ ۹۴ پر علامہ یحییٰ بن اکثم قاضی بغداد کا ایک بزرگ سے مناظرہ نقل کیا ہے۔

قال یحییٰ بن اکثم لشیخ بالکسرۃ بمن اقتدیت فی جواز المتعۃ؟ قال بعمر بن الخطابؓ. قال کیف وعمرؓ اشد الناس فیہا؟ قال لان

؎ تفسیر کبیر ج ۱۰ صہ ۵۰

الخبر الصحیح انّہ صعد المنبر فقال " ان اللہ و رسولہ قد احلّا لکم متعتین وانّی محرّمہما علیکم واعاقب علیہما، فقبلنا شہادتہ ولم نقبل تحریمہ [1]

یحییٰ بن اکثم نے شیخ سے کہا کہ تم نے جواز متعہ میں کس کی پیروی کی ہے ؟ انھوں نے کہا عمر بن خطابؓ کی! قاضی صاحب نے فرمایا یہ کس طرح ؟ حضرت عمرؓ تو ممانعت متعہ میں بڑے سخت تھے !! انھوں نے جواب دیا: اس لئے کہ خبر صحیح میں ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دن منبر پر تشریف لے گئے اور کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے دو متعے حلال کئے تھے میں ان کو حرام کرتا ہوں اور ان کے ارتکاب پر سزا دوں گا تو ہم نے ان کی گواہی قبول کر لی کہ خدا اور رسول نے متعۃ النساء اور متعۃ الحج کو حلال کیا ہے لیکن ان کے حکم ممانعت کو قبول نہیں کیا کہ آپ شارع نہیں ہیں صرف حاکم ہیں !!

ممانعت متعہ سے متعلّق حضرت عمرؓ کے حکم کی حیثیت

حد اعتدال سے بڑھی ہوئی عقیدت اور محبت، محبوب کی تائید و توثیق کے لئے، مبالغہ اور غلو کے واسطے انسان کو آمادہ اور تیار کر لیتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ممانعت متعہ کا جو حکم صادر فرمایا تھا وہ واضح طور پر ایک انتظامی حکم تھا لیکن بعد میں آنے والی نسلوں کے علماء نے حضرت

---

[1] الغدیر ج ۶ ص ۲۱۲

عمرؓ کے حکم کو شرعی حکم ثابت کرنے کے لئے قرآن و سنت سے متعہ کی منسوخیت کے واسطے ہاتھ پیر مارے ۔۔ ۔۔ ۔۔ !! جبکہ خود جناب عمرؓ کے ارشاد کی روشنی میں ان کا حکم کوئی شرعی حکم نہیں تھا۔ اس لئے حکم متعہ کی منسوخیت کا افسانہ کج مج بیانی سے آگے نہ بڑھ سکا۔ حضرت عمرؓ کے الفاظ، جیسا کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں متعۃ النساء اور متعۃ الحج رائج تھے، میں ان کی ممانعت کرتا ہوں اور ان کے مرتکب کو سزا دوں گا" ان کا انداز گفتگو اور کلام کا دروبست واضح دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے حکم کو انتظامی حکم کی حیثیت سے نافذ کر رہے ہیں اور اس شبہ کو دفع کرنے کے لئے کہ اس حکم کو کوئی حکم شرع نہ سمجھ بیٹھے (کہ شرع میں یعنی حکم خدا اور رسول میں تو متعہ مشروع ہے) فرمایا "میں اس کی ممانعت کرتا ہوں ۔۔ ۔۔ !! جن حالات میں حضرت عمرؓ نے یہ حکم دیا وہ انتظامی ممانعت کے متقاضی تھے۔ جیسا کہ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے جن کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے یہ حکم دیا تھا: واخرج مالک وعبد الرزاق عن عروۃ بن زبیر، ان خولۃ بنت حکیم دخلت علی عمر بن خطاب وقالت ان ربیعۃ بن امیہ استمتع بامرأۃ مولدۃ فحملت منہ فخرج عمر بن الخطاب یجر رداءہ فزعاً فقال ہذہ المتعۃ ؟ ولو کنت تقدمت فیہا لرجمت[1]

مالک اور عبد الرزاق نے عروہ بن زبیر سے روایت کی ہے کہ خولہ بنت حکیم، جناب عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ

---

[1] تفسیر در منثور ج ۲ صہ ۱۴۱

ربیعہ بن امیّہ نے ایک کم عمر لڑکی سے متعہ کرلیا ہے اور وہ ان سے حاملہ ہوگئی ہے ... !! تو حضرت عمر رض یہ سن کر غصّے میں اپنی چادر زمین پر گھسیٹتے ہوئے باہر آئے اور فرمایا: یہ ہے متعہ ... ؟؟ اگر میں پہلے متعہ کی ممانعت کا حکم کرچکا ہوتا تو سنگساری کا حکم دے دیتا۔

دوسرا قصّہ عمر بن حریث کا ہے: حدثنی محمد بن رافع قال حدثنا عبد الرزاق قال اخبرنا ابن جریج قال اخبرنی ابو الزبیر قال سمعت جابر بن عبد اللہ یقول: کنا نستمتع بالقبضہ من التمر والدقیق: الایام علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم وابی بکر حتی فھی عنہ عمر فی شان عمرو بن حریث [1]

ابو الزبیر کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبد اللہ انصاری رض کو کہتے ہوئے سنا کہ: ہم برابر مٹھی بھر کھجوروں اور آٹے کے عوض جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور حضرت ابوبکر کے زمانے میں متعہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رض نے عمرو بن حریث کے قصّے میں اس کی ممانعت کردی۔

---

[1] صحیح مسلم مترجم ج ۲ صہ ۳۶۲

عمرو بن حریث کا قصہ یہ ہے : عن جابرؓ قال قدم عمرو بن حریث الکوفۃ فاستمتع بمولاۃ فاتی بہا عمر حبلیٰ فسائلہ فاعترف قال فذلک حین نہی عنہا عمرؓ ؎

جناب جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرو بن حریث صحابی رسول، کوفہ آئے اور وہاں انھوں نے ایک کنیز سے متعہ کیا، وہ کنیز حضرت عمرؓ کے پاس لائی گئی تو حاملہ تھی، آپ نے حضرت عمرو بن حریث سے دریافت کیا، انھوں نے اقرار کرلیا۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے متعہ کی ممانعت کردی"

پہلے واقعہ میں ربیعہ بن امیہؓ نے ایک کم عمر لڑکی سے متعہ کرلیا تھا اور ظاہر ہے کہ کنواری لڑکی سے متعہ مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے قصہ میں عمرو بن حریثؓ نے ایک کنیز سے متعہ کرلیا تھا، ممکن ہے کہ انھوں نے اس کنیز کے آقا سے اجازت نہ لی ہو۔ ان دونوں واقعات کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے یہ ضروری سمجھا کہ متعہ کو انتظاماً ممنوع قرار دیں تاکہ لوگ شرعی جواز سے غلط فائدہ نہ اٹھائیں۔ یہ تو متعہ کی ممانعت کا قصہ ہے۔ اگر عقد دائمی سے بھی کوئی مفسدہ پیدا ہوتا ہو تو حاکم وقت یا قاضی کو ایسا نکاح روک دینے کا حق پہنچتا ہے لیکن یہ انتظامی اور وقتی حکم ہوگا۔ دائمی نہیں ... !!

نکاح متعہ از روئے قانون اسلام جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایسے مذکورہ ناگوار واقعات کی وجہ سے ممنوع قرار دیا۔ اس حکم سے

؎ فتح الباری ج ۹ صہ ۱۳۷

متعہ کا شرعی جواز قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ ایک وقت خاص کے لئے اس پر عملدرآمد ملتوی سمجھا جائے گا مثلاً ایک سڑک پر سے پانچ یا اس سے زیادہ آدمیوں کے گذرنے کا دستوری حق حاصل ہے لیکن ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کسی فساد کے خطرہ کے پیش نظر ایک وقتی انتظامی حکم نافذ کر کے اس سڑک پر سے چار سے زیادہ آدمیوں کے گذرنے کو ممنوع قرار دے دیتا ہے۔ یہ وقتی ممانعت بالکل درست ہے کہ رفع خطرۂ فساد کے لئے کی گئی ہے لیکن اس سے عوام کا سڑک پر سے گذرنے کا حق ہمیشہ کے لئے سلب نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ سڑک پر سے کسی تعداد میں بھی گذرنا عوام کا دستوری حق ہے اور ممانعت قانونی ضرورت کے تحت ہے۔ لہذا دستوری حق، قانون ضرورت کی حد تک معلق ہو جائے گا، معدوم نہیں ہوگا اور ضرورت کے ختم ہوتے ہی خود بخود بحال ہو جائے گا۔ ۔۔ !! اسی طرح سے حضرت عمرؓ کا حکم ممانعت متعہ، قانون ضرورت کے تحت نافذ ہوا اور متعہ کا دستوری حق بنص قرآن وحدیث وعمل اصحاب کرامؓ باقی وجاری رہا"

قرآن کی آیت کے متعلق تو ہم تفصیلاً عرض کر چکے ہیں۔ ایک دفعہ آیت کو پھر دہرا لیجئے: فما استمتعتم به منهن فاتو هن اجورهن فريضة [1]

جہاں تک احادیث رسول اور عمل اصحاب کا تعلق ہے تو ملاحظہ فرمائیے

عن قيس قال سمعت عبد الله بن مسعود يقول

---

[1] القرآن پ۵ النساء آیہ۲۴

کنّا نغزو مع رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم لیس لنا نساء فقلنا : ان لا نستخصی ؟ فنہانا عن ذلک ثم رخص لنا ان ننکح المرأۃ بالثوب إلی اجل ثم قرأ عبد اللہ : یا ایہا الذین اٰمنوا لا تحرّموا طیّبات ما احلّ اللہ لکم ولا تعتدوا انّ اللہ لا یحب المعتدین[1]

قیس نے جناب عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت بیان کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں : ہم جناب رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ عالم حرب وجنگ میں تھے اور ہمارے پاس عورتیں نہیں تھیں تو ہم نے کہا : ہم اپنے آپ کو خصی نہ کرلیں تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہمیں اس حرکت سے منع کیا اور اجازت دی کہ ہم کسی عورت سے کوئی کپڑا بطور مہر دے کر ایک مدت معین کے لئے نکاح کریں پھر جناب عبد اللہ نے یہ آیت پڑھی : اے ایمان والو! اللہ نے تمہارے لیے جو پاکیزہ چیزیں حلال کی ہیں انھیں حرام مت کرو اور حد سے آگے نہ بڑھو ، اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔"

یعنی جناب عبد اللہ بن مسعود نے متعہ کی مشروعیت کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ متعہ کو ناجائز سمجھنے والے ، حلال خدا کو حرام بنانے والے اور حدود خدا کو توڑنے والے ہیں اور بہرحال یہ طرز عمل کسی مسلمان کے لئے مناسب

---

[1] صحیح مسلم مترجم ج ۲ ص ۳۶۲ - ۳۶۳

نہیں ہو سکتا۔

عن جابر بن عبد اللہ وسلمۃ ابن الاکوع قالا:
خرج علینا منادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم
فقال: انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلّم قد اذن لکم ان تستمتعوا یعنی متعۃ
النساء [1]

جناب جابر بن عبد اللہ اور سلمہ ابن اکوع کہتے ہیں کہ رسول
اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا منادی ہمارے پاس آیا اور اس
نے کہا کہ، بے شک اللہ کے رسول نے تم لوگوں کو متعہ کرنے کی
اجازت دی یعنی متعۃ النساء کی۔

انہی سلمہ ابن اکوع اور جابر بن عبد اللہ سے دوسری
حدیث اس طرح مروی ہے۔

انّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم
اتانا فاذن لنا فی المتعۃ [1]

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہمارے پاس تشریف لائے
اور ہمیں متعہ کی اجازت دی"

قال عطاء قدم جابر بن عبد اللہ معتمرا فجئنا
بمنزلہ فسألہ القوم عن اشیاء ثم ذکروا المتعۃ
فقال: نعم استمتعنا علی عہد رسول اللہ وأبی بکر
وعمر [2]

---

[1] صحیح مسلم مترجم ج ۲ صہ ۳۶۲ [2] صحیح مسلم ج ۲ صہ ۳۶۲

عطا کہتے ہیں کہ جابر بن عبد اللہ انصاریؓ عمرہ کرنے کے لئے
آئے تو ہم ان سے ملنے ان کی جائے قیام پر گئے، کچھ لوگوں
نے ان سے بعض مسائل کے متعلق دریافت کیا۔ اس کے بعد
متعہ کا ذکر چھیڑا تو انھوں نے فرمایا: ہاں ہم حضور پیغمبر اسلام
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور حضرت ابوبکر و عمرؓ کے زمانے
میں متعہ کرتے رہے ہیں۔

عن الحسن بن محمد عن جابر بن عبد اللہ و
سلمۃ بن اکوع قالا: کنا فی جیش فاتانا رسول
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال: انہ
قد اذن لکم ان تستمتعو! فاستمتعوا[1]

حسن بن محمد بیان کرتے ہیں کہ جابر ابن عبد اللہؓ اور سلمہ ابن
اکوعؓ نے کہا کہ ہم ایک لشکر میں تھے کہ ہمارے پاس رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک قاصد آیا اور اس نے کہا کہ
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم لوگوں کو متعہ کی اجازت
دی ہے۔ لہذا تم متعہ کرو۔

مذکورہ احادیث اور عمل اصحاب سے آفتاب نیم روز کی طرح واضح
ہے کہ متعہ بحکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معمول اصحاب کرام تھا۔
تاہم اس مرحلے پر بعض "مفکروں" نے اس رائے کا اظہار کیا ہے
کہ لشکر کشی کے مراحل میں لوگوں کی عورتیں تو ساتھ ہوتی نہیں تھیں
اس لئے متعہ کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اگر میدان جنگ میں جانا

---

[1] صحیح بخاری مترجم ج ۳ ص ۹۴

لشکروں میں شریک ہونا اور اپنی بیویوں سے دوری، علّت جواز متعہ تھی تو خلفاء راشدین کے دور حکومت، سلاطین بنی امیّہ اور بنی عباس کے زمانے اور اس کے بعد مغلوں اور ترکوں کے دور میں مسلمان فوجیں مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ربع مسکون کے ہر حصّے میں محاذ آرائی کرتی رہی ہیں اور اب ہمارے زمانے میں تو یہ علت اور یہ سبب زیادہ نمایاں طور پر موجود ہے کہ برسوں لوگ فوج میں شامل ہو کر سفروں میں رہتے ہیں اور ان کی بیویاں ان کے ساتھ نہیں ہوتیں اس لئے جب کہ علّت باقی ہے تو حکم متعہ کے ختم کرنے کا کوئی جواز موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اس سبب کی بنا پر متعہ کے جواز کو قبول کرنا ہی ہوگا یعنی رسول اللہ صلیّ اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانے زمین کے بڑے محدود حصّے میں فوجیں جایا کرتی تھیں جب ان مختصر سے فوجی سفروں کے سبب سے متعہ جائز تھا تو حضور کے زمانے کے بعد تو سفروں کی طوالت کی کوئی حد ہی معین نہیں کی جاسکتی اس لئے جوازِ متعہ کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔

جوازِ متعہ کا ایک نیا رُخ

بعض ذہین علماء اور مفسرین نے حضرت عمرؓ کے حکم کو تحفظ دینے کی خواہش میں جواز متعہ کا نیا زاویہ تجویز فرمایا ہے کہ جب لوگ اپنے وطن سے دور کسی اجنبی جگہ جاتے تھے تو یہ ضرورت ان کے لئے متعہ جائز تھا۔ علامہ جلال الدین سیوطی آیۂ متعہ فما استمتعتم بہ منھن الخ کے ذیل میں فرماتے ہیں

واخرج ابن ابی حاتم عن ابن عباس قال: کان

متعة النساء فی اوّل الاسلام ، کان الرجل یقدم البلدة لیس معہ من یصلح لہ ضیعتہ ولا یحفظ متاعہٗ فیتزوج المرأة الی قدر ما یریٰ انہ یفرغ من حاجتہ فتحفظ لہ متاعہ وتصلح لہ ضیعتہ وکان یقرأ فما استمتعتم بہ منھن إلی اجل مسمّی [1]

بروایت ابن ابی حاتم جناب ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ متعۃ النساء صدر اسلام میں تھا اور صورت یہ ہوا کرتی تھی کہ ایک شخص کسی شہر میں آتا تھا اور اس کے ساتھ کوئی ایسا شخص نہ ہوتا تھا جو اس کا سازو سامان تیار کر دے اور اس کے مال ومتاع کی حفاظت کرے چنانچہ وہ کسی عورت سے اتنی مدت کے لئے تزویج کر لیتا تھا جس میں اس کا کام پورا ہو جائے، پس وہ عورت اس کی پونجی کی حفاظت کرتی تھی اور اس کا کھانا وغیرہ تیار کرتی تھی اور ابن عباسؓ اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے فما استمتعتم بہ منھن إلی اجل مسمّی

اس صورت اباحت متعہ پر ایک ذہین عالم جناب حازمی نے بڑا خوبصورت حاشیہ تجویز فرمایا ہے۔

وقال الحازمی انہ (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) لم یکن اباحھا لھم قطّ وھم فی بیوتھم واوطانھم

---

[1] درمنثور ج ۲ صد ۱۳۹

وانّما اباحہا لہم فی اوقات بحسب الضرورات

جناب حائری نے فرمایا ہے کہ حضور پیغمبر صلیّ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے لئے متعہ کو مباح قرار نہیں دیا جبکہ وہ اپنے گھروں اور وطنوں میں ہوتے تھے، ہاں بے شک رسول اللہ صلیّ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے مختلف اوقات میں، مختلف ضرورتوں کے تحت متعہ کو جائز قرار دیا تھا۔"

یعنی مطلب شاعر یہ ہے کہ جب اصحاب کرامؓ کاروبار یا میل ملاقات کے لئے اپنے ہم وطنوں سے دور ہوتے تھے تو وطن اور گھروں سے دوری کی وجہ سے آنحضرت صلیّ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ کو مباح کر دیا تھا گویا ان بزرگوار کے نزدیک حلّت متعہ کا سبب وطنوں سے دوری تھی لیکن حضرت یہ سوچنا بھول گئے کہ حضور سرور کائنات صلیّ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کے بعد وطنوں سے دوری کے بہت زیادہ دواعی پیدا ہو گئے تھے اور لوگ برسہا برس وطن سے دُور رہتے تھے اور یہ وطنوں سے دوری کا سلسلہ ہر زمانے میں جاری و ساری رہا ہے فرق صرف اتنا پڑا ہے کہ صدر اسلام میں مکہ سے مدینہ، مدینہ سے کوفہ، کوفہ سے بصرہ، بصرہ سے دمشق اور دمشق سے قاہرہ وغیرہ چلے جاتے تھے لیکن جیسے جیسے اسلام آگے بڑھا، مسلمان تجارتی، تبلیغی اور تربیتی ضرورتوں کے لئے ہندوستان، چین، افریقہ، یعنی ایشیا اور یورپ کے کم وبیش تمام ملکوں میں سفر کرنے لگے اور آجکل تو مسلمان دنیا کے ہر گوشے کا تعلیمی، تجارتی، تربیتی اور تبلیغی مقاصد کے لئے سفر کرتے ہیں اور برسہا برس اپنے گھروں

اور بیوی بچوں سے دور رہتے ہیں۔ آجکل تو تعلیم و تربیت ہی کے لئے دس دس، پندرہ پندرہ سال تک لوگ بیرونی ممالک میں قیام کرتے ہیں تو اگر وطن سے دوری سبب جواز متعہ تھی تو یہ سبب زیادہ سنگین صورت میں دور رسالت کے بعد آج تک موجود رہا ہے۔ اس لئے جب یہ سبب باقی ہے تو متعہ کے جواز کو ختم کرنا صرف شاعری ہی ہو سکتی ہے شریعت نہیں ہو سکتی ۔۔ ۔۔!! شریعت تو یہی ہے کہ لوگوں کو حرام سے بچنے کے لئے خدا اور رسول کے عطا کئے ہوئے جائز ذریعہ تسکین نفس و حفظ عفت یعنی متعہ کو جائز سمجھا جائے ۔۔ ۔۔!!

آیت متعہ کے متعلق ایک دلچسپ اجتہاد

بعض طبائع اور منچلے علماء نے جب یہ محسوس کر لیا کہ قرآن و حدیث سے تو متعہ کے جواز میں کوئی شبہ پیدا ہوتا ہی نہیں ہے اس لئے انھوں نے ایک نئے اجتہاد کا سہارا لیا اور وہ یوں کہ آیت متعہ، آیۂ متعہ نہیں ہے بلکہ اس میں نکاح کا ہی حکم دیا گیا ہے جیسا کہ بعض مفسروں کا ارشاد ہے

المتعة ليست مرادة من هذه الآية والمعنى قوله فما استمتعتم به منهن ما انفعتم وتلذذتم بالجماع من النساء بالنكاح الصحيح فآتوهن اجورهن اى مهورهن كذا قال الحسن والمجاهد[1]

اس آیت سے مراد متعہ نہیں ہے بلکہ خداوند عالم کی فرمائش

---

[1] تفسیر مظہری ج ۲ ص ۷۵

فما استمتعتم بہ منھن کے معنی یہ ہیں کہ تم عورتوں
سے نکاح صحیح کے بعد جماع کر کے جو لذت اور فائدہ حاصل کرو
تو اس صورت میں اُن کے مہر دے دو۔ حسن اور مجاہد کی یہی
رائے ہے۔

جناب صدیق حسن خاں صاحب نے اسی رائے کو دہرایا ہے:

فما استمتعتم بہ منھن الآیۃ وقد اختلف
اھل العلم فی معنی الآیۃ فقال الحسن والمجاھد
وغیرھما المعنی فیما انتفعتم وتلذذتم بالجماع
من النساء بالنکاح الشرعی فآتوھن اجورھن ای
مھورھن[1]

اور اہلِ علم نے آیت کے معنی میں اختلاف کیا ہے حسن اور
مجاہد نے فما استمتعتم بہ منھن کے معنی یہ لئے ہیں
کہ جب تم نکاح شرعی کے بعد عورتوں سے جماع کی لذت
اور فائدہ حاصل کرو تو اُن کو مہر دے دو"

حقیقت یہ ہے کہ کسی ملت اور قوم نے بھی اپنی شریعت کے ساتھ
یہ مذاق روا نہیں رکھا ہے جو مسلمانوں نے اسلامی شریعت کے
ساتھ جائز رکھا۔ یہ درست ہے کہ قرآن کریم میں مجمل مطالب کی
وضاحت کا طریقہ استعمال کیا گیا ہے اور مسلمانوں نے یہ قانون تسلیم
کیا ہے کہ "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" "قرآن کی بعض آیتوں

---

[1] نیل المرام صفحہ (یہ کتاب خیر لوپر پبلک لائبریری میں موجود ہے)

کی تشریح بعض دوسری آیتیں کرتی ہیں۔ یعنی اگر ایک جگہ کوئی بات مجمل کہی گئی ہے تو دوسری جگہ اس کی وضاحت اور تشریح کر دی گئی ہے۔ تاکہ قاری ذہنی اضطراب کا شکار نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ اس قاعدے کی روشنی میں قرآن کریم کے طرزِ خطاب اور اندازِ کلام کا تقاضا یہ ہے کہ اگر نکاح کا تذکرہ مجمل کیا گیا ہوتا تو دوسری آیت میں اس کی تفصیل کر دی جاتی۔ لیکن قرآن کریم کی آیات گواہ ہیں کہ آیتِ متعہ سے پہلے حکمِ نکاح کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا:

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنیٰ الا تعدلوا واتوا النساء صدقاتهن نحلة [1]

اور عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگیں تو دو دو، تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو، لیکن اگر یہ ڈر ہو کہ تم ان میں عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک سے نکاح کرو یا وہ لونڈیاں جو تمہاری ملکیت ہیں۔ یہ طریقہ ناانصافی سے بچنے کے لئے زیادہ مناسب ہے اور عورتوں کے مہر ان کو خوشی خوشی دے دو۔ وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم احداهن قنطارا فلا تاخذوا منه شیئا اتاخذونه بهتانا واثما مبینا [2]

---

[1] القرآن پ۴ النساء آیت ۳-۴ [2] القرآن پ۴ النساء آیت ۲۰

اگر تمہارا ارادہ ہو کہ ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کر لو تو جو مال کثیر تم اسے دے چکے ہو اس میں سے ہرگز کچھ بھی واپس نہ لو۔ کیا تم کھلا ہوا گناہ کر کے اور بہتان لگا کر اپنا مال واپس لینا چاہتے ہو (زمانہ جاہلیت کی طرح)

وان طلّقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم الّا ان يعفون او يعفوا الذى بيده عقدة النكاح [1]

اگر تم اپنی بیویوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو اور تم ان کا مہر تو مقرر کر ہی چکے تھے، تو جو مہر تم نے مقرر کیا تھا اس کا آدھا آدھا ادا کر دو مگر یہ کہ وہ اپنا حق معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔

مذکورہ بالا آیتوں میں حکم نکاح اور مہر کی ادائیگی کے واضح احکام اس طرح بیان کیے گئے ہیں جن میں کوئی خفا نہیں ہے۔ یہ بتلا دیا گیا ہے کہ اگر عورت سے بعد نکاح نزدیکی کر لی جائے تو پورا مقررہ مہر دینا ہوگا اور اگر نزدیکی سے پہلے طلاق دے دیا گیا تو آدھا مہر ادا کرنا ضروری ہوگا۔ اتنے روشن احکام کے بعد بھی اگر فما استمتعتم به منهن الخ میں نکاح کا ہی ذکر ہے تو ایک واضح حکم کو چیستان اور پہیلی میں تبدیل کرنا ہے ۔۔۔!!
اور یہ قرآن کریم کے انداز تکلم اور مزاج شریعت کے خلاف ہے۔

---

[1] القرآن پ۲ البقرہ آیت۲۳۷

اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ آیۂ فما استمتعتم بہ منھن الخ میں "نکاح موقت" کا حکم دیا گیا ہے اور اس لئے اس کو لفظ "استمتاع" سے بیان کیا گیا تاکہ قاری اس کو پہلا حکم ہی نہ سمجھ بیٹھے یعنی حکم نکاح اور اسی وجہ سے تمام مفسّرین نے آیۂ فما استمتعتم سے حکم متعہ ہی سمجھا ہے جیسا کہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے فرمایا ہے۔

وقال الجمھور ان المراد بھذہ الآیۃ نکاح المتعۃ الذی کان فی صدر الاسلام ویؤیّد ذلک قراءۃ ابی بن کعب وابن عباس وسعید بن جبیر؛
فما استمتعتم بہ منھن إلی اجل مسمّٰی فآتوھن اجورھن [۱]

اگر جمہور نے کہا ہے کہ اس آیت سے مراد نکاح متعہ ہے جو صدر اسلام میں تھا اور اس حقیقت کی تائید و توثیق کرتی ہے ابی بن کعب، ابن عباس اور سعید بن جبیر کی قرأت
"صدر اسلام" کی قید بڑی دلچسپ ہے نواب صاحب یہ بھول گئے کہ آیۂ متعہ مدنی آیت ہے اور "صدر اسلام" کا اطلاق حضورؐ کی مکی زندگی کے ابتدائی دور پر ہوسکتا ہے ۔۔۔ ۔۔۔!!

جناب فخر الدین رازی لکھتے ہیں: انّ المراد بھذہ الآیۃ حکم المتعۃ وھی عبارۃ عن أن یستأجر الرجل المرأۃ بمال معلوم إلی اجل معین فی

---

[۱] نیل المرام ص۱۶۵

جامعهاء واتفقوا على انّها كانت مباحة فی ابتداء الاسلام [۱]

بے شبہ اس آیت کا مقصود "حکم متعہ" ہی ہے اور متعہ کے معنی یہ ہیں کہ مرد کسی عورت سے وقت معین کے لئے مہر معلوم کے ساتھ ربط پیدا کرے اور اس سے جنسی فعل کرے۔ عالم اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ متعہ ابتدائے اسلام میں مباح تھا۔"

جناب رازی صاحب بھی یہ بھول گئے ہیں کہ "ابتدائے اسلام" سے مدنی آیت متعلق نہیں ہو سکتی ... ... !! اسلام کی ابتدا مکہ میں ہوئی ہے اور مکہ ہی کے عرصہ قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسلام کا ابتدائی زمانہ کہا جائیگا۔

جناب علامہ خازن بغدادی فرماتے ہیں:۔

وقال قوم المراد من حکم الآیة هو نکاح المتعة وهو ان ینکح امرأة إلى مدة معلومة بشیٔ معلوم واذا انقضت تلك المدة بانت منه بغیر طلاق ویستبرئ رحمها ولیس بینهما میراث وکان هذا فی ابتداء الاسلام [۱]

اور قوم نے کہا ہے کہ حکم آیت سے مراد نکاح متعہ ہے اور متعہ یہ ہے کہ ایک مرد کسی عورت سے مہر معین کے ساتھ مدت مقررہ کے لئے نکاح کرلے پس جب یہ مدت

---

[۱] تفسیر خازن ج اوّل ص۳۵

ختم ہوگی تو وہ عورت اس شخص سے بغیر طلاق کے جدا ہو جائے گی اور اپنے رحم کا استبراء کرے گی یعنی عدہ رکھے گی اور ان دونوں میں میراث نہیں ہے اور یہ متعہ ابتدائے اسلام میں ہوا کرتا تھا۔

میرا خیال ہے کہ یہ "ابتدائے اسلام" کا جملہ مفسرین کرام بغیر سوچے سمجھے رواجاً لکھ جاتے ہیں ... !! اس لئے کہ ابتدائے اسلام میں تو متعہ تھا ہی نہیں اس کا حکم تو مدنی زندگی میں نازل ہوا ہے۔ چونکہ یہ حضرات جواز متعہ سے انکار تو کر نہیں سکتے محض بات کی پچ کے لئے ابتدائے اسلام کا تذکرہ کر دیتے ہیں جو خود ان لوگوں کے عقیدے کی تکذیب کے لئے کافی ہے۔

علامہ جار اللہ زمخشری فرماتے ہیں

فما استمتعتم به منهن فأتوهن اجورهن فريضة، قيل نزلت فى المتعة التى كانت ثلاثة ايام حين فتح الله مكة على رسوله عليه الصلوٰة والسلام ثم نسخت، كان الرجل ينكح المرأة وقتاً معلوماً ليلة أو ليلتين أو اسبوعاً بثوب أو غير ذلك ويقضى منها نظره ثم يعترحها سميت متعة لاستمتاعه بها أو لتمتعيه لها لما يعطيها[1]

کہا گیا کہ یہ آیت متعہ کے بارے میں نازل ہوئی جو تین

---

[1] تفسیر کشاف ج اول صد ۳۹۱

دن کے لئے جائز تھا جبکہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر مکہ کو فتح کیا۔ پھر یہ آیت منسوخ ہوگئی اور متعہ یہ تھا کہ ایک مرد، ایک عورت سے نکاح کرتا تھا وقت مقرر کے لئے، ایک رات، دو راتیں یا ایک ہفتہ کے لئے، مہر میں کپڑا یا کچھ اور دے کر اپنی غرض اس سے پوری کر لیتا تھا پھر اس کو رخصت کر دیتا تھا اس طرز نکاح کا نام "متعہ" اس لئے رکھا گیا کہ مرد عورت سے استمتاع کرتا تھا یا عورت کو جو کچھ دیتا تھا اس کے بدلے میں فائدہ اٹھاتا تھا۔

علامہ زمخشری نے "متعہ کے متعلق اپنے اضطراب ذہنی کو چھپانے کی بڑی کوشش کی ہے مگر ان کی یہ کوشش لطیفہ بن گئی، جیسا کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ:

"متعہ فتح مکہ کے موقع پر تین دن کے لئے جائز ہوا تھا پھر منسوخ ہوگیا" لیکن اس کی تفصیل لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "متعہ ایک رات، دو رات یا ایک ہفتہ کے لئے کر لیا جاتا تھا۔" کوئی جار اللہ صاحب سے کیونکر پوچھے کہ جب متعہ فقط تین دن ہی کے لئے جائز ہوا تھا تو اصحاب نبی "ایک ہفتہ" کا متعہ کیسے کرتے تھے ۔۔۔؟ حقیقت یہ ہے کہ زبان ہو یا قلم حق جاری ہو کر ہی رہتا ہے۔

علامہ طوسی فرماتے ہیں۔

انما استمتعتم به منهن الخ وقال آخرون هو

نکاح المتعۃ وھو ان تنکح المرأۃ الی مدۃ فاذا انقضت تلک المدۃ بانت منہ بلا طلاق و یستبرئ رحمھا ولیس بینھما میراث وکان ذلک مباحاً فی ابتداء الاسلام [۱]

اور کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ آیت سے مراد نکاح متعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت سے ایک مدت مقررہ کے لئے نکاح کیا جائے، جب یہ مدت ختم ہوجائے تو وہ مرد سے بلا طلاق جدا ہوجاتی ہے اور عدت رکھتی ہے، دونوں میں میراث نہیں ہوتی۔ اور یہ متعہ ابتدائے اسلام میں مباح تھا۔

جناب سید محمود آلوسی فرماتے ہیں۔

ولا نزاع عندنا فی انھا احلت ثم حرمت [۲]

اور ہمارے نزدیک اس میں کوئی جھگڑا نہیں ہے کہ متعہ حلال تھا، بعد میں حرام ہوگیا۔ علامہ آلوسی نے حرمت متعہ سے متعلق جو بحث کی ہے اس میں یہی بیان کیا ہے کہ پہلے حلال تھا پھر حرام ہوگیا۔ پھر حلال ہوگیا، پھر حرام ہوگیا۔

گویا جناب آلوسی کے نزدیک، شریعت بچوں کا کھیل ہے کہ جب چاہا گھروندا بنالیا اور جب چاہا بگاڑ دیا۔۔۔۔۔۔!!

حقیقت یہ ہے کہ متعہ کی حلت نص قرآن وحدیث میں اتنی واضح ہے کہ جس کو حرام ٹھہرانے کے لئے کوئی حربہ کارگر نہیں ہوتا۔ بقول

---

[۱] تفسیر بغوی برحاشیہ تفسیر خازن ج اوّل ص۴۲۳ [۲] تفسیر روح المعانی ج ۵ ص۷

جناب ابن عباسؓ متعہ تو امت محمدیہ کے لئے رحمت تھا اور رحمت ہے جیسا کہ فرمایا:

واخرج عبد الرزاق وابن المنذر من طریق عطاء عن ابن عباس قال: یرحم اللہ عمرؓ ما کانت المتعۃ الا رحمۃ من اللہ رحم بہا امۃ محمدؐ ولولا نھیہ عنھا ما احتاج إلی الزنی الا شقی وقال وھی التی فی سورۃ النساء فما استمتعتم بہ منھن إلی کذا وکذا من الاجل علی کذا وکذا قال ولیس بینھما وراثۃ فان بدالھما ان تیرا ضیا لبعد الاجل فنعم وان تفرق فنعم ولیس بینھما نکاح واخبرانہ سمع ابن عباس یراہ الآن حلالا [۱]

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خدا عمرؓ پر رحم فرمائے متعہ تو اللہ کی طرف سے امت محمدیہ کے لئے ایک رحمت تھا اور اگر حضرت عمر اس سے منع نہ کرتے تو زنا کے لئے شقی کے علاوہ کوئی شخص مجبور نہ ہوتا۔ جناب ابن عباس نے فرمایا کہ یہ متعہ وہی ہے جس کا سورۃ النساء میں آیہ فما استمتعتم بہ منھن میں حکم دیا گیا ہے کہ کسی بھی مدت مقررہ کے لئے، کسی بھی معیّنہ مہر پر متعہ کر لیا جائے اور یہ بھی فرمایا کہ ان دونوں میں وراثت نہیں ہے

[۱] تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱۴۱

پس اگر وہ دونوں راضی ہوں تو ختم مدّت کے بعد مدت کا اضافہ کر سکتے ہیں۔ اور اگر چاہیں تو جدا ہو سکتے ہیں۔ جدائی کی شکل میں دونوں میں نکاح نہیں رہے گا اور عطاء نے یہ خبر بھی دی ہے کہ ابن عباسؓ متعہ کو ممانعت حضرت عمرؓ کے باوجود اب بھی حلال جانتے ہیں۔

جناب قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

فما استمتعتم به منهن فآتوهن اجورهن الخ قال جماعة المراد بالاستمتاع عقد المتعة وهي عقد يراد بها ملك البضعة إلى مدة معينة بمهر معين بانت المرأة بعد انقضاء تلك المدة بلا طلاق وتستبرئ رحمها وليس بينهما ميراث ولا تسمّى المرأة بها زوجة ولا الرجل زوجاً روى عبد الرزاق مصنفه عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس انه كان يراها الآن حلالا ويقرأ فما استمتعتم به منهن قال وقال ابن عباس وفي حرف ابي بن كعب "إلى اجل مسمّى" قال وكان يقول يرحم الله عمرؓ ما كانت المتعة الا رحمة من الله يرحم الله بها عباده ولولا نهي عمرؓ ما احتيج إلى الزنى في ابداً [1]

ایک جماعت نے کہا ہے کہ استمتاع سے مراد عقد متعہ

---

[1] تفسیر مظہری ج ۲ ص ۷۳

ہے اور یہ متعہ ایک ایسا عقد ہے جس میں عورت پر تصرف کیا جاتا ہے، ایک معین مدت کے لئے، مقررہ مہر پر، مقررہ مدت ختم ہوجانے کے بعد عورت بغیر طلاق کے جدا ہوجاتی ہے اور اپنے رحم کا استبراء کرتی ہے یعنی عدہ رکھتی ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے اور عورت کو زوجہ اور مرد کو زوج نہیں کہا جاتا اور عبدالرزاق نے اپنی کتاب میں ابن جریج اور ابن عطاء سے حضرت ابن عباسؓ کے متعلق یہ ذکر کیا ہے کہ وہ متعہ کو اب بھی حلال جانتے ہیں اور فما استمتعتم بہ منھن الخ پڑھتے رہتے ہیں۔ عطاء کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ ابن عباسؓ کی قرأت میں "الیٰ اجل مسمیٰ" موجود ہے عطاء نے یہ بھی کہا ہے کہ ابن عباسؓ کہا کرتے تھے اللہ حضرت عمرؓ پر رحم نازل کرے۔ متعہ تو اللہ کی طرف سے رحمت تھا کہ اللہ نے متعہ کے ذریعے اپنے بندوں پر رحم فرمایا تھا اور اگر حضرت عمرؓ متعہ کی ممانعت نہ کرتے تو کوئی شخص کبھی بھی زنا کے لئے مجبور نہ ہوتا۔

نکاحِ مؤقت یعنی متعہ کی تعریف

مفسرین کرام اور علماء عظام کے مذکورہ بیانات اور تصریحات سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ متعہ ایک حکم شرعی ہے اور نکاح دائم کے علاوہ تحفظ عفت و پرہیزگاری کا ایک مستقل بالذات ذریعہ ہے وہاں متعہ کی تعریف بھی واضح ہوگئی یعنی متعہ عورت اور مرد کا وہ

ازدواج ہے جس میں مہر اور مدّت معین ہوتے ہیں۔ مدّت کے ختم ہوتے ہی عورت اور مرد میں جدائی ہو جاتی ہے اور عورت کو عدّہ رکھنا ہوتا ہے۔ جدائی کے بعد عورت، مرد زوج اور زوجہ نہیں کہلاتے ظاہر ہے کہ نکاح دائم میں بھی طلاق کے بعد عورت اور مرد زوج اور زوجہ نہیں کہے جا سکتے۔

یہ تو متعہ کی وہ تعریف تھی جو سنّی علمائے اسلام نے کی ہے، شیعہ علمائے اسلام نے متعہ کی جو تعریف کی ہے ہم وہ بھی پیش کئے دیتے ہیں تاکہ متعہ پر جو فضول اور بے معنی اعتراض کئے جاتے ہیں وہ اپنی موت آپ مر جائیں۔ یحدد الفقهاء الزوج المؤقت بانه عقد ازدواج بين طرفين معلومين إلى اجل معين بمهر معين يذكر في متن العقد، فاذا انتهى الأجل أو وهب الزوج زوجته المدة انحلت العقد بينهما دون حاجة إلى طلاق وتعتد الزوجة بحيضتين أو خمسة واربعين يوماً ان كانت لا تحيض وهي في سن من تحيض، اما اذا مات الزوج وهي في اثناء المدة لحقتها عدة الوفاة ومقدارها اربعة اشهر وعشرة ايام أو وضع الحمل ان كانت حاملا وتافذ بالعدهما أهلا والولد يلحق بابيه بعد انتهاء دور الحضانة ونفقته على الأب في اثنائها وحكمه حكم سائر اولادهما من حيث الميراث وغيره بلا فرق اصلاً فهو ولد حقيقي لهما

لہ ما بقیۃ الاولاد من احکام ۔ نکاح منقطع کی تعریف

فقہاء نے اس طرح کی ہے کہ : متعہ دو معین اشخاص میں ایک مدت مقررہ کے لئے مہر معین پر عقد کا نام ہے، یہ مہر اور مدت، صیغۂ عقد میں ذکر کئے جائیں گے۔ جب مدت مقررہ ختم ہو جائے یا شوہر بیوی کو مدت بخش دے تو یہ عقد ختم ہو جاتا ہے، طلاق کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور زوجہ دو حیضوں کی مدت کا عدہ رکھتی ہے یا اگر حیض نہیں آتا حالانکہ سن اس کا حیض آنے والی عورتوں کا سا ہے تو ۴۵ دن کا لیکن اگر مدت متعہ کے دوران شوہر کی موت واقع ہو جائے تو زوجہ پر عدۂ وفات لازم ہو گا جس کی مقدار چار مہینے دس دن ہے اور اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک عدہ ہو گا اور چار مہینے دس دن یا وضع حمل میں سے جو مدت زیادہ ہو گی اس مدت کا عدہ شمار ہو گا، بچہ، پرورش کا زمانہ گذر جانے کے بعد باپ سے ملحق ہو جائے گا اور دوران پرورش بچہ کا نفقہ باپ پر ہو گا اور اس بچہ کا حکم تمام دوسری اولاد کی طرح ہو گا، میراث وغیرہ کے تعلق میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں کیا جائیگا کیونکہ وہ ان کا حقیقی بچہ ہے اس کے لئے وہی احکام جاری ہوں گے جو باقی اولاد کے لئے ہیں۔

سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئی اور سرکار

لہ الزواج المؤقت ص۱۸

آیتہ اللہ السید روح اللہ الخمینی دامت ظلالہما نے متعہ سے متعلق مسائل کے ذیل میں یہی کچھ افادہ فرمایا ہے ۔[۱]

ہمارے علماء کرام نے متعہ کی جو تعریف فرمائی ہے اس کا ایک ایک لفظ احادیث آئمہ اطہار علیہ السلام سے ماخوذ ہے جبکہ مولانا مودودی کا شیعوں پر یہ اتہام ہے کہ انھوں نے اباحت متعہ کا انتساب ائمہ اطہارؑ کی طرف بلا دلیل کر دیا ہے ۔۔۔ !! حقیقت یہ ہے کہ مودودی صاحب اور ان ایسے علماء نے اصحاب پیغمبرؐ اور آئمہ اطہار علیہم السلام پر بہتان باندھا ہے کہ وہ متعہ کے قائل نہ تھے جیسا کہ ہم دلائل قاہرہ سے ثابت کر چکے ہیں ۔ تاہم مختصر طور پر ہم اباحت متعہ اور متعہ کی تعریف میں استعمال شدہ ایک ایک لفظ کے لئے آئمہ اطہار کی احادیث پیش کئے دیتے ہیں :

اباحت و حلّت متعہ

محمد بن محمد بن نعمان المفید (فی رسالۃ المتعۃ) عن علی علیہ السلام وسائر الائمۃ علیہم السلام انہم قالوا باباحۃ المتعۃ [۲] جناب مفیدؒ نے رسالۂ متعہ میں حضرت علی اور تمام آئمہ علیہم السلام کی احادیث نقل کی ہیں اور کہا ہے کہ ان سب نے اباحت متعہ کا حکم دیا ہے ۔ عن ابی مریم عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال : المتعۃ نزل بہا القرآن وجرت بہا السنۃ من رسول اللہ [۳] امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

---

[۱] توضیح المسائل للخوئی صـ ۳۸۷ ـ ۳۸۸ تحریر الوسیلہ للخمینی ج ۲ صـ ۲۸۶ تا ۲۹۹
[۲] وسائل الشیعہ ج ۷ صـ ۴۴۰ [۳] وسائل الشیعہ ج ۷ صـ ۴۴۲

کہ متعہ قرآن میں نازل ہوا ہے اور رسول اللہ کی سنّت نے اس کو رائج کیا ہے۔ عن زرارۃ قال جاء عبداللہ بن عمیر اللیثی إلی أبی جعفر علیہ السّلام فقال: ما تقول فی متعۃ النساء؟ فقال احلّھا اللّٰہ فی کتابہ وعلی سنۃ نبیہ فھی حلال إلی یوم القیامۃ[۱] جناب زرارہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمیر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ عورتوں سے متعہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا اللہ نے اپنی کتاب میں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سنّت کے ذریعے متعہ کو حلال کیا ہے۔ چنانچہ یہ قیامت تک حلال ہے۔

عن أبی بصیر قال سألت أبا جعفر علیہ السلام عن المتعۃ؟ فقال: نزلت فی القرآن فما استمتعتم بہ منھن فآتوھن اجورھن فریضۃ ولاجناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ[۲] ابوبصیرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے متعہ کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: متعہ تو قرآن میں نازل ہوا ہے اور یہ آیت پڑھی فما استمتعتم بہ منھن الخ

قال الرضا علیہ السلام: واحلّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم المتعۃ ولم یحرّمھا حتی قبض[۳] امام رضا علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے متعہ حلال کیا اور آپ نے اس کو حرام نہیں کیا۔ یہاں تک کہ رحلت فرمائی۔

---

[۱] وسائل الشیعہ ج ۷ صہ ۴۳۷ [۲] وسائل الشیعہ ج ۷ صہ ۴۳۶

[۳] وسائل الشیعہ ج ۷ صہ ۴۳۸

مقررہ مدت، معیّن مہر اور متن عقد میں ان کا ذکر

عن زرارۃ عن ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام قال : لاتکون متعۃ الّا بامرین ، اجل مسمّی واُجر مسمیّ [۱] امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ : متعہ دو امروں کے بغیر نہیں ہوتا اور وہ ہیں مقررہ مدّت اور معیّن مہر

عن اسماعیل بن فضل الهاشمی قال سئلت اباعبد اللّٰہ علیہ السلام عن المتعۃ فقال : مہر معلوم إلی اجل معلوم [۲] امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ : متعہ میں معیّن مہر اور مقررہ مدّت ضروری ہے۔

عن ابی بصیر عن ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام قال : لابد من ان تقول فیہ ھذہ الشروط أتزوجك متعۃ کذا وکذا یوماً بکذا وکذا درھماً [۳] ابوبصیرؒ نے امام جعفر صادق علیہ السّلام کا قول بیان کیا کہ : متعہ میں ضروری ہے کہ تم ان شرطوں کا ذکر کرو کہ میں تجھ سے متعۃ کرتا ہوں، اتنے دن کے لئے، اتنے مہر پر

متعہ میں طلاق کی کوئی ضرورت نہیں

عن عمر بن اذینۃ عن أبی عبد اللّٰہ علیہ السّلام فی حدیث للمتعۃ قال : فاذا انقضی الأجل بانت منہ بغیر طلاق [۴] عمر بن اذینہ نے امام جعفر صادق علیہ السّلام کی

---

[۱] وسائل الشیعہ ج ۷ ص۴۶۵ [۲] وسائل الشیعہ ج ۷ ص۴۶۵ - ۴۶۶
[۳] وسائل الشیعہ ج ۷ ص۴۶۵

حدیث متعہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ امام علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ: جب مقررہ مدّت ختم ہو جائے گی تو عورت بغیر طلاق کے مرد سے جدا ہو جائے گی۔

عِدّۂ متعہ عدّۂ متعہ کے متعلق ہم پہلے بھی کئی احادیث نقل کر چکے ہیں۔ تاہم کچھ اور ملاحظہ فرمائیے۔

عن زرارۃ قال: عدۃ المتعۃ خمسۃ واربعون یوماً کانی أنظر الی أبی جعفر علیہ السلام یعقدہ بیدہ خمسۃ واربعین فاذا جاز الأجل کانت فرقۃ بغیر طلاق [1] جناب زرارہ امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان بتاتے ہیں کہ عدّہ متعہ ۴۵ دن ہے زرارہ کہتے ہیں گویا میں دیکھ رہا تھا کہ امام محمد باقر علیہ السلام اپنے دست مبارک پر پینتالیس کا عدد شمار فرما رہے تھے۔ پس جب مدت پوری ہو جائے گی تو بغیر طلاق کے جدائی ہو جائے گی۔

عدّۂ وفات: عن عبد الرحمٰن ابن حجاج قال سألت أبا عبد اللہ علیہ السلام عن المرأۃ یتزوجہا الرجل المتعۃ ثم یتوفی عنہا، ہل علیہا العدّۃ؟ فقال تعتد اربعۃ اشہر وعشراً [2] عبد الرحمٰن بن حجاج کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ایک عورت سے ایک شخص متعہ کرلے اور دوران متعہ وفات پا جائے تو کیا اس عورت پر عدّت ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ چار مہینے دس دن

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۷، صہ ۴۷۳

[2] وسائل الشیعہ ج ۷، صہ ۴۸۴

کی عدت رکھے گی۔

متعہ سے پیدا شدہ بچہ اپنے باپ کا حقیقی بچہ ہے

عن محمد بن مسلم عن أبی عبد اللہ علیہ السلام فی حدیث فی المتعۃ قال: قلت أرأیت إن حبلت؟ فقال: ھو ولدہ[1]

محمد بن مسلم امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام سے دریافت کیا کہ اگر زن متوعہ حاملہ ہو جائے تو بچے کا کیا حکم ہے؟ آپؑ نے فرمایا: بچہ باپ کا ہے! یعنی نکاحی اور متاعی اولاد میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ایک دلچسپ لطیفہ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا مودودی اور بعض دیگر علماء اہل سنت کا اصرار ہے کہ زن متوعہ زوجہ نہیں ہوتی ۔۔ !! حالانکہ یہ آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت کا انکار ہے اور گروہی احساسات کو تقویت پہونچانے کی سعی نامشکور ہے۔

جناب جار اللہ زمخشری "والذین ھم لفروجھم حافظون الا علیٰ ازواجھم أو ما ملکت ایمانھم الخ" کی تفسیر فرماتے ہوئے کہتے ہیں: فان قلت ھل فیہ دلیل علی تحریم المتعۃ؟ قلت لا، لأن المنکوحۃ نکاح المتعۃ من جملۃ الازواج اذا صح النکاح[2] اگر تم یہ کہو کہ آیت مذکورہ میں حرمت متعہ پر کوئی دلیل ہے تو میں کہوں گا نہیں! اس لئے کہ نکاح متعہ کے ذریعے سے نکاح

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۷ صہ ۴۸۸ [2] تفسیر کشاف ج ۲ صہ ۳۵۷

میں آنے والی عورت زوجہ ہی شمار ہوگی جب کہ نکاح صحیح ہو۔"

ظاہر ہے کہ نصِّ خدا و رسول اور عملِ اصحاب کرام کے ہوتے ہوئے نکاحِ متعہ کی صحت سے کون انکار کرسکتا ہے ۔۔۔ ؟ اور جب خدا اور رسول کی نصّ اور عملِ اصحاب کی روشنی میں نکاحِ متعہ صحیح ہے تو زنِ متوعہ کے زوجہ نہ کہنے کے لئے کوئی جواز موجود نہیں ہے جب تک عورت کسی کے متعہ میں رہے گی اس کی زوجہ کہلائے گی ۔ مدت متعہ کے ختم ہونے کے بعد اسی طرح ممتوعہ بھی زوجہ نہیں ہے جس طرحِ طلاق کے بعد منکوحہ بنکاح دائم ، زوجہ نہیں رہتی۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابِ کرام رض بھی زنِ ممتوعہ کو زوجہ ہی سمجھتے اور کہتے تھے ۔ ملاحظہ فرمائیے: کان الرجل یقدم البلدۃ ولیس معہ من یصلح لہ ضیعتہ ولا یحفظ متاعہ "فیتزوج" المرأۃ إلی قدر مایریٰ انہ یفرغ من حاجتہ [۱] کوئی مرد کسی شہر میں آتا اور اس کے ساتھ کوئی ایسی شخصیت نہ ہوتی جو اس کے ساز و سامان کو درست کرے اور اس کے مال و متاع کی حفاظت کرے تو وہ کسی عورت کو اتنی مدت کے لئے جس کے متعلق وہ سمجھتا کہ اس عرصہ میں اس کو فراغت ہو جائے گی ، نکاح متعہ کے ذریعے اپنی بیوی بنالیتا "فیتزوج" کا استعمال واضح طور پر بتلاتا ہے کہ اصحابِ پیغمبر زوجۂ ممتوعہ کو بیوی ہی سمجھتے تھے ۔

واخرج عبد الرزاق وابن ابی شیبہ والبخاری ومسلم عن ابن مسعود قال: کنا نغزو مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[۱] تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۳۹

وآلہ وسلّم ولیس معنا نساء نا وقلنا ان لا نستخصی ؟ ؟
فنہانا عن ذلک ورخص لنا ان نتزوج المرأۃ بالثوب إلی
أجل [۱] عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، بخاری اور مسلم نے حضرت عبداللہ بن
مسعودؓ صحابی پیغمبر کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ہم لوگ
حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی معیت میں جنگ وجدل میں مصروف
تھے اور ہمارے ساتھ ہماری عورتیں نہیں تھیں تو ہم نے کہا: ہم اپنے
تئیں نامرد کیوں نہ بنالیں ۔ ۔ ؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے
ہمیں اس حرکت سے روک دیا اور ہمیں اجازت دی کہ کوئی کپڑا مہر
کے طور پر دے کر مدّت مقررہ کے لئے کسی عورت کو نکاح متعہ کے ذریعہ
"زوجہ" بنالیں۔

عن لربیع بن سبرۃ عن ابیہ قال: خرجنا مع رسول
اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فی حجۃ الوداع فقالوا یا رسول
اللہ ان الغربۃ قد اشتدت علینا قال فاستمتعوا من ھذہ
النساء فاتیناھن فابین ان تنکحنا الا ان نجعل بیننا وبینھن
أجلا، فذکروا ذلک للنبی صلّی اللہ علیہ وسلّم فقال: اجعلوا
بینکم وبینھن أجلا، فخرجت أنا وابن عمّ لی معہ بردۃ
معی بردۃ، وبردۃ اجود من بردی وأنا اشب منہ فاتینا
علی امرأۃ فقالت برد کبرد "فتزوجتھا" فمکثت عندھا
تلک اللیلۃ [۲] ربیع بن سبرہ اپنے والد کا بیان نقل کرتے ہیں کہ
ہم حجۃ الوداع کے مرحلے پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ

---

[۱] تفسیر در منثور ج ۲ صہ ۱۴۰ [۲] سنن ابن ماجہ مترجم ج ۲ صہ ۶۳ - ۶۴

تھے تو اصحاب کرامؓ نے کہا کہ اے خدا کے رسول! تجرد کی زندگی تو ہمارے لئے بڑی ناگوار ہو گئی ہے ... ! آپ نے فرمایا ان عورتوں سے متعہ کرلو، ہم ان عورتوں کے پاس گئے تو انھوں نے تعین مدّت کے بغیر نکاح متعہ کرنے سے انکار کر دیا، یہ بات حضورؐ پیغمبر میں عرض کی گئی تو آپؐ نے فرمایا: اپنے اور ان کے درمیان مدّت مقرر کرلو تو میں اور میرا ایک چچازاد دونوں نکلے، میرے پاس بھی ایک چادر تھی اور اس کے پاس بھی، اس کی چادر میری چادر سے اچھی تھی، تاہم میں اس سے زیادہ جوان تھا، بس ہم ایک عورت کے پاس آئے تو اس نے کہا چادر تو چادر کی طرح ہے چنانچہ میں نے اس کو متعہ کے ذریعے "بیوی" بنالیا اور اس رات اسی کے پاس رہا۔

وروی الترمذی عن ابن عباسؓ کان الرجل یقدم البلدۃ لیس لہ بہا معرفۃ فیتزوج المرأۃ بقدر ما یری انہ مقیم (بقدر ضرورت) [1] کوئی شخص کسی ایسے شہر میں آتا جہاں اس کا حلقۂ تعارف نہ ہوتا تو وہ اپنے دوران قیام کے لئے کسی عورت کو نکاح منقطع یعنی متعہ کے ذریعے "بیوی" بنالیتا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی تو بے چارے عرب نہیں ہیں، اگر بعض عرب مفسروں نے بھی یہ رائے ظاہر کی ہو کہ زن متوعہ "زوجہ" نہیں ہے تو یہ ان کا قیاس ہے اس لئے کہ یہ حضرات بہرحال حلقۂ اصحاب پیغمبر میں داخل وشامل نہیں ہیں ... ! اصحاب پیغمبرؐ متعہ کے ذریعے سے کسی عورت کو

---

[1] تفسیر مظہری ج ۲ ص ۷۷

ایک وقت مقرر کے لئے بیوی بناتے تھے اور بیوی سمجھتے تھے اور "تیتزوج وتنتزوج" کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ اور یہ زن ممتوعہ کو زوجہ کہنے والے سب اصحاب پیغمبرؐ تھے، تو جب صحابہؓ کرامؓ نے زن ممتوعہ کو زوجہ اور بیوی کہا اور سمجھا ہے تو اگر کوئی عالم یا مفسرؔ زن ممتوعہ کو زوجہ نہ کہے تو یہ محض دھاندلی ہے اور اسے خوش خیالی اور خوش فہمی ہی کہا جاسکتا ہے جس کی دنیائے حق وحقیقت میں کوئی تاثیر نہیں ہے ...! بہرحال زن ممتوعہ کو زبان اصحاب میں جو مقصد شارع کو سمجھنے کے زیادہ اہل تھے "زوجہ" ہی کہا جاتا ہے۔

متعہ کے تعلّق میں ایک اور انوکھا اجتہاد

متعہ کے تعلق میں بعض جدت پسند حضرات نے (جن کے سرخیل سرسیّد احمد خاں بانی علیگڑھ کالج ہیں) اس اقرار کے بعد کہ شرع اسلام میں ابتدائی اسلام میں متعہ جائز اور رائج تھا یہ اضافہ فرمایا ہے کہ وہ جاہلیت کے طور طریقوں میں سے ایک طریقہ تھا جس کو بقول ان کے اسلام میں ایک وقت تک یعنی تقریباً ۲۲ سال جائز رکھا گیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر ممنوع قرار دے دیا گیا۔ سرسیّد احمد خاں فرماتے ہیں: غرضیکہ ہماری تحقیق یہ ہے کہ متعہ کا طریقہ اسلام نے پیدا نہیں کیا بلکہ وہ قدیم سے جاری تھا۔ اسلام نے اس کو منع کیا گو کہ ابتدائے زمانۂ اسلام میں بھی جاری رہا ہو۔ بہت سے رواج زمانۂ جاہلیت کے ایسے تھے جو زمانۂ ابتدائے اسلام میں رائج تھے بعد کو ممنوع ہوئے۔ متعہ بھی اسی میں ہے لہ

لہ تفسیر القرآن ج دوم صہ ۱۲۱

یہ درست ہے کہ اسلام نے زمانۂ جاہلیت کے بعض اعمال و روایات کو باقی رکھا ہے لیکن اس لئے نہیں کہ وہ جاہلیت کا پسندیدہ تحفہ تھے بلکہ اس لئے کہ جاہلی عرب بہرحال سنن ابراہیمی و اسماعیل پر عامل تھے۔ مرور ایام سے لوگوں نے جناب ابراہیم علی نبینا و آلہ و علیہ السلام کی بہت سی سنتوں کو مٹا دیا، کسی ایک کو ترمیم کر دیا اور زندگی کے دستور العمل میں بہت سے امور اپنی طرف سے داخل کر دیئے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جاہلیت کے پیدا کردہ آثار کو اعلان نبوت کے ساتھ ہی مٹانا شروع کر دیا اور سنن ابراہیم میں سے جو اپنی اصلی حالت پر باقی تھیں ان کو اسی طرح جاری اور رائج رکھا اور جن کو ترمیم کر دیا گیا تھا ان کے اضافی اجزاء کو ختم کر کے اصل سنت کو باقی رکھا جیسا کہ ختنہ اور حج و عمرہ کے فرائض و مناسک وغیرہ تو اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ متعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے باقی رکھا تو ماننا پڑے گا کہ یہ عمل حضور کے نزدیک آثار ابراہیمی میں سے تھا ورنہ یہ ناممکن تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک عمل جاہلیت کو زندہ رہنے دیتے جیسا کہ آپؐ نے زنا کو فوراً ممنوع کیا اور قرآن کریم نے نص کی: ولاتقربوا الزنی انه کان فاحشة و ساء سبیله [1] اور زنا کے نزدیک نہ جاؤ کہ یقیناً وہ بدکاری اور برا راستہ ہے"۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب صحابیات سے بیعت لیتے تھے تو ترک زنا کی شرط عائد فرماتے تھے۔ یا ایها النبی اذا جاءك المؤمنات یبایعنك علی ان لا یشرکن باللہ شیئا

---

[1] القرآن پ۱۵ بنی اسرائیل آیہ ۳۲

ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن الخ[1] اے نبی! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب مومنہ عورتیں آپ کے پاس آئیں تو اس بات پر آپ کی بیعت کریں کہ اب اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں گی، نہ چوری کریں گی، نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔

یہ اپنی جگہ ثابت ہے کہ شارع اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی عمل کو بغیر اذن خدا جائز نہیں کہہ سکتے تھے۔ لامحالہ حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ کو جاری اور رائج رکھا تو بہ اذن خدا رکھا اور یہ قرآن مجید کی نص موجود ہے: قل ان اللہ لا یأمر بالفحشآء[2] کہہ دیجئے اے رسول کہ خداوند عالم بے حیائیوں کا حکم نہیں دیا کرتا۔ بہر حال اگر بقول سر سید احمد خان وغیرہ، متعہ جاہلیت کا طریقہ تھا تو وہ یقیناً سنت ابراہیمی تسلیم کیا جائیگا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ابراہیم علیہ السلام کے دیگر آثار کی طرح اس کو بھی باقی رکھا۔ لیکن حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ اگر متعہ زمانہ جاہلیت سے چلا آرہا تھا تو اس کے لئے قرآن میں حکم کی کیا ضرورت تھی۔۔۔؟ حالانکہ قرآن کریم میں واضح طور پر کہا گیا ہے: فما استمتعتم بہ منھن فآتوھن اجورھن فریضۃ للآیہ۔ زمانۂ جاہلیت میں تو لوگ متعہ سے واقف بھی نہ تھے، یہ تحفظ عفت کے لئے اسلام کا ایک نیا حکم ہے اور دنیائے اسلام اور عرب، مذکورہ آیۂ قرآنی کے نزول کے بعد لفظ "استمتاع" کے اسلامی مفہوم سے واقف ہوئے۔ لفظ "متعہ" لسان شرع کی ایک مخصوص اصطلاح ہے جس کا مفہوم خداوند

---

[1] القرآن پ۲۸ الممتحنہ آیہ ۱۲ [2] القرآن پ۸ الاعراف آیہ ۲۸

عالم اور حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعین فرمایا ہے۔ جس طرح سے لفظ صلوٰۃ، زکوٰۃ، اور صوم کا مطلوب و مقصود، کہ عرب ان لفظوں سے واقف تو تھے مگر ان کا ایک خصوصی مفہوم شریعت اسلامیہ نے معین کیا ہے اسی طرح لفظ "استمتاع" عربی زبان میں تھا تو، مگر اس کا یہ مفہوم کہ "عورتوں سے وقت مخصوص کے لئے، مہر معین پر جنسی ربط قائم کر لیا جائے" اسلام نے معین کیا ہے، عرب اس مفہوم سے قبل نزول آیۂ متعہ واقف نہیں تھے۔

جناب سر سید احمد خاں وغیرہ نے تاریخ کے ساتھ مذاق فرمایا ہے .. !! جاہلیت کے عادات و اطوار اور اعمال و روایات پر مشتمل تاریخیں آج بھی موجود ہیں، کسی ایک تاریخ سے ہمیں یہ دکھلا دیا جائے کہ دور جاہلیت میں متعہ رائج تھا .. ؟! حقیقتاً یہ ایک تاریخی جھوٹ ہے اور قیامت تک اس کا ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔ بہرحال یہ جرأت قابلِ داد ہے کہ تاریخ پر ایک جیتا جاگتا الزام لگا دیا جائے اور ثبوت کے لئے سنی، شیعہ، یہود و نصاریٰ کسی بھی تاریخ سے کوئی حوالہ نہ دیا جائے۔ ہم ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اپنے بھانجے عروہ بن زبیر کو عرب جاہلیت کے جنسی ارتباط سے متعلق طور طریقوں کو تفصیلاً بیان فرمایا اس میں کہیں متعہ کا ذکر نہیں ہے۔ اگر متعہ دور جاہلیت میں معمول بھی ہوتا تو جہاں ام المومنین رضؓ نے اور تمام طریقوں کی وضاحت کی ہے، متعہ کا ذکر کیوں ترک فرما دیتیں .. ؟! اس لئے متعہ کے متعلق دور جاہلیت کا افسانہ محض متجددین کی اختراع ہے یہ شریعت

اسلامیہ کا اپنا نافذ کردہ قانون ہے جس کا انکار عقل و شرع کا منہ چڑانا ہے

حدثنا یونس عن ابن شہاب قال اخبرنی عروۃ ابن الزبیر ان عائشۃ زوج النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اخبرتہ: ان النکاح فی الجاھلیۃ کان علی اربعۃ انحاءٍ فنکاح منھا نکاح الناس الیوم، یخطب الرجل الی الرجل ولیتہ أو ابنتہ فیصدقھا ثم ینکحھا۔ ونکاح آخر کان الرجل یقول لامرأتہ اذا طھرت من طمثھا أرسلی الی فلان فاستبضعی منہ ویعتزلھا زوجھا ولا یمسلھا ابداً حتی یتبین حملھا من ذلک الرجل الذی تستبضع منہ، فاذا تبین حملھا اصابھا زوجھا اذا احب، وانما یفعل ذلک رغبۃ فی نجابتہ الولد وکان ھذا النکاح نکاح الاستبضاع. ونکاح آخر یجتمع الرھط مادون العشرۃ فیدخلون علی المرأۃ، کلّھم یصیبھا فاذا حملت ووضعت ومرّ علیھا لیالی بعد ان تضع حملھا ارسلت الیھم فلم یستطع رجل منھم ان یمتنع حتی یجتمعوا عندھا تقول لھم قد عرفتم الذی کان من امرکم وقد ولدت فھو ابنک یا فلان تسمی من احببت باسمہ فیلحق بہ ولدھا، لا یستطیع ان یمتنع بہ الرجل ونکاح الرابع یجتمع الناس الکثیر فیدخلون علی المرأۃ لا تمتنع ممّن جاءھا وھنّ البغایا کن ینصبن علی ابوابھن رایات تکون علماً، فمن ارادھن دخل علیھن فاذا حملت احداھن ووضعت حملھا، جمعوا لھا ودعوا لھم القافۃ ثم

الحقوا ولدها بالذی یرون فالتاط به ودعی ابنه لایمتنع من ذلک ۔ فلما بعث محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالحق ھدم نکاح الجاھلیة کلہ الا نکاح الناس الیوم (لہ) یونس ابن شہاب اور عروہ ابن زبیر، حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں چار طرح کا نکاح تھا۔ ایک نکاح تو یہ تھا جو آجکل لوگ کرتے ہیں، ایک آدمی دوسرے کے پاس اس کی ولیہ یا بیٹی کا پیغام بھیجتا تھا اور اسے مہر دے کر لڑکی کو بیاہ لاتا تھا۔ نکاح اس طریقہ پر بھی تھا کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے کہہ دیتا تھا کہ جب تو ایام سے فارغ ہو جائے تو فلاں مرد کے پاس چلی جانا اور اس سے فائدہ حاصل کر لینا! پھر شوہر اس عورت سے جدا ہو جاتا تھا اور اس کے قریب نہ جاتا تھا جب تک کہ اس مرد کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا تھا جب اس کا حمل ظاہر ہو جاتا تو اس عورت کا شوہر جب دل چاہتا اس کے پاس چلا جاتا، یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا تھا کہ بچہ اچھی نسل کا پیدا ہو، اس نکاح کو "نکاحِ استبضاع" کہتے تھے۔

تیسرے نکاح کی قسم یہ تھی کہ چند آدمی، دس سے کم جمع ہو کر ایک عورت سے صحبت کرتے تھے، جب اسے حمل رہ جاتا اور اس کا بچہ پیدا ہو جاتا اور اسے کئی دن ہو جاتے تو وہ سب کو بلواتی اور ان میں سے کسی کو یہ طاقت نہ ہوتی کہ وہ آنے سے انکار کر دے جب سب جمع ہو جاتے تو وہ کہتی تم سب کو اپنا حال معلوم ہے جو کچھ تھا اور میرے ہاں تمہارا بچہ پیدا ہوا ہے، اے فلاں یہ تیرا بچہ ہے۔ جو تیرا دل چاہے اس کا نام رکھ (تجھے اختیار ہے) وہ بچہ اس

لہ صحیح بخاری مترجم ج ۳ صہ ۸۸، ۸۹ سنن ابن داؤد مترجم ج ۲ صہ ۲۰۶ - ۲۰۷

کا ہو جاتا تھا اور اسے انکار کرنے کی مجال نہ ہوتی تھی۔

چوتھے قسم کا نکاح یہ تھا کہ بہت سے آدمی ایک عورت سے صحبت کرجایا کرتے تھے اور وہ کسی آنے والے کو منع نہیں کرتی تھی دراصل یہ رنڈیاں تھیں، انھوں نے نشانی کے واسطے دروازوں پر جھنڈے نصب کر رکھے تھے، جو چاہے ان سے صحبت کرے جب ان میں سے کسی کو پیٹ رہ جاتا اور بچہ پیدا ہوجاتا تو وہ سب جمع ہوکر علم قیافہ جاننے والے کو بلاتے، وہ جس کے مشابہ دیکھتے اس سے کہہ دیتے یہ تیرا بیٹا ہے وہ اس کا بیٹا ہوجاتا اور وہ بچہ اس شخص کا بیٹا کہہ کر پکارا جاتا اور وہ مرد اس سے انکار نہیں کرسکتا تھا۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے نبی مبعوث ہوئے تو سب قسم کی زمانۂ جاہلیت کی شادیاں باطل کردی گئیں، صرف آجکل کی شادی کا مروجہ طریقہ جائز رکھا گیا (ترجمہ از صحیح بخاری)

عالمِ اسلام کو دعوتِ فکر

دنیا کی تمام متمدن اور غیر متمدن قومیں خواہ ان کا کوئی دین و مذہب ہو یا نہ ہو حتیٰ کہ افریقہ وغیرہ کے وحشی قبائل اور خانوادے نکاح کو اچھا سمجھتے ہیں اور زنا کو بُرا۔ خواہ نکاح، کپڑوں میں گرہ باندھ کے کیا جائے یا عدالتی رجسٹروں میں درج کرا کے یا کسی پادری یا مولوی سے دو بول پڑھوا کے بہرحال کسی نہ کسی طریقے سے دنیا کے ہر ملک و قوم میں نکاح رائج ہے اور اسے پسند کیا جاتا ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا زنا کو ہر قوم ناپسند کرتی ہے، یہ کیوں۔۔۔؟ حالانکہ جنسی فعل دونوں میں ہوتا ہے نکاح میں ہلڑ ہنگامہ، اعلان، اشتہار، تحریر، تقریر، باجے گاجے ڈھول

ڈھکے اور مبارک سلامت کے سائے میں اور زنا میں خاموشی کے ساتھ چھپ کر، اس طرح کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو جنسی فعل انجام دیا جاتا ہے۔ بظاہر حالات تو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنسی فعل خاموشی کے ساتھ چپ چپاتے کرلیا جائے۔ ڈھول ڈھکے، شور شرابے اور لوگوں کو جتا جتا کر مبارک سلامت کے سائے میں جنسی فعل کا ارتکاب بظاہر حالات اچھا محسوس نہیں ہوتا لیکن انسانی تہذیب و تمدن کا یہ بڑا دلچسپ رُخ ہے کہ چوری چھپے غیر معلوم طریقوں پر جنسی فعل کے ارتکاب کو بُرا سمجھا جاتا ہے اور مبارک سلامت اور پیام و سلام کے سائے میں اچھا سمجھا جاتا ہے۔۔۔ !!؟ اس کی وجہ کیا ہے۔۔۔؟

اس لئے کہ خاموشی کے ساتھ اور چھپا کے جنسی فعل کرنے سے معاشرہ، دین، ملک، ملّت اور مذہب کا قانون ٹوٹتا ہے جبکہ نکاح بیاہ، خواہ وہ کسی طرح بھی ہو، کے سہارے معاشرے یا دین، قوم یا قبیلے کے قانون کی اطاعت کی جاتی ہے۔ یعنی نکاح اور زنا دونوں میں ہوتا جنسی فعل ہی ہے لیکن زنا میں قانون شکنی ہوتی ہے اور نکاح میں قانون کی اطاعت، یہ احساس کہ یہ جنسی عمل، عورت اور مرد دین یا معاشرے کے کسی قانون کے تحت کر رہے ہیں جو مباح، درست اور پسندیدہ ہے۔ متعہ میں بھی قانون کی اطاعت اور اللہ و رسول سے وابستگی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اس لئے اطاعت قانون کی حیثیت سے متعہ اور نکاح میں کوئی فرق نہیں ہے۔ زنا میں دین اور معاشرہ سے بغاوت کا احساس بالیدہ ہوتا ہے اور نکاح اور متعہ میں دین، معاشرہ اور اللہ و رسول کے احکام کی اطاعت کا جذبہ پرورش پاتا ہے

اس لئے عقلاً متعہ کو جنسی اتصال کا ایک قانونی ذریعہ سمجھتے ہوئے ہمیں جائز ہی ماننا چاہیئے۔ اگر متعہ میں اللہ و رسول کے احکام کی اطاعت کا جذبہ زندہ نہ رہتا اور محض جنسی ہیجان کی تسکین کا ایک غیر قانونی ذریعہ ہوتا تو اس کو جائز سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ لیکن چونکہ اللہ نے اپنے کلام پاک میں اس کا حکم دیا اور شارع اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنے اصحاب میں رائج فرمایا اس لئے اسے ناجائز سمجھنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے تاہم یہ لازمی نہیں ہے کہ متعہ ضرور کیا جائے، اگر ضرورت نہ ہو تو نکاح ہی ضروری نہیں ہے، نہ متعہ واجب ہے نہ نکاح دونوں پر عمل بربنائے ضرورت ہے۔ مقصدِ گفتگو صرف اتنا ہے کہ اس حلال خدا و رسول کو حلال سمجھا جائے۔

جہاں تک ہمارے آئمۂ اطہار علیہم السلام کی ہدایتوں کا تعلق ہے تو ان حضرات نے تو خود ہدایت فرمائی ہے کہ بلا وجہ متعہ نہ کیا جائے؛ عن علی بن یقطین قال: سئلت ابا الحسن علیہ السلام عن المتعۃ؟ فقال ما انت وذاک؟ فقد اغناک اللہ عنہا! فقلت انما اردت ان اعلمہا! فقال: ھی فی کتاب علی علیہ السلام[1]

علی بن یقطین کہتے ہیں کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے متعہ کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے؟ تمہیں تو خدا نے (بیوی کی وجہ سے) اس سے بے نیاز کر دیا ہے!! میں نے عرض کیا کہ میں تو صرف حقیقت جاننا چاہتا ہوں، آپؑ نے فرمایا "نکاح متعہ" کا جواز کتاب علی علیہ السلام میں موجود ہے۔

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۴۴۹

عن محمد بن الحسن بن شمعون، کتب ابوالحسن علیہ السلام الی بعض موالیہ لا تلحوا علی المتعۃ فانما علیکم اقامۃ السنۃ فلا تشغلوا بہا عن فرشکم وحرائرکم[1]

محمدؒ بن حسن بن شمعون کہتے ہیں کہ: امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے کچھ اصحاب کو لکھا کہ متعہ میں حد سے آگے نہ بڑھو، تمہارے لیے صرف سنت کا زندہ کرنا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ متعہ کی وجہ سے اپنے گھروں اور بیویوں سے بے پرواہ ہو جاؤ !!

عن الفتح بن یزید قال سئلت ابا الحسن علیہ السلام عن المتعۃ؟ فقال: ھی حلال مباح مطلق لمن لم یغنہ اللہ بالتزویج فلیستعفف بالمتعۃ، فان استغنی عنہا بالتزویج فھی مباح لہ اذا غاب عنہا[2]

فتح بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے متعہ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ: متعہ حلال، مباح اور جائز ہے اس شخص کے لئے جسے اللہ تعالیٰ نے شادی ہو جانے کی وجہ سے بے نیاز نہ کر دیا ہو، ایسا شخص بے شک متعہ کے ذریعے اپنی عفت کا تحفظ کرے، لیکن جو شخص شادی ہو جانے کی وجہ سے متعہ کا ضرورت مند نہ رہا ہو تو ایسے شخص کے لئے متعہ اس وقت درست ہو گا جب وہ بیوی سے دور ہو۔

بدکار عورت سے بھی متعہ نامناسب ہے

عن محمد بن الفضیل قال سئلت ابا الحسن علیہ السلام عن المرأۃ الحسناء الفاجرۃ ھل تحب للرجل

---

[1] وسائل الشیعہ، ص۴۵۰ [2] وسائل الشیعہ، ص۴۴۹

ان تمتع منها یوماً أو اکثر؟ فقال اذا کانت مشہورۃ بالزنا فلا یتمتع منہا ولا ینکحہا[1] محمد بن فضیل کہتے ہیں کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا کسی مرد کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایک دن یا زیادہ عرصہ کے لئے کسی خوبصورت بدکردار عورت سے متعہ کرلے؟ آپؑ نے فرمایا! جو عورت بدکاری کے لئے مشہور ہو اس سے نہ متعہ کرے نہ نکاح۔

عن محمد بن الفیض قال سئلت ابا عبد اللہ عن المتعۃ؟ قال نعم إلی ان قال وایاکم والکواشف والدواعی والبغایا وذوات الازواج۔ قلت ما الکواشف؟ قال اللواتی یکاشفن وبیوتہن معلومۃ ولیؤتین۔ قلت: فالدواعی؟ قال: اللواتی یدعون إلی انفسہن وقد عرفن بالفساد۔ قلت فالبغایا: قال المعروفات بالزنا۔ قلت فذوات الازواج؟ قال: المطلقات علی غیر السنۃ[1] محمد بن فیض کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے متعہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا متعہ جائز ہے مگر تم لوگوں کو کواشف، دواعی، بغایا اور ذوات الازواج سے سخت احتیاط اور پرہیز کرنا چاہیئے! میں نے پوچھا "کواشف" کون ہیں؟ آپؑ نے فرمایا، جو ظاہر بظاہر جنسی جرائم کا ارتکاب کرتی ہیں، ان کے گھر شہرت یافتہ ہیں اور لوگ وہاں آیا جایا کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ "دواعی" کون ہیں؟ فرمایا: یہ وہ عورتیں ہیں جو خود دعوت گناہ دیتی ہیں اور شر و فساد کے لئے مشہور ہیں۔ میں نے کہا "بغایا" کسے کہتے ہیں؟ تو فرمایا جو زناکاری

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۷، ص ۴۵۴

کے لئے مشہور ہوں۔ میں نے پوچھا "ذوات الازواج" کسے کہتے ہیں؟
آپؑ نے فرمایا: یہ وہ عورتیں ہیں جنہیں قانونِ اسلام کے مطابق صحیح
طریقہ پر طلاق نہیں دی گئی۔

مذکورہ ہدایات، معاشرہ کو سکون اور پاکیزگی عطا کرنے کی ضامن
ہیں اور ایسی ہدایات کے ہوتے ہوئے متعہ پر نکتہ چینی، شریعت اسلامیہ کے
ساتھ استہزا ہو کہلائے گی۔ اس لئے امت مرحومہ سے درخواست ہے کہ
وہ حلال خدا و رسول کو حلال ہی سمجھے، حرام قرار نہ دے کہ حکم خدا و رسول
کو بدلنا بذات خود جرم ہے۔

بہر حال جب فرزندان آدم کو نکاح دائم اور منقطع کے ذریعے
سے جنسی ہیجان کی تسکین اور تحفظ عفت کے جائز وسائل دے دئے گئے
ہیں اور مقتضیات و دواعی زنا کی مکمل و مؤثر سرکوبی کر دی گئی ہے تو بجا
طور پر قانون کو ہاتھ میں لینے والے اور جنسی کج روی کا ارتکاب کرنیوالے
ایسی سزاؤں کے مستحق ہیں جن کے تذکرہ اور تصور ہی سے حوصلۂ بغاوت
ٹھنڈا ہو جائے اور جذبۂ قانون شکنی بیدار نہ ہو سکے۔ اسی لئے اسلام
نے زنا کو مستوجب سزا قرار دیا ہے۔

زنا کی سزا

زنا، خدا و رسول کے احکام، عقل کے مطالبے اور اقوام
عالم کی اجماعی رائے کی بنا پر ممنوع اور قابل سزا جرم
ہے۔ اس لئے اس کی سزا کے سلسلے میں مناسب اور ضروری تفصیلات
سے گفتگو کی جاتی ہے۔

زنا کی حد جاری کرنے کے لئے مرتکب جرم میں چند صفتوں کا پایا
جانا ضروری ہے۔ ۱۔ بلوغ ۲۔ عقل ۳۔ اختیار ۴۔ حرمت کا علم

۱۔ بلوغ : نابالغ بچوں پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔

۲۔ عقل : پاگل خواہ عورت ہو یا مرد قابل حد نہیں ہے۔

۳۔ اختیار : کسی مجبور پر خواہ وہ مرد ہو یا عورت حد جاری نہیں کی جائے گی۔

۴۔ حرمت کا علم : اگر کوئی شخص یہ نہ جانتا ہو کہ جس سے وہ جنسی فعل کر رہا ہے وہ اس کے لئے حرام ہے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی اسی طرح اگر کسی شخص کو یہ خیال ہو کہ یہ عورت مجھ پر حلال ہے جب کہ حقیقتاً وہ حرام تھی تب بھی مرتکب پر حد جاری نہیں کی جائے گی مثلاً ایک شخص کسی عورت کو اپنے بستر میں پائے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ بیوی ہے اس سے ہمبستری کرلے تو اس مرد پر کوئی حد جاری نہیں کی جائے گی، لیکن عورت پر حد جاری کر دی جائے گی۔

زنا کا وقوع : صرف اس صورت میں تسلیم کیا جائے گا کہ کوئی شخص اپنے آلۂ تناسل کو کسی عورت کی قبل یا دبر میں داخل کرے اور یہ کم از کم حشفہ تک ہو اور اگر حشفہ کٹا ہوا ہو تو اتنا کہ جس سے دخول صادق آجائے۔ صرف ساتھ لیٹ رہنے یا بوس وکنار کرنے یا کسی اور طرح التذاذ سے حد جاری نہیں ہوگی بلکہ قاضی جتنی مناسب سمجھے گا تعزیری سزا دے گا۔[۱]

سزا کے اعتبار سے اقسامِ زنا

سزا کے اعتبار سے اقسام زنا پانچ ہیں۔

---

[۱] تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۵۸۵-۵۸۶ کتاب الحدود، مبانی تکملۃ المنہاج ج اول ص ۱۶۶/۱۶۷

۱۔ قتل: جو شخص ہمیشہ کے لئے حرام عورتوں میں سے کسی کے ساتھ زنا کرے اس کو قتل کیا جائے گا، خواہ یہ زنا کرنے والا کنوارہ ہو یا شادی شدہ، مسلمان ہو یا غیر مسلم، غلام ہو یا آزاد، بوڑھا ہو یا جوان، اس قسم کے مجرم کی گردن تلوار سے اڑا دی جائے گی۔ کسی عورت سے زبردستی زنا کرنے والا بھی قتل کیا جائے گا۔ کوئی کافر اگر کسی مسلمان عورت سے زنا کرے خواہ اس عورت کی رضا شامل کیوں نہ ہو قتل کیا جائے گا۔

۲۔ رجم: جو شادی شدہ مرد کسی بالغہ اور عاقلہ عورت سے یا شادی شدہ عورت کسی بالغ اور عاقل مرد سے زنا کرے تو سنگسار کئے جائیں گے اور اگر یہ زناکار شادی شدہ ہونے کے ساتھ بوڑھے بھی ہوں تو ان کو اول تازیانے لگائے جائیں گے اور اس کے بعد سنگسار کیا جائے گا۔

اگر کوئی شادی شدہ مرد کسی نابالغہ یا مجنونہ سے منہ کالا کرے تو اس کو کوڑے لگائے جائیں گے۔ رجم نہیں کیا جائے گا اور اگر کوئی شادی شدہ عورت کسی بچے سے منہ کالا کرے تو اس کو کوڑے لگائے جائیں گے رجم نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی بالغہ عاقلہ کسی پاگل انسان سے زنا کرائے تو اس پر اس کی حیثیت کے مطابق کامل حد جاری کی جائے گی۔ یعنی اگر کنواری ہے تو صرف کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر شادی شدہ ہے تو سنگسار کی جائے گی اور اگر شادی شدہ بوڑھی ہے تو کوڑے بھی لگائے جائیں گے اور سنگسار بھی کیا جائے گا۔

۳۔ **فقط کوڑے:** غیر شادی شدہ زانی مرد اور عورت کو بدکاری کے ارتکاب پر ایک سو کوڑے لگائے جائیں گے اور اس بالغہ عاقلہ عورت کو بھی کوڑے لگائے جائیں گے جس سے کوئی بچہ زنا کرے خواہ یہ عورت شادی شدہ ہو یا کنواری۔ اور بچہ کے لئے قاضی کو اختیار ہے کہ حد سے کم کوڑے جتنے چاہے لگوائے یعنی مناسب سزا دے تاکہ آئندہ وہ اس قسم کی شیطنت میں مبتلا نہ ہو۔

۴۔ **کوڑے اور سنگساری ایک ساتھ:** یہ سزا عمر رسیدہ شادی شدہ زناکار مردوں اور عورتوں کی سزا ہے۔ پہلے انھیں کوڑے لگائے جائیں گے پھر سنگسار کر دیا جائے گا۔

۵۔ **کوڑے، جلاوطنی، اور سر کا مونڈنا ایک ساتھ:** یہ ایسے زانی کی سزا ہے جس کا نکاح ہو گیا ہو لیکن رخصتی عمل میں نہ آئی ہو۔ ایسے شخص کا سر مونڈ کر، کوڑے لگا کر ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیا جائے گا۔ اس جرم میں اگر لڑکی ماخوذ ہو تو صرف کوڑے لگائے جائیں گے نہ اس کا سر مونڈا جائے گا اور نہ شہر بدر کیا جائے گا۔

کیفیت اجرائے حد، چند ضروری مسائل:

۱۔ زنِ مستحاضہ جب تک تندرست نہ ہو جائے اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے لیکن زنِ حائضہ کی سزا میں تاخیر نہیں کی جائے گی۔

۲۔ مریض مجرم کو کوڑے لگانے سے اگر موت کا خوف ہو تو اس کی صحت کا انتظار کیا جائے گا اور اگر تندرستی سے مایوسی ہو تو سو چھڑیوں کا ایک گٹھا بنا کر مجرم کو مارا جائے گا۔

۳۔ اگر کوئی زانی بعد جرم دیوانہ ہو جائے تو سزا معطل نہیں کی جائے گی۔

۴۔ جب سزا کوڑوں کی ہو تو نفاذ سزا میں، موسم کی شدت کو ملحوظ رکھا جائے۔ بہتر ہے کہ جاڑوں میں دوپہر میں اور گرمی میں صبح یا شام میں سزا دی جائے۔

۵۔ اگر کسی مجرم پر دو قسم کی سزائیں عائد ہو جائیں تو دونوں میں سے پہلے وہ سزا دی جائے گی جس سے دوسری فوت یا معطل نہ ہو جائے مثلاً ایک مجرم کو کوڑوں اور سنگساری کی سزا دی گئی ہے تو پہلے کوڑے لگائے جائیں اس کے بعد سنگسار کیا جائے۔

۶۔ اگر مجرم مرد ہے اور اس کو سنگسار کیا جاتا ہے تو سنگساری سے پہلے اس کو، کولہوں تک زمین میں دبا دیا جائے اور اگر عورت ہے تو سینے تک۔

۷۔ اگر مجرم سنگساری کی سزا کے دوران میں بھاگ کھڑا ہو تو اگر شہادتوں کی بنا پر اسے سزا دی گئی ہے تو اس کو واپس لا کر سنگسار کیا جائے گا اور اگر بربنائے اقرار سزا دی گئی ہے تو اگر اسے ایک بھی پتھر لگ گیا ہو تو اس کو گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوڑوں کی سزا ہو تو بھاگنے کی کوئی تاثیر نہیں ہے، مفرور کو پکڑ کر لایا جائے گا اور سزا کی تکمیل کی جائے گی۔

۸۔ اگر کسی شخص نے کئی بار زنا کیا ہے اور اس کا ثبوت خواہ اقرار سے ہوا ہو یا شہادتوں سے تو ایک ہی بار حد جاری کی جائے گی۔

۹۔ اگر کسی شخص پر تین مرتبہ حد جاری کی جا چکی ہو تو چوتھی مرتبہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

۱۰۔ زانیہ محصنہ اگر حاملہ ہو تو وضع حمل اور عرصۂ رضاعت تک سنگساری

کو معطل کیا جائے گا اور اگر کنواری حاملہ ہو تو اگر اس کے بچے کے لئے نقصان دہ نہ ہو تو حد جاری کر دی جائے گی۔

۱۱۔ زانی مرد کو کھڑا کر کے کوڑے لگائے جائیں گے اور عورتین کے علاوہ اس کو برہنہ کر دیا جائے گا اور اس کی گردن سے پیروں تک کوڑے لگائے جائیں گے۔ چہرے، سر اور مقام مخصوص کو بچایا جائے گا۔ جبکہ عورت کو پورا لباس پہنے ہوئے بٹھا کر سزا دی جائے گی۔

۱۲۔ جب کسی مجرم پر حد جاری کی جائے تو لوگوں کو اعلان کے ذریعے بلایا جائے تاکہ وہ اجرائے حد کو دیکھیں۔

۱۳۔ اجرائے حد میں بلاسبب تاخیر نہیں کی جائے گی۔ نہ کسی کی ضمانت قبول کی جائے گی نہ سفارش سنی جائے گی۔

۱۴۔ جب کسی عورت یا مرد کو رجم کیا جائے تو اس کو خود غسل میت کر لینا چاہیئے اور میت کی طرح کفن پہننا چاہیئے، رجم کے بعد اس پر نماز میت پڑھی جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔

۱۵۔ اگر کوئی شخص زن مردہ سے زنا کرے (معاذ اللہ) تو اس پر وہی احکام جاری ہوں گے جو زندہ عورت سے زنا کرنے پر ہوتے ہیں، اس لئے اگر وہ محصن ہے تو رجم کیا جائے گا اور غیر محصن ہے تو سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ حد جاری کرنے کے ساتھ اس قسم کے مجرم کو کچھ مزید سزا بھی تعزیراً دی جائے گی۔ اور اگر کوئی شخص اپنی مردہ بیوی سے جنسی فعل کرے تو اس پر حد جاری نہیں ہو گی بلکہ تعزیری سزا دی جائے گی۔

۱۶۔ جو شخص کسی محترم وقت اور زمانے میں جیسے رمضان، جمعہ یا

عید کا دن یا محترم مکان جیسے مسجد کعبہ یا مشاہد مشرفہ میں جنسی جرم کا مرتکب ہو اس کو حد کے علاوہ کچھ تعزیری سزا بھی دی جائے گی کہ اس نے ارتکاب جرم کے ساتھ گستاخی اور اہانت کا رویہ بھی اپنایا ہے۔

۱۷۔ کسی مردہ عورت سے زنا کا ثبوت چار مردوں کی گواہی یا مجرم کے چار مرتبہ اقرار سے ہوتا ہے۔ عورتوں کی گواہی تنہا یا مردوں کے ساتھ شامل کر کے قابل قبول نہ ہوگی۔[1]

احصان زنا کی بحث میں "محصن" اور "محصنہ" کا لفظ بار بار استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ اس لفظ کے معنی لغت میں "شادی شدہ" کے ہیں لیکن فقہی اصطلاح میں ایک ضروری اضافہ یہ ہے کہ شادی شدہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے ایک دوسرے کے ساتھ جنسی فعل میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور دن اور رات میں جب چاہیں وہ ایک دوسرے سے نزدیکی کر سکیں۔ اس لئے شادی شدہ اگر ایسے سفر میں ہے کہ بعد مسافت کی وجہ سے وہ اپنی بیوی سے یا عورت اپنے شوہر سے قربت نہیں کر سکتے یا مرد یا عورت قید میں ہے، یا کسی صاحب قوت و اقتدار نے دونوں کو قریب آنے سے بہ جبر روک رکھا ہے، یا بیوی اور شوہر میں لڑائی ہو یا دونوں میں سے ایک شدید بیمار ہو کہ مباشرت ممکن نہ ہو تو ایسے اشخاص عورت یا مرد کنوارے کے حکم میں ہوں گے اور ارتکاب جرم کی صورت میں غیر شادی شدہ مجرموں کی سزا کے مستحق ہوں گے۔[2]

---

[1] مبانی تکملۃ المنہاج ج اول صہ ۲۱۱ تا ۲۲۸ تحریر الوسیلہ ج ۲ صہ ۵۹۳ تا ۶۲۶، شرائع الاسلام صہ ۱۵۴ تا ۱۸۸

[2] مبانی تکملۃ المنہاج ج اول صہ ۲۰۲، ۲۰۳ تحریر الوسیلہ ج ۲ صہ ۵۸۷، شرائع الاسلام کتاب الحدود صہ ۱۵

ثبوت زنا کے وسائل اور ذرائع

زنا دو ذریعوں یا طریقوں سے ثابت ہوتا ہے۔

١۔ مجرم کا اقرار ٢۔ گواہی

١۔ اقرار سے زنا کے ثبوت کے لئے چند شرائط ہیں۔ اوّل یہ کہ اقرار کنندہ بالغ، عاقل، صاحب اختیار اور آزاد ہو۔ دوم یہ کہ چار مرتبہ اقرار کرے اور یہ اقرار مختلف اوقات میں کرے۔ چنانچہ بچے، پاگل، مجبور، نشہ میں دھت اور غفلت زدہ کا اقرار غیر مؤثر ہوگا۔ سوم ضروری ہے کہ صریح اور واضح الفاظ میں اقرار کرے، اگر ایسے الفاظ میں اقرار کیا جائے جن میں کسی دوسرے معنی کا احتمال ہو تو وہ اقرار بھی غیر مؤثر ہوگا۔

جناب امیر علیہ السلام نے ایک عورت پر حد جاری کرنے سے پہلے چار بار، مختلف اوقات میں، واضح لفظوں میں اس کا اقرار سماعت فرمایا

أُتت امرأة مجِحّ امير المؤمنين عليه السّلام فقالت: يا امير المؤمنين إنّي زنيتُ فطهّرني طهّرك الله، فانّ عذاب الدّنيا أيسر من عذاب الآخرة الذي لا ينقطع، فقال لها: ممّا اطهّرك؟ فقالت: إنّي زنيتُ، فقال لها: وذات بعل أنتِ اذ فعلت ما فعلت؟ أم غير ذلك؟ قالت: بل ذاتِ

ایک عورت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئی اور اس نے عرض کیا، اے امیر المومنین خدا آپ کو پاک و پاکیزہ رکھے۔ میں نے زنا کیا ہے مجھے پاک کر دیجئے کہ یقیناً دنیا کا عذاب بہت آسان ہے آخرت کے عذاب سے جو کبھی قطع اور ختم نہیں ہوتا۔ آپؑ نے اس سے فرمایا: میں تجھے کس چیز سے پاک کروں؟ تو اس نے عرض

بعل، فقال لها: أفحاضراً كان بعلك إذ فعلت ما فعلت؟ أم غائباً كان عنك؟ قالت: بل حاضراً، فقال لها: فانطلقي فضعي ما في بطنك ثم ايتيني اطهّرك؛ فلمّا ولّت عنه المرأة فصارت بحيث لا تسمع كلامه قال: اللّهمّ انها شهادة۔ فلم تلبث أن أتته فقالت: قد وضعت فطهّرني! قال فتجاهل عليها فقال! اطهّرك يا أمة الله ممّا ذا؟ قالت: إنّي زنيت فطهّرني. قال: وذلت لبعل أنت اذ فعلت ما فعلت؟ قالت: نعم قال فكان زوجك حاضراً أم غائباً؟ قالت: بل حاضراً قال: فانطلقي فارضعيه حولين كاملين كما أمرك الله. قال فانصرفت المرأة فلمّا صارت منه حيث لا تسمع كلامه قال: اللّهمّ انهما شهادتان. قال فلمّا

کیا: میں نے زنا کیا ہے! آپؑ نے فرمایا: جب تم نے یہ فعل کیا تو تم شوہر دار تھیں یا نہیں؟ اس نے کہا میں شوہر دار تھی۔ آپ نے پوچھا: جب تو نے یہ حرکت کی تو کیا تیرا شوہر حاضر تھا یا غائب؟ اس نے عرض کیا کہ وہ موجود تھا۔ آپؑ نے اس سے فرمایا کہ اس وقت چلی جا، وضع حمل کے بعد میرے پاس آنا میں تجھے پاک کر دوں گا۔ جب وہ عورت جناب امیر علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہوئی اور اتنی دور چلی گئی کہ وہ جنابؑ کے ارشادات کو نہ سن سکتی تھی تو آپؑ نے فرمایا پالنے والے یہ ایک شہادت ہے۔ وہ باز نہ آئی اور کچھ عرصہ کے بعد پھر آ گئی۔ اور کہنے لگی! میں نے بچہ جن دیا ہے اب مجھے پاک کر دیجئے! راوی کہتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے تجاہل عارفانہ فرماتے ہوئے اس سے کہا اے کنیز خدا میں تجھے کس جرم سے

مضى الحولان أتت المرأة فقالت:
قد أرضعته حولين فطهرني
يا أمير المؤمنين! فتجاهل عليها
وقال: اطهرك مما ذا؟ فقالت
إني زنيت فطهرني- فقال وذات
بعل أنت اذ فعلت ما فعلت؟
فقالت نعم- قال وبعلك غائباً
عنك إذ فعلت ما فعلت؟ فقالت
بل حاضراً، قال فانطلقي فاكفليه
حتى يعقل أن يأكل ويشرب
ولا يتردى من سطح ولا يتهور
في بئر- قال: فانصرفت وهي
تبكي فلما ولت وصارت حيث
لا تسمع كلامه قال: اللهم
هذه ثلاث شهادات- قال:
فاستقبلها عمرو بن حريث
المخزومي فقال لها: ما يبكيك
يا أمة الله؟ وقد رأيتك
تختلفين إلى علي عليه السلام
تسألينه أن يطهرك! فقالت
إني أتيت امير المؤمنين عليه السلام

پاک کردوں؟ اس نے کہا: میں نے
زنا کیا ہے مجھے پاک کر دیجئے- تو
آپؑ نے فرمایا: جب تو نے یہ کیا تو
تو شوہر دار تھی؟ اس نے کہا:
ہاں، آپ نے پوچھا تیرا شوہر موجود
تھا یا غائب؟ اس نے کہا موجود
تھا! آپؑ نے فرمایا تم چلی جاؤ
اور بچے کو دو برس دودھ پلاؤ
جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے
راوی کہتا ہے کہ عورت پلٹ گئی
اور جب اتنی دور ہو گئی کہ وہ حضرت
کا کلام نہیں سن سکتی تھی تو آپ نے
فرمایا: اے خدا یہ دو گواہیاں ہوئیں
راوی کہتا ہے کہ جب دو برس گذر
گئے تو وہ عورت پھر آگئی اور اس
نے کہا کہ میں نے بچے کو دو برس
دودھ پلا دیا ہے، مولا اب مجھے
پاک کر دیجئے! حضرت علی علیہ السلام
نے اس سے گفتگو میں ایسا رویہ
اختیار فرمایا گویا اسے جانتے نہیں
ہیں اور کہا: تم کو کس چیز سے پاک

فسألته أن يطهرني فقال :
إكفلي ولدك حتى يعقل أن يأكل
ويشرب ولا يتردى من سطح
ولا يتهور في بئر، وقد خفت
أن يأتي عليّ الموت ولم يطهرني۔
فقال لها، عمرو بن حريث
إرجعي اليه فأنا أكفله، فرجعت
فأخبرت امير المؤمنين عليه السلام
بقول عمرو بن حريث، فقال لها
امير المؤمنين عليه السلام وهو
متجاهل عليها : ولم يكفل
عمرو ولدك؟ فقالت : يا امير
المؤمنين إني زنيت فطهرني
فقال : وذات بعل أنت اذ فعلت
ما فعلت؟ قالت، نعم، قال :
أفغائبا كان بعلك إذ فعلت
ما فعلت؟ قالت : بل حاضراً
قال : فرفع رأسه إلى السماء
فقال : اللهمّ! انه قد ثبت
عليها اربع شهادات، إلى ان
قال : فنظر اليه عمرو بن حريث

کرو دوں؟ اس نے عرض کیا، میں
نے زنا کیا ہے مجھے پاک کر دیجیے۔ آپؑ
نے پوچھا کہ تم نے جو کچھ بھی کیا، تم
اس وقت شوہر دار تھیں؟ اس
نے کہا : جی ہاں! آپؑ نے فرمایا جب
تو نے یہ حرکت کی تو تیرا شوہر غائب
تھا؟ اس نے عرض کیا : حاضر تھا
آپؑ نے اس عورت سے کہا کہ چلی
جاؤ اور اس بچے کی پرورش کرو
یہاں تک کہ کچھ سمجھ دار ہو جائے،
کھانے پینے لگے، کسی اونچی جگہ سے
لڑھک نہ جائے اور کسی کنویں وغیرہ
میں گر نہ جائے۔ یہ سن کر وہ عورت
اس حال میں واپس مڑی کہ رو
رہی تھی، جب وہ اتنے فاصلے پر
پہونچ گئی کہ وہ حضرت کی بات
سُن نہ سکتی تھی تو آپؑ نے فرمایا
خدایا، تین شہادتیں ہو گئیں۔
راوی کہتا ہے کہ اس عورت کو راستے
میں عمرو بن حریث مخزومی ملے اور
کہا کہ اے کنیز خدا کیوں روتی ہے

وكأنما الرمان يفقئها في وجهه فلمّا رأى ذالك عمرو قال: يا امير المؤمنين! إني انما اردت أن أكفله إذ ظننت أنك تحب ذالك، فأمّا إذ كرهته فاني لست أفعل. فقال امير المومنين عليه السلام أبعد أربع شهادات بالله؟ لتكفلنه وأنت لها صاغر.

میں دیکھتا رہا ہوں کہ تو حضرت علی علیہ السلام کے پاس بار بار آکر اپنے تئیں پاکیزہ کرنے کی درخواست کرتی رہی ہے۔!! اس نے کہا: میں امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آئی تھی کہ وہ مجھے پاک کر دیں تو آپ نے حکم دیا کہ اپنے بچے کی پرورش کرو، یہاں تک کہ اسے سمجھ آجائے اور خود کھانے پینے لگے اور کسی اونچی جگہ سے لڑھک نہ جائے اور کنویں گڑھے میں گر نہ جائے، اب مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے موت آجائے اور مولا نے مجھے پاک نہ کیا ہو۔ ...!! عمرو بن حریث نے کہا کہ حضرتؑ کے پاس چلی جاؤ، میں اس بچے کی پرورش کروں گا۔ چنانچہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے پاس پلٹ آئی۔ اور آپؑ کو عمرو بن حریث کی گفتگو سے آگاہ کیا۔ تو امیر المومنین علیہ السلام نے اس سے سابقہ انداز میں فرمایا: عمرو تمہارے بچے کی پرورش کیوں کرے گا (جب کہ تم موجود ہو) اس نے کہا، مولا میں نے تو زنا کیا ہے مجھے پاک کر دیجئے! آپ نے فرمایا: تم نے جو کچھ کیا اس وقت شوہر دار تھیں؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے پوچھا تمہارا شوہر غائب تھا؟ اس نے عرض کیا: نہیں، حاضر تھا! تب آپؑ نے آسمان کی طرف رُخ کیا اور فرمایا، اے خدا اس کے خلاف چار گواہیاں ثابت ہو چکی ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ اس حالت میں عمرو بن حریث نے حضرت علیؑ کے چہرے پر نظر ڈالی تو آپؑ کا چہرہ سُرخ تھا۔ عمرو نے یہ عالم جلال دیکھ،

تو عرض کیا: مولا میں نے تو اس بچے کی پرورش اس لئے قبول کر لی تھی کہ میں یہ سمجھا تھا کہ آپ اسے پسند فرمائیں گے۔ لیکن آپ کو نا پسند ہے تو میں یہ ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔ جناب امیر علیہ السّلام نے فرمایا کہ اب، چار شہادتوں کے بعد ۔۔ ؟؟ اب تو تمہیں اس کی کفالت کرنا پڑے گی اور حقارت و ذلت تمہارا مقدر ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے اس عورت کو سزا دے دی۔

ایک مرد کے تعلق میں بھی جناب امیر علیہ السلام نے یہی طریق کار اختیار فرمایا:

علی بن ابراہیم عن احمد بن محمد بن خالد رفعه إلی امیر المؤمنین علیه السلام قال: أتاه رجل بالكوفة فقال، یا امیر المؤمنین إنّی زنیتُ فطهّرنی قال: ممّن أنت؟ قال من مزینة قال: أتقرأ من القرآن شیئاً؟ قال بلیٰ: قال: فاقرء، نقرأ فاجاد فقال أبك جِنّة؟ قال: لا قال، فاذهب حتی نسئل عنك فذهب الرجل ثم رجع الیه بعد فقال، یا امیر المؤمنین إنّی زنیتُ فطهّرنی، فقال الك زوجة؟

کوفہ میں جناب امیر علیہ السّلام کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا اے امیر المؤمنین میں نے زنا کیا ہے مجھے پاک کر دیجئے! آپؑ نے فرمایا تم کس قبیلہ سے ہو؟ اس نے عرض کیا امزینہ سے، فرمایا تم قرآن میں سے کچھ پڑھ سکتے ہو، اس نے عرض کیا جی ہاں، اس کے بعد اس نے پڑھا اور بڑے سلیقہ سے پڑھا۔ آپؑ نے فرمایا، کہ دیوانہ تو نہیں ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں! حضرتؑ نے فرمایا واپس جاؤ ہم تمہارے متعلق معلومات حاصل کریں گے۔ وہ چلا گیا اور کچھ عرصہ

قال: بلیٰ قال: فمقیمة معك
فی البلد؟ قال: نعم، قال:
فأمره امیرالمؤمنین علیه السلام
فذهب وقال: حتی نسأل عنك
فبعث إلی قومه نسأل عن
خبره فقالوا: یا امیرالمؤمنین!
صحیح العقل. فرجع الیه
الثالثة فقال له مثل مقالته
فقال له: اذهب حتی نسأل
عنك فرجع الیه الرابعة
فلما اقر قال امیرالمؤمنین
علیه السلام لقنبرؓ: احتفظ
به. ثم غضب ثم قال: ما
أقبح بالرجل منکم أن یاتی
بعض هذه الفواحش فیفضح
نفسه علی رؤوس الملاء، أفلا
تاب فی بیته فوالله لتوبته
فیما بینه وبین الله افضل
من اقامتی علیه الحد ف

کے بعد پھر خدمت میں پیش ہوا اور کہا
یا امیرالمومنین میں نے زنا کیا ہے مجھے
پاک کر دیجئے۔ آپؑ نے فرمایا تمہاری
بیوی ہے؟ عرض کیا جی ہاں، آپؑ
نے پوچھا! تمہارے ساتھ ہی رہتی ہے
اس نے کہا جی ہاں۔ جناب نے پھر
اسے واپس جانے کا حکم دیا، یہ کہہ
کر کہ ہم تیرے متعلق کچھ پوچھ گچھ کریں
گے۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام
نے اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے
کے لئے اس کے قبیلے والوں سے
پوچھا تو ان لوگوں نے کہا یہ صحیح العقل
ہے، پھر وہ تیسری مرتبہ آیا اور حضرتؑ
کے سامنے اپنی سابقہ گفتگو دہرائی
حضرتؑ نے فرمایا چلے جاؤ ہم تمہارے
بارے میں سوال کریں گے، وہ شخص
چوتھی مرتبہ آیا اور اپنے جرم کا اقرار
کیا تو جناب امیرالمومنین علیہ السلام
نے قنبرؓ سے کہا اس کی نگرانی کرو۔
پھر آپ کو جلال آگیا اور آپ نے فرمایا کہ تم میں سے وہ شخص کتنا برا ہے

ف فروع کافی ج ۷ کتاب الحدود صفحہ ۱۸۸؛ وسائل شیعہ ج ۱۸ صفحہ ۳۷۷

جو فواحش میں مبتلا ہوتا ہے اور خود کو عوام کے سامنے رسوا کرتا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ وہ اپنے گھر میں توبہ کر لیتا۔ اس کی توبہ اس معاملہ میں جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہے میرے اس پر حد قائم کرنے سے افضل ہے !!!

اس حدیث کے آخری حصے سے یہ حقیقت برافگندہ نقاب ہوتی ہے کہ اگر کسی سے کوئی جنسی جرم سرزد ہو جائے تو اسے بارگاہ خداوندی میں توبہ کرنا چاہیئے کہ خداوند عالم ستار العیوب ہے اور عیبوں اور جرموں پر، پردے کو پسند فرماتا ہے اور یہ بات اپنی جگہ ثابت ہے کہ توبہ کے بعد کوئی جرم، جرم نہیں رہتا۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ اسی لئے فقہاء نے ہر جگہ لکھا ہے کہ اقرار اور شہادت سے پہلے کوئی شخص توبہ کر لے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔

اگر کوئی شخص چار مرتبہ اقرار نہ کرے تو اس کو بطور حد سزا نہیں دی جائے گی۔ البتہ قاضی اس کو تعزیری سزا دے گا۔

ان تمام امور میں عورت اور مرد یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔

گونگے کا اقرار ایسے واضح اشارے سے قابل تسلیم ہوگا جو نطق کا بدل ہو سکے اور اگر ایسے شخص کا اشارہ قاضی نہیں سمجھتا ہے اور اس کی ترجمانی کی ضرورت ہے تو دو عادل گواہ درکار ہوں گے۔

اگر کوئی شخص کسی عورت کا نام لے کر زنا کا اقرار کرے تو چار مرتبہ کا اقرار ہی موثر ہوگا۔ اس صورت میں عورت کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ اور مرد پر بھی قذف کی سزا عائد نہیں

ی جائے گی۔ لیکن اگر یہ کہدے کہ میں نے اس سے زنا کیا ہے اور وہ زانیہ ہے تو اس پر حد زنا کے ساتھ حد قذف بھی ہوگی۔

اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کا چار بار اقرار کرے اور عورت کا نام نہ لے تو اس سے نام نہیں پوچھا جائے گا۔

اگر کوئی بے شوہر عورت حاملہ پائی جائے تو جب تک وہ چار بار اقرار زنا نہ کرے یا اس کے خلاف شہادتیں قائم نہ ہوجائیں اس وقت تک اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی اور کسی کو اس سے قیام حمل کے متعلق سوالات اور تفتیش کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص ایسے جنسی جرم کا اقرار کرے جس کی سزا رجم ہے اور پھر منکر ہوجائے تو رجم نہیں کیا جائے گا اور اگر ایسے جرم کا اقرار کرکے منکر ہوا ہو جس کی سزا کوڑے ہوں تو یہ سزا ختم نہیں ہوگی [۱]

۲۔ گواہی : ثبوت زنا کا دوسرا ذریعہ گواہی ہے، لیکن اس جنسی جرم کے ثبوت کے لئے چار مردوں یا تین مردوں دو عورتوں یا دو مردوں اور چار عورتوں کی شہادت درکار ہوگی۔ تاہم دو مردوں اور چار عورتوں کی شہادت سے وہ زنا ثابت ہوگا جس کی سزا کوڑے ہیں۔ سنگساری کے ثبوت کے لئے چار مردوں یا تین مردوں اور دو عورتوں کی گواہی مؤثر ہوگی۔ اس جرم میں صرف عورتوں کی شہادت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اور ایک مرد اور چھ عورتوں کی شہادت بھی بے معنی ہے

---

[۱] مبانی تکملۃ المنہاج ج اول صـ۱۷۳ تا ۱۷۸، تحریر الوسیلہ ج ۲ صـ۴۵۹ و صـ۴۶۰، شرائع الاسلام کتاب الحدود صـ۱۵۱

اسی طرح دو مردوں اور چار عورتوں کی گواہی بھی غیر مؤثر ہے۔

شہادت کے لئے ضروری ہے کہ وہ یقینی مشاہدے اور معائنے کی بنیاد پر ہو یعنی یہ کہ تمام گواہوں نے اپنی آنکھوں سے اس فعل شنیع کا واضح غیر مشکوک مشاہدہ کیا ہو۔ اگر گواہوں کی تعداد میں ایک کی بھی کمی ہوگی تو ملزم کے نہ کوڑے مارے جاسکتے ہیں۔ نہ رجم کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ گواہوں پر حد قذف جاری کردی جائے گی۔

گواہ، وقوع واقعہ کی کیفیات میں بھی متحد ہوں۔ یعنی یہ کہ وقت اور مکان وغیرہ کے بیان میں کوئی اختلاف نہ پایا جاتا ہو اگر ایسا اختلاف موجود ہوا تو ملزم کو سزا نہیں دی جائے گی بلکہ گواہوں کو حد قذف لگائی جائے گی اور یہ بھی ضروری ہے کہ سب گواہ ایک ہی وقت میں حاضر ہو کر یکے بعد دیگرے گواہی دیتے چلے جائیں۔ کسی گواہ کا انتظار نہیں کیا جائیگا، اگر تین گواہ، گواہی دے دیں اور چوتھا نہ ہو تو ان تین پر حد قذف جاری کردی جائے گی، اگر سب گواہ موجود ہوں لیکن ان میں سے کچھ گواہی دے دیں اور کچھ نہ دیں تو گواہی دینے والوں پر حد قذف عائد ہو جائے گی۔

نوٹ: قاضی کو اختیار ہے کہ چاہے تو ہر گواہ کی گواہی الگ لے یا چاروں کی شہادت ایک دوسرے کے سامنے سنے۔

گواہیوں کے گذر جانے کے بعد حد کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ ملزم کی طرف سے گواہوں کی تصدیق یا تکذیب کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

اگر کسی کنواری لڑکی کے خلاف چار مرد گواہ گذر جائیں اور لڑکی اس کا انکار کرے اور یہ دعویٰ کرے کہ وہ باکرہ ہے تو اگر چار عورتیں اس کے باکرہ ہونے کی گواہی دیدیں تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔

ملزم اگر گواہیوں کے گذرنے سے پہلے توبہ کرلے تو تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔[۱]

گواہی فقط تازہ واردات ہی کے لئے مؤثر نہیں ہے بلکہ کسی پرانے جرم کے ثبوت کے لئے بھی مؤثر ہوتی ہے[۲]

استبصار

اسلامی قانون شہادت میں مسلمہ طور پر دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے یا ایک عورت کی گواہی ایک مرد کے مقابلے میں نصف ہے اس لئے ظاہر ہے کہ جب تک کسی معاملہ میں دو عورتیں گواہ نہیں ہوں گی ان کی شہادت کی کوئی تاثیر نہیں ہوگی۔ قرآن کریم میں عورت کی شہادت کے متعلق واضح حکم دیا گیا ہے۔ واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھداء ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخریٰ[۳] اور اپنے پسندیدہ گواہوں میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو لیکن اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو تاکہ ان عورتوں میں سے اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلادے

حضور شارع اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے اس وقت تک امت مسلمہ دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر ہی سمجھتی رہی ہے لیکن آجکل بعض متجددین نے جن میں بعض خواتین بھی شامل

---

[۱] مبانی تکملۃ المنہاج، ج اوّل صد ۱۷۸ تا ۱۸۱، بیر الوسیلہ ج ۲ صد ۵۹۱، ۵۹۲
شرائع الاسلام کتاب الحدود صد ۱۵۲ تا ۱۵۳ [۲] الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم صد ۲۳۱
[۳] پ البقرہ آیت ۲۸۲

ہیں عورت کی گواہی کو مردانہ حیثیت دینے کے لئے کوشاں ہیں۔ ان کی روشنی چشم کے لئے ہم جناب امیر علیہ السّلام کے ایک خطبہ کا کچھ حصّہ نقل کر رہے ہیں:۔ معاشر النّاس! انّ النساء نواقص الایمان، نواقص الحظوظ، نواقص العقول، فامّا نقصان ایمانہن فعقودھن عن الصلوٰۃ والصیام فی ایام حیضہن واما نقصان عقولہن فشہادۃ امرأتین کشہادہ الرجل الواحد واما نقصان حظوظہن فموارثیہن علی الانصاف من مواریث الرجال ؎ لوگو! عورتوں کے ایمان حصّے اور عقلیں ناقص ہوتی ہیں۔ نقص ایمان کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ماہواری میں نماز روزہ ادا کرنے کے قابل نہیں رہتیں۔ نقص عقول کی دلیل یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے اور عورتوں کے حصّے کی کمی کا ثبوت یہ ہے کہ میراث میں ان کا حق مردوں کے مقابلہ میں نصف ہوتا ہے۔

حضرت علی علیہ السّلام کا یہ ارشاد فامّا نقصان عقولہنّ فشہادہ امرأتین کشہادۃ الرجل الواحد (یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے) اس بات کی دلیل ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر کسی خاص مورد میں نہیں ہے بلکہ جہاں بھی عورت محلِ شہادت میں آئے گی تو دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر تسلیم کی جائے گی۔

قرآن کریم کے اطلاقات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد

؎ نہج البلاغہ مترجم مرزا یوسف حسین صد ۳۱۶

حضرت علی علیہ السلام سے بہتر کون جان سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے علوم کے اظہار کا وسیلہ قرار دیا ہے یہ کہہ کر انا مدینۃ العلم وعلی بابہا اور تمام اصحابؓ رسول بلا استثنا، حضرت علی علیہ السلام کی رفعت علمی کے قائل ہیں۔ اس لئے اسلامی قانون شہادت میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوگی اور سوائے مخصوص موارد کے اہم اور اصولی معاملات میں ایک عورت کی گواہی کی کوئی تاثیر نہیں ہے۔

غیر شادی شدہ زانی کو کوڑے لگانے کی سزا قرآن کریم کے سورۂ نور میں بیان کی گئی ہے (الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحدۃ منہما مائۃ جلدۃ ۔ زانی مرد اور عورت میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ) لیکن رجم یعنی سنگساری سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اور اس میں کسی مسلمان فرقے نے اختلاف نہیں کیا ہے۔ اصحاب کرامؓ کے دور حکومت میں سرآمد اہل بیت رسول حضرت علی علیہ السلام کے دور اقتدار اور جب بھی، جہاں کہیں بھی اسلامی سزاؤں کا رواج رہا ہے رجم کی سزا پر عمل کیا گیا ہے۔ حجاز مقدس میں آجکل بھی اس پر عمل ہوتا ہے۔ جدّت پسندوں کا یہ ارشاد کہ رجم اسلامی سزا نہیں ہے ایک ایسا اجتہاد ہے جس پر مسلمان صرف حیرانی سے مسکرا سکتا ہے۔

لواطہ

یہ شہوت رانی کی انتہائی ذلیل اور قبیح شکل ہے۔ اس میں مرد ہی فاعل ہوتا ہے اور مرد ہی مفعول، اس کو آج کل کی زبان میں "ہم جنسی" کہا جاتا ہے۔ یہ جنسی جرائم کی بد ترین صورت ہے اس لئے کہ یہ وضع فطرت کے خلاف ہے۔ جب تک انسان اخلاقی طور پر مکمل دیوالیہ نہ ہو جائے اس فعل کا ارتکاب کر ہی نہیں سکتا۔ سؤر کے علاوہ جانور بھی اس جنسی کج روی سے بالکل محفوظ رہتے ہیں۔ صرف سؤر ایک ایسا جانور ہے جو ہیجان جذبہ جنسی میں نر و مادہ میں امتیاز نہیں کرتا۔ اور شائد اسی لئے وہ قومیں اس فعل شنیع کا بے محابا ارتکاب کرتی ہیں جو سؤر خور ہیں۔ یورپ کے بعض ممالک میں اس غیر انسانی بلکہ ابلیسی عمل کو قانونی حیثیت بھی دے دی گئی ہے۔ امم سابقہ میں سے حضرت لوطؑ کی قوم اس بیماری میں مبتلا تھی اور خداوند عالم نے اس پر عذاب استیصال نازل کر کے اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا تھا اور فنا کر دیا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

ولما جاءت رسلنا لوطا سیٓء بھم وضاق بھم ذرعا وقال ھذا یوم عصیب ٥ وجاءہ قومہ یھرعون الیہ ط ومن قبل کانوا یعملون السیات ط قال یقوم ھؤلاء بناتی ھن اطھر لکم فاتقوا اللہ ولا تخزون فی ضیفی ط الیس منکم رجل رشید ٥ قالوا لقد علمت ما لنا فی بنٰتک من حق ج وانک لتعلم ما نرید ٥ قال لو ان لی بکم قوۃ او اٰوی الی رکن شدید ٥ قالوا یلوط انا رسل ربک

لن یصلوا الیک فاسر باھلک بقطع من الّیل ولا یلتفت منکم احد الا امراتک ط انہ مصیبھا ما اصابھم ط ان موعدھم الصبح ط الیس الصبح بقریب ۝ فلما جاء امرنا جعلنا عالیھا سافلھا وامطرنا علیھا حجارۃ من سجیل لا منضود لا مسومۃ عند ربک ط وما ھی من الظالمین ببعید ۝ [۱]

" اور جب ہمارے فرستادہ فرشتے لوط کے پاس آئے تو ان کو ان کی آمد سے رنج پہونچا اور وہ بڑے دل تنگ ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن تو بڑا ہی سخت ہے اور جناب لوط کی قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور یہ لوگ پہلے سے بدکاریاں کیا کرتے تھے۔ جناب لوط علیہ السلام نے کہا کہ اے میری قوم یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، یہ تمہارے لئے بالکل پاکیزہ اور مناسب ہیں لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی سمجھدار آدمی نہیں ہے؛ وہ کہنے لگے آپ جانتے ہیں کہ ان لڑکیوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہے اور جو ہم چاہتے ہیں اسے بھی آپ خوب جانتے ہیں......!! آپ نے فرمایا کاش مجھے تمہارے مقابلے کی طاقت حاصل ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے یا قلعے کی پناہ لے سکتا، اس مرحلے پر فرشتوں نے کہا: اے لوط ہم آپ کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں، یہ لوگ آپ تک ہرگز نہ پہونچ پائیں گے، لہذا آپ کچھ رات رہے اپنے خاندان والوں کو لے نکل جائیے اور کوئی بھی

---

[۱] القرآن پ ۱۲ سورہ ھود آیت ۷۶ تا ۸۲

پیچھے مڑکر نہ دیکھے، تاہم اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جایئے۔ بے شک اس کو وہی عذاب پہنچے گا جو ان لوگوں کو پہنچے گا، بے شک ان کے وعدۂ عذاب کا وقت صبح ہے اور کیا صبح قریب نہیں ہے۔ پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس بستی کے اوپر کے حصے کو نیچے کا حصہ بنا دیا یعنی اُلٹ پلٹ کر دیا اور ہم نے اس پر کنکروں والے پتھر تابڑ توڑ برسائے جن پر آپ کے رب کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے۔ اور یہ سزا ظالموں سے کچھ دور نہیں ہے۔"

یہ حقیقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کثرت ارتکاب زنا پر امم سابقہ میں سے کسی اُمّت کا تختہ نہیں الٹا گیا اور کسی قوم کے نام و نشان کو نہیں مٹایا گیا، ہم جنسی وہ واحد جرم ہے جس کی اتنی ہولناک سزا دی گئی ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

حرمة الدبر اعظم من حرمة الفرج وان الله اهلك امة لحرمة الدبر ولم يهلك احداً لحرمة الفرج (1)

قرآن کریم میں اس ذلیل فعل کے مرتکبین کو مجرم، مسرف، ظالم، فاسق، مفسد اور عدوان پسند کہا گیا ہے جیسا کہ زیر نظر آیات سے واضح ہوتا ہے:

ولوطاً اذ قال لقومه اتاتون الفاحشة ما سبقكم بها من احد من العالمين ○ انكم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قوم مسرفون ○ وما كان جواب قومه الا ان قالوا اخرجوهم من قريتكم انهم اناس يتطهرون ○ فانجيناه واهله الا امراته

(1) وسائل الشیعہ ج ۷، ص ۲۴۹

كانت من الغٰبرين ○ وامطرنا عليهم مطراً ط فانظر كيف كان عاقبة المجرمين ○ (لہ)

"اور جناب لوطؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ وہ ہولناک گناہ کرتے ہو جو دنیا میں اس سے پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا، یعنی عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو، تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔ ان کی قوم نے بس یہ جواب دیا کہ لوگو! لوط کے کنبے والوں کو اپنی بستی سے نکال دو کہ یہ لوگ تو پاکبازی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بس ہم نے لوطؑ اور ان کے کنبے کو نجات دے دی البتہ ان کی بیوی پیچھے رہ گئی اور ہم نے ان لوگوں پر پتھروں کی بارش کردی تو اے رسولؐ دیکھیے تو ان مجرموں کا کیا حشر ہوا"......!؟

انا منزلون علیٰ اهل هذه القرية رجزاً من السماء بما كانوا يفسقون ○ (ٹہ)

"اور ہم بستی کے رہنے والوں پر ان کے فسق و فجور یعنی بدکاری کی پاداش میں آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں"۔

قال رب انصرني على القوم المفسدين ولما جاءت رسلنا ابراهيم بالبشرى لا قالوا انا مهلكوا اهل هذه القرية ج ان اهلها كانوا ظٰلمين ○ (تہ)

"نبیؐ نے فریاد کی، "اے خدا! اس بدکار قوم پر مجھے غلبہ عطا فرما۔ پھر

لہ القرآن پ۸ الاعراف آیت ۸۰ تا ۸۴ ٹہ القرآن پ۲۰ العنکبوت آیت ۳۴
تہ القرآن پ۲۰ آیت ۳۰، ۳۱

جب ہمارے فرستادہ فرشتے ابراہیم کو خوشخبری دینے آئے تو انہوں نے بتایا کہ ہم اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے والے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ ظالم ہیں "

أتأتون الذكران من العالمين ۝ وتذرون ما خلق لكم ربكم من ازواجكم بل انتم قوم عٰدون ۝ ؎

"تم اس جہاں میں ہم جنسی کا ارتکاب کرنا چاہتے ہو اور اپنی بیویوں کو جنہیں خدا نے تمہارے لئے خلق کیا ہے چھوڑ بیٹھے ہو۔ بات یہ ہے کہ تم حد سے بڑھ جانے والے ہو"

ان آیتوں کی وضاحت کے مطابق یہ ثابت ہو گیا کہ ہم جنسی کے مرتکب مرد سر مذمت کے مستحق ہیں اور انتہائی ہولناک سزا کے بھی، کہ ان کا اور ان کی آبادیوں کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔

ذخیرۂ احادیث میں بھی اس جرم شنیع کی مذمت میں ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں۔ جن میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں :

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم من جامع غلاماً جاء جنباً يوم القيامة لاينقيه ماء الدنيا وغضب الله عليه ولعنه واعدله جهنم وساءت مصيراً ثم قال صلى الله عليه وآله وسلم ان الذكر يركب الذكر فيهتز العرش لذلك وان الرجل لواتى فى حقبه فيحبسه الله تعالى على جسر جهنم حتى يفرغ الله من حساب الخلائق ثم يؤمر به الى جهنم فيعذب بطبقاتها

؎ القرآن پ ۱۹ آیت ۱۶۵، ۱۶۶

طبقة طبقة حتی یرد إلی اسفلها ولایخرج منها (۱)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جس شخص نے کسی لڑکے سے بدفعلی کی وہ قیامت کے دن جنب ہی محشور ہوگا، اسے دنیا کا پانی پاک نہیں کر سکتا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور خدا نے اس کے لئے دوزخ مہیا کر رکھا ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ پھر فرمایا کہ جب کوئی مرد کسی مرد سے منہ کالا کرتا ہے تو عرش الٰہی کانپنے لگتا ہے اور اگر کوئی شخص یہ گندہ فعل کرائے گا تو اللہ اسے جہنم کے پل پر اس حد تک محبوس رکھے گا کہ وہ ساری خلائق کے حساب سے فارغ ہو جائے پھر وہ اس کو جہنم میں ڈالنے کا حکم دے گا اور جہنم کے تمام طبقات میں سے ایک ایک طبقہ میں اس پر عذاب کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں پہنچ جائے گا اور اس سے کبھی نہ نکلے گا۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

من مات مصراً علی اللواط لم یمت حتی یرمیه الله بحجر من تلاث الاحجار فیکون فیه منیته ولا یراه احد۔

"جو شخص ہم جنسی میں دلچسپی رکھتا ہوا مر جائے تو اس کی موت قوم لوط کے پتھروں ہی میں سے کسی پتھر سے واقع ہوتی ہے اگرچہ اس کو کوئی دیکھتا نہیں ہے۔"

---

(۱) جواہر الکلام ج ۴۱ ص ۳۸۰

دوسری حدیث میں فرمایا:

ما من عبد یخرج من الدنیا یستحل عمل قوم لوط الا رمی اللہ کبدہ من تلک الحجارۃ تکون منیتہ فیھا ولکن الخلق لا یرونہ (۱)

"جو بندہ عمل قوم لوط کو درست سمجھتا ہو وہ دنیا سے نہیں جاتا مگر یہ کہ اللہ، قوم لوط والے پتھروں سے اس کے جگر پر ضرب لگاتا ہے اور ان پتھروں ہی سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے لیکن اللہ کی مخلوق اس منظر کو نہیں دیکھتی"۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

لو کان ینبغی لاحد ان یرجم مرتین لرجم اللوطی (۲)

"اگر کسی شخص کے لئے مناسب ہوتا کہ اسے دو دفعہ سنگسار کیا جائے تو ہم جنسی کے مرتکب کو دو مرتبہ ہی رجم کیا جاتا"۔

مذکورہ احادیث کی روشنی میں ہر شخص بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ قانون فطرت کو توڑ کر ہم جنسی کی طرف راغب ہونا، انسانیت سے انحراف ہے۔ ہر انسان کو اس سے مکمل اجتناب کرنا چاہیئے، خصوصاً اُمّت مسلمہ کے ہر فرد کا فرض ہے کہ اس گھناؤنے کاروبار سے مکمل طور پر اجتناب و احتراز کرے اس لئے کہ آخرت کی سزا کے علاوہ دنیاوی اعتبار سے بھی یہ فعل انسانی نفسیات اور صحت کو تباہ کر ڈالتا ہے، طبی کتابوں میں اس کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے اور مشاہدہ، طبی کتب کی ہر اختراع

(۱) فروع کافی ج ۷، ص ۱۹۹ (۲) تفسیر صافی، سورۂ ھود ص ۲۴۹

کی تصدیق کرتا ہے ۔ دنیا میں اس کا عظیم ترین نقصان یہ ہے کہ مفعول کی ماں، بہن اور بیٹی فاعل پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہیں (۱) اور اگر جہالت یا حماقت کی وجہ سے رشتا اس قسم کا کوئی رشتہ ظہور پذیر ہو جائے تو یہ سلسلۂ حرام کہاں تک چلے گا اس کو تو خدا ہی جانتا ہے اور اس کا وبال ہم جنسی کا ارتکاب کرنے والوں کے نامۂ اعمال ہی میں ثبت ہوگا......!!

ہم جنسی کے اسباب:

ہم جنسی کا کوئی واقعی سبب تو موجود نہیں ہے ۔ اس لئے کہ ہر خطۂ ارض میں صنف مقابل کا حصول ممکن ہے اور اس طرح فطری طریقہ پر جنسی جذبہ کی تسکین کا سامان ہو سکتا ہے ۔ تاہم، ہم جنسی کی پہلی وجہ فرزندان آدم کا عقلی فتور ہے اس لئے کہ غیر فطری لذت کوشی فتور عقل کو ہی مقتضی ہے ۔ دوسرا بنیادی سبب حقائق زندگی سے گریز اور فرائض حیات سے فرار ہے ۔ انسان فطری قوانین کی اطاعت کرتے ہوئے شادی بیاہ کرے تو عورت کے نان نفقہ اور دیگر ضروریات کی تکمیل کے فرائض مرد پر عائد ہو جاتے ہیں اور اگر بچے بھی پیدا ہو جائیں تو بچوں کی معاشی ضروریات کے علاوہ تعلیم و تربیت کے فرائض بھی متعلق ہو جاتے ہیں ۔ انہی ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے عقل باختہ انسان ہم جنسی اختیار کرتا ہے کہ اس میں جنسی ہیجان کی تسکین ہو جاتی ہے ۔ مگر کوئی حیاتیاتی فرض عائد نہیں ہوتا اور نہ کوئی معاشی و معاشرتی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس لئے فرائض زندگی اور حقائق حیات سے منہ چھپانے والے لوگ اپنی ذمہ داریوں سے فرار اور گریز کے لئے ہم جنسی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں، خواہ ہم جنسی میں تسلسل ہو یا کبھی کبھار اس کا ارتکاب کیا جائے، احمقانہ

---

(۱) توضیح المسائل آقائی خوئی مسئلہ ۲۴۱۲ ۔ تحریر الوسیلہ آقائی خمینی ج ۲ ص ۲۴۹

لذت کوشی کے علاوہ ذمہ داریوں سے فرار کو بھی جوہری دخل ہوتا ہے۔ اگر یہ فعل شنیع جاری رہے تو نسل انسانی کے انقطاع کا امکان مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

توالد و تناسل کے لئے قانون فطرت کا اتباع ہی مفید ہو سکتا ہے کہ مجرموں کی یہ بھی ایک ہولناک سزا ہوگی کہ ان کی نسلیں ختم ہو جائیں گی۔ چونکہ اس فعل شنیع میں حمل وغیرہ کا خطرہ نہیں ہوتا اس لئے بھی بعض لوگ اس طرف رجوع ہو جاتے ہیں۔ کہ جنسی ہیجان بھی رفع ہو جائے اور بدنامی بھی نہ ہو لیکن آخر کار جسمانی اور نفسیاتی بیماریاں اس قسم کے مجرموں کا مقدر بن جاتی ہیں۔

مردانہ ہم جنسی کے نتیجے میں ایک خاص بیماری جس کا نام "علت ابنہ" ہے پیدا ہو جاتی ہے جو انتہائی رسواکن اور ذلیل ہے اس قسم کے مریض نوجوانوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور ان پر کثیر سرمایہ خرچ کرتے ہیں۔ غیرت انسانی اور شرافت آدمیت ایسے شخص کو قطعاً چھوڑ جاتی ہے۔

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من امکن من نفسہ طائعاً یلعب بہ، القی اللہ علیہ شہوۃ النساء (۱)

"امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص بخوشی مفعولیت اختیار کرتا ہے تو خداوند عالم اس پر عورت کا سا جنسی ہیجان مسلط کر دیتا ہے۔"

دنیاوی قوانین میں اس ذلیل ترین جرم کی حوصلہ جرم شکن سزا تجویز نہیں کی گئی ہے بلکہ بعض قوموں کے قوانین میں تو اس کو تحفظ دیا گیا ہے۔ اس لئے بھی عقل

---

(۱) وسائل الشیعہ ج ، ص ۲۵۳

باختہ لوگ اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ کم لڑکوں کو غرض پرستوں کی طرف سے مختلف قسم کے لالچ اور دھوکوں سے گمراہ کر لیا جاتا ہے، خصوصاً ایسے بچے جن کے والدین انہیں مناسب جیب خرچ نہیں دیتے یا ان کی مکمل نگرانی نہیں کرتے، ابلیسی چالوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر والدین اپنے فرائض سے غفلت نہ کریں تو لڑکے بالے، شیاطین الانس کے چنگل میں پھنسنے سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرے کا ہر فرد اس لعنت کے خلاف نفرت و بیزاری کا مظاہرہ کرے اور ہولناک قسم کی تادیب و تعزیر کا اہتمام کیا جائے تو اس کے تسلسل کو روکا جا سکتا ہے اور کچھ عرصہ میں ختم بھی کیا جا سکتا ہے۔

لواطہ کی تعریف اور سزا:

ایک مرد کے کسی دوسرے مرد سے خواہ ان کی عمریں کچھ بھی ہوں جنسی فعل کرنے کو لواطہ کہتے ہیں۔ خواہ فاعل کا عضو مخصوص پورا یا اس کا کچھ حصہ مفعول کی دبر یعنی مبرز میں داخل ہو یا نہ ہو یعنی صرف سرین (چوتڑوں) میں ادخال کیا جائے۔

لواطہ کا ثبوت:

اس کے ثبوت میں چار مرتبہ مجرموں کا اقرار یا چار عادل مردوں کی معائنے اور مشاہدے کی یعنی آنکھوں دیکھی شہادت ضروری ہے۔ اقرار کنندہ میں خواہ وہ فاعل ہو یا مفعول چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) بالغ ہو (۲) کامل العقل ہو (۳) آزاد ہو (۴) صاحب اختیار ہو۔

اس لئے اگر کوئی شخص چار مرتبہ سے کم اقرار کرے تو اس پر ہم جنسی کی حد قائم نہیں کی جائے گی بلکہ اس کو تعزیری سزا دی جائے گی جتنی بھی قاضی مناسب سمجھے۔ اور اگر

چار سے کم افراد گواہی دیں تو ہم جنسی ثابت نہ ہوگی بلکہ گواہوں کو افترا کی وجہ سے حد قذف لگائی جائے گی۔ اور اگر حاکم شرع کو اس فعل شنیع کا ذاتی علم ہو تو وہ اپنے علم پر عمل کرے گا یعنی حد جاری کر دے گا۔ اس کو اقرار اور گواہوں کی ضرورت نہیں ہے۔

اس جرم کے ثبوت میں تنہا عورتوں کی گواہی یا مردوں کے ساتھ شامل کر کے قابل قبول نہیں ہے یعنی صرف مردوں کی شہادت ہی مؤثر ہوتی ہے۔

سزا:

اگر ہم جنسی کا ارتکاب کرتے ہوئے ایک شخص نے اپنا عضو مخصوص دوسرے کے مبرز میں پورا یا کچھ حصہ داخل کر دیا تو فاعل اور مفعول دونوں قتل کیے جائیں گے بشرطیکہ دونوں بالغ، عاقل اور مختار ہوں۔ اس حکم میں مسلمان اور کافر، شادی شدہ اور غیر شادی شدہ یکساں ہیں یعنی ان کی سزا میں کوئی فرق نہیں کیا جائیگا۔

تاہم سرکار خوئی دامت ظلالہم نے قدیم اور معاصر مجتہدین سے غیر شادی شدہ لوطی کی سزا کے تعلق میں اختلاف فرمایا ہے اور آپ کے نزدیک قتل درست نہیں ہے، یعنی ان کے نزدیک ایسے مجرم کو سو کوڑے لگائے جائیں گے جیسا کہ فرمایا ہے:

وهل يقتل غير المحصن ؟ المشهور انه يقتل وفيه اشكال والاظهر عدم القتل كما انه يقتل الملوط مطلقاً[1]

" اور کیا غیر شادی شدہ (لوطی) قتل کیا جائے گا ؟ مشہور تو یہی ہے کہ قتل کیا جائے گا لیکن اس میں اشکال ہے اور عدم قتل زیادہ بہتر ہے۔ تاہم مفعول ہر حالت میں قتل کیا۔

---

[1] مبانی تکملة المنهاج جلد اول ص ۲۳۰ تا ۲۳۳

جائے گا۔

بہرحال سزائے قتل کے لئے مجرم کا بالغ، عاقل اور مختار ہونا ضروری ہے اس لئے اگر کوئی بالغ عاقل کسی بچے سے منہ کالا کرے تو بالغ کو قتل کر دیا جائے گا اور بچے کو تادیب کی جائے گی یعنی اتنی سزا دی جائے گی کہ آئندہ وہ اس قسم کا جرم نہ کر سکے۔ اسی طرح اگر کوئی بالغ کسی دیوانے سے یہ حرکت کرے تو بالغ قتل کیا جائے گا اور اگر مجنون کو تھوڑا سا بھی احساس ہے تو حاکم اس کو مناسب تادیبی سزا دے گا اور اگر بچہ، بچے کے ساتھ بدفعلی کرے تو دونوں کو تادیبی سزا دی جائے گی۔ اور اگر کوئی پاگل کسی عاقل کے ساتھ آمیزش کرے تو عاقل پر حد جاری کی جائے گی اور بچے کو تادیبا سزا دی جائے گی۔ اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان سے یہ گندی حرکت کرے تو خواہ دخول ہوا ہو یا نہ ہو ہو دونوں حالتوں میں غیر مسلم کو قتل کیا جائیگا۔ اگر کسی شخص پہ جبر کیا گیا ہو تو جبر کنندہ کو قتل کیا جائے گا مجبور کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ ارتکاب جرم میں اس کی مرضی کو دخل نہیں تھا۔

سزائے ہم جنسی کی تفصیلات:

ہم جنسی کی سزا پانچ صورتوں میں سے کسی ایک شکل میں دی جا سکتی ہے۔

(۱) قتل کر دیا جائے (۲) آگ میں جلا دیا جائے۔ (۳) سنگسار کر دیا جائے (۴) کسی اونچی جگہ سے ہاتھ پیر باندھ کر گرا دیا جائے (۵) یا اس پر کوئی دیوار گرا دی جائے۔

اور یہ بھی درست ہے کہ ان سزاؤں میں سے کسی سزا کے بعد اس کو نذر آتش کر دیا جائے۔ جناب آیۃ اللہ العظمیٰ الخوئی دامت ظلالہم، ہم جنسی کے مجرم کو تلوار سے قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کو آگ میں جلانا زیادہ بہتر جانتے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے:

اذا ضربہ بالسیف لزم احراقہ بعدہ بالنار علی الاظہر[۱]

[۱] مبانی تکملۃ المنہاج، جلد اول ص ۲۳۲

"اور جب مجرم کو تلوار سے قتل کر دیا جائے تو ضروری ہے کہ اس کے بعد اس کو آگ میں جلا دیا جائے"

جناب امیر علیہ السلام کے فیصلوں سے بھی اس کا واضح ثبوت ملتا ہے:

عن عبد الرحمٰن العرزمی قال: سمعت أبا عبد اللہ علیہ السلام یقول: وجد رجل مع رجل فی إمارة عمرؓ فهرب احدهما فاخذ الآخر فجیئی به إلی عمرؓ فقال للناس: ماترون؟ قال: فقال هذا اصنع كذا وقال هذا اصنع كذا، قال فقال: ماتقول یا اباالحسنؑ؟ قال فقال: اضرب عنقه! فضرب عنقه ثم اراد ان یحمله فقال علیه السلام: مه یاعمر! انه قد بقی من حدوده شئی قال ای شئی قد بقی؟ قال ادع بحطب. قال: فدعا عمرؓ بحطب فأمر به امیرالمومنین علیه السلام فاحرق به. (لہ)

"عبد الرحمٰن عرزمی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ دو شخص ایک دوسرے کے ساتھ حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں ہم جنسی کے مرتکب پائے گئے، ان میں سے ایک تو بھاگ گیا، دوسرا پکڑا گیا اور حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا تو انھوں نے حاضرین سے پوچھا: اس معاملہ میں تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ ایک نے کہا یہ کرو، دوسرے نے کہا وہ کرو (اس ہنگامۂ اختلاف میں) حضرت عمرؓ نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا: اے ابوالحسنؑ آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس کی گردن ماردو۔ اس کی گردن ماردی گئی پھر یہ ارادہ

لہ تہذیب الاحکام ج ۱۰ صـ۵۳، وسائل الشیعہ ج ۱۸ صـ۴۲۲

کیا کہ اس کی لاش اٹھا کر لے جائیں، آپ نے فرمایا: ٹھہریں اس کی سزا میں سے کچھ ابھی باقی ہے۔ عرض کیا گیا: کیا باقی ہے: آپ نے فرمایا: لکڑیاں منگاؤ، حضرت عمرؓ نے لکڑیاں منگوائیں اور جناب امیر علیہ السلام کے حکم کے مطابق اس کو جلا دیا گیا۔

ایک دوسرے فیصلے میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ہم جنسی کے مجرم سے چار مرتبہ اقرار لینے کے بعد حد جاری فرمائی:

عن مالك بن عطية عن أبي عبد الله عليه السلام قال: بينما امير المومنين عليه السلام في ملاء من اصحابه اذ أتاه رجل فقال: يا امير المومنين! إني اوقبل على غلام فطهرني۔ فقال له امير المومنين عليه السلام: يا هذا امض إلى منزلك لعلّ مراراً هاج بك فلما كان من غد عاد إليه فقال: يا امير المومنين إنّي اوقبت على غلام فطهرني۔ فقال له: يا هذا امض إلى منزلك لعلّ مراراً هاج بك: حتى فعل ذلك ثلاثا بعد مرته الاولى فلما كان في الرابعة قال له: يا هذا انّ رسول الله صلى الله عليه واله وسلم حكم في مثلك ثلاثة احكام فاختر ايهن شئت؟؟ قال وما هي يا امير المومنين؟ قال: ضربة بالسيف في عنقك بالغة ما بلغت أو إهداب من جبل مشدود اليدين والرجلين أو إحراق بالنار (۱) (إلى آخر الحديث)

• مالک بن عطیہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے

---

(۱) تہذیب الاحکام ج ۱۰ ص ۵۳، وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۴۲۳

فرمایا: امیر المومنین علیہ السلام اپنے کچھ اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: اے امیر المومنین میں نے ایک لڑکے سے بد فعلی کی ہے مجھے پاک کر دیجئے! آپ نے اس سے کہا: اے شخص اپنے گھر چلا جا، ممکن ہے کہ سودا کے ہیجان نے تیرے دماغ پر اثر ڈالا ہو۔ جب دوسرا دن ہوا تو وہ پھر آگیا اور اس نے حضرت علی علیہ السلام سے عرض کیا: میں نے ایک لڑکے سے منہ کالا کیا ہے مجھے پاک کر دیجیے! آپ نے فرمایا: اپنے گھر چلے جاؤ عین ممکن ہے کہ یہ سودا کا ہیجان ہو تا آنکہ اس شخص نے اپنے پہلے اقرار و اعلان کے بعد تین مرتبہ ایسا ہی کیا، چنانچہ جب چوتھی مرتبہ بھی اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا تو جناب امیر علیہ السلام نے اس سے کہا: اے شخص! جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھ ایسے شخص کے تعلق میں تین حکم دیئے ہیں ان تینوں میں سے جو ایک تو چاہے اختیار کر لے! اس نے عرض کیا: امیر المومنین وہ احکام کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: تیری گردن پر تلوار کی ایک ضرب، جہاں تک بھی وہ پہونچے یا ہاتھ پیر باندھ کر کسی پہاڑ سے گرایا جائے اور تیسرے یہ کہ آگ میں جلایا جائے۔"

جناب آیۃ اللہ خمینی مدظلہم نے طرقِ سزا کو بڑے خوبصورت انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

الحاکم مخیر فی القتل بین ضرب عنقہ بالسیف أو إلقائہ من شاھق کجبل ونحوہ مشدود الیدین والرجلین أو إحراقہ بالنار أو رجمہ وعلی قول أو إلقاء جدار علیہ فاعلاً کان أو مفعولاً ویجوز الجمع بین سائر العقوبات والإحراق بان یقتل ثم یحرق۔[1]

---

[1] تحریر الوسیلہ ج ۲ صفحہ ۶

" اور حاکم کو اختیار ہے کہ مجرم کی گردن پر تلوار سے ضرب لگائے یا اس کو کسی اونچی جگہ جیسے پہاڑ وغیرہ سے ہاتھ پیر باندھ کر لڑھکا دے، یا اسے آگ سے جلا دے یا سنگسار کر دے یا ایک قول کے مطابق اس کے اوپر کوئی دیوار گرا دے۔ مجرم خواہ فاعل ہو یا مفعول یہ احکام دونوں کے لئے ہیں اور ان تمام سزاؤں کا اور جلانے کا جمع کرنا درست ہے اور وہ اس طرح سے کہ پہلے قتل کیا جائے پھر جلا دیا جائے۔ اسی طرح مثلاً پہاڑ سے گرایا جائے اور پھر جلا دیا جائے یا رجم کیا جائے اور جلا دیا جائے "

(مجرموں کی لاشوں کے جلانے کا مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں جگہ نہ مل سکے)۔

لب رنگینی ہم جنسی کی دوسری شکل، یعنی رانوں میں یا چوتڑوں میں یہ ناشدنی فعل کیا جائے تو اس کی سزا سو کوڑے ہیں۔ اور اس سزا میں شادی شدہ، غیر شادی شدہ، کافر مسلم اور فاعل و مفعول میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہاں اگر فاعل کافر ہو اور مفعول مسلم ہو تو کافر قتل کیا جائے گا اور مسلمان کے سو کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر مجرم یہ گندہ کاری بار بار کرے اور ان کو ہر بار سزا دی جاتی رہی ہو تو جناب محقق حلیؒ اور جناب خمینی مدظلہ کے مطابق چوتھی مرتبہ میں قتل کیا جائے گا۔ جبکہ آیۃ اللہ العظمیٰ جناب خوئی مدظلہ کے نزدیک تیسری بار میں ہی قتل کی سزا دی جائے گی[1]

ایک ضروری مسئلہ

اگر دو مرد ایک کپڑے میں برہنہ پائے جائیں تو ان کو تعزیری سزا دی جائے گی جو ننانوے کوڑے

---

[1] مبانی تکملۃ المنہاج جلد اول صفحہ ۲۳۹، تحریر الوسیلہ ج ۲ صفحہ ۴۶، شرائع الاسلام کتاب الحدود صفحہ ۱۵۹، ۱۶۰

ہونا چاہیئے۔ اور اگر اس حالت میں دو عورتیں پائی جائیں تو ان کی بھی یہی سزا ہے۔ اور اگر شخص کسی لڑکے یا مرد کا اور عورت بچی یا بڑی کا بوسہ لے تو اگر وہ حالت احرام میں ہے تو سو کوڑے لگائے جائیں گے ورنہ حاکم اس کو حد سے کم جو بھی مناسب سمجھے سزا دے گا۔

اگر ہم جنسی کے مجرم شہادتوں کے گذرنے سے پہلے توبہ کر لیں تو ان پر حد جاری نہیں کی جائے گی، شہادت کے بعد توبہ کی کوئی تاثیر نہیں ہے اور اگر ثبوتِ جرم، اقرار سے ہوا ہے اور مجرم نے توبہ کر لی تو حاکم کو اختیار ہے کہ چاہے تو حد جاری کر دے یا معاف کر دے[۱]

اگر کوئی ابلیس صفت انسان کسی مردہ شخص سے منہ کالا کرے تو اس کو لواطے کے احکام کے مطابق سزا دی جائے گی اور اس کے ساتھ کچھ شدت بھی کی جائے گی یعنی اس کو قتل کر کے یا ہاتھ پیر باندھ کر کسی اونچی جگہ سے گرانے کے بعد آگ میں جلا دیا جائے گا اور اس سزا سے پہلے اسے مارا پیٹا بھی جائے گا یہ انتہائی ذلیل قسم کا گناہ ہے۔ اور اس جرم کے نفاذ میں بھی بلوغ، عقل اور اختیار شرط ہیں۔ اس کا ثبوت چار مردوں کی شہادت یا مجرم کے چار مرتبہ اقرار سے ہوتا ہے۔ عورتوں کی شہادت کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں ہے۔[۲]

---

[۱] مبانی تکملۃ المنہاج جلد اول ص ۲۳۹ تا ۲۴۰، تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۶۰، شرائع الاسلام کتاب الحدود ص ۱۶۰، الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم ص ۲۳۶ تا ۲۳۸

[۲] تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۶۲، شرائع الاسلام کتاب الحدود ص ۱۸۹

مساحقت

اُردو میں اس منحوس عمل کو "چپٹی کھیلنا" کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی تفاسیر کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اقوام ماضیہ و سابقہ میں سب سے پہلے قوم لوط اور اس کے بعد اصحاب رس کی عورتوں نے اس عمل کو شروع کیا۔ ظاہر ہے کہ جب مرد مردوں سے مشغول رہنے لگے تو عورتوں نے جنسی ہیجانات کے دفعیہ کے لئے یہ راستہ اختیار کر لیا ہوگا یا جیسا کہ بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جس طرح شیطان نے مردوں کو مردانہ ہم جنسی سکھائی اسی طرح عورتوں کو بھی ہم جنسی کا سبق پڑھا دیا۔ تفسیر صافی میں کہا گیا ہے:۔

فلما رأی انه قد احکم امره فی الرجال جاء الی النساء فصیر فی نفسه امرأة ثم قال ان رجالکن یفعل بعضهم لبعض، قلن نعم قد رأین ذلك وکل ذلك یعظهم لوط علیه السلام و یوصیهم، وابلیس یغویهم حتیٰ استغنی النساء بالنساء [1]

"جب شیطان ملعون نے یہ محسوس کر لیا کہ مردوں میں تو اس کا جادو مکمل طور پر چل گیا ہے تو وہ ایک عورت کی شکل اختیار کر کے عورتوں کے پاس جا پہنچا اور کہنے لگا کہ، تمہارے مرد تو ہم جنسی کا ارتکاب

---

[1] تفسیر صافی، ہود ۲۴۹

کرتے رہتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ؟ عورتوں نے کہا ہاں یہ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے، تو جناب لوط علیہ السلام اپنی قوم کو وعظ و پند فرماتے تھے اور نیکی کی وصیت کرتے تھے، جبکہ شیطان ان کو گمراہ کرتا تھا، یہاں تک کہ عورتیں بھی ہم جنسی کے نتیجے میں مردوں سے بے نیاز ہو گئیں۔"

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بعد اصحاب رس نے بھی یہی راستہ اختیار کیا۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

وقوم نوح لما کذبوا الرسل اغرقناھم وجعلناھم للناس آیۃ ، واعتدنا للظلمین عذابًا الیما ۝ وعادا وثمودا واصحاب الرس وقرونًا بین ذٰلک کثیرا ، وکلًّا ضربنا لہ الامثال ز وکلًّا تبّرنا تتبیرًا ۝ (۱)

"اور ہم نے نوح کی قوم کو، جبکہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا، غرق کر دیا اور ہم نے ان کو عام لوگوں کی عبرت کے لئے نشانی قرار دیا اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب مہیا کیا ہے۔ اور عاد و ثمود اور رس والوں کو اس کے درمیان بہت سے زمانے والوں کو بھی ہم نے ہلاک کر دیا۔ اور ہر ایک کے لئے ہم نے مثالیں بیان کیں اور ہم نے ہر ایک کو ایسا ہلاک کیا کہ جو ہلاک کرنے کا حق ہے۔"

صاحب تفسیر منہج الصادقین، علامہ فتح اللہ کاشانی نے اصحاب رس کے

---

(۱) القرآن پ ۱۹ الفرقان آیت ۳۷ تا ۳۹

متعلق تفاصیل بتاتے ہوئے اور ان کے گناہوں میں غیر معمولی انہماک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"و از جملہ معصیت ایشان آن بود کہ عمل قوم لوط پیش گرفتند و از زنان مہاجرت کردند و زنان را بہ جہت این شبق شدید شیطان بصورت عجوزہ برآمد و نزد ایشان آمد و گفتہ اند کہ آن دلہاث بنت ابلیس بود کہ پیش ایشان آمدہ مساحقہ را بیش ایشان تعلیم کرد[1]

اور ان کے گناہوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ انہوں نے عمل قوم لوط شروع کیا اور عورتوں سے علیحدگی اور جدائی اختیار کر لی، چنانچہ عورتوں میں جنسی ہیجان کے پیش نظر شیطان عورت کے روپ میں ان کے پاس آیا اور بعض علماء نے کہا ہے کہ شیطان کے بجائے اس کی بیٹی دلہاث ان عورتوں کے پاس آئی اور انہیں مساحقہ (چپٹی کھیلنا) سکھا دیا"

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی ایک عورت کو جواب دیتے ہوئے یہی نشاندہی کی ہے کہ اصحاب رس کی عورتیں اس خباثت کا ارتکاب کیا کرتی تھیں:

عن محمد ابن أبي حمزة و هشام وحفص عن أبي عبد الله عليه السلام انه دخل عليه نسوة فسألته إمرأة منهن عن السحق؟ فقال حدها حد الزاني فقالت المرأة ما ذكر الله عزوجل ذلك في القرآن فقال بلى قالت وأين هو؟ قال: هن اصحاب الرس[1]

"امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس کچھ عورتیں حاضر ہوئیں، ان عورتوں میں سے ایک خاتون نے امام سے سحق کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا سحق کی سزا، زنا والی سزا ہے۔ اس نے عرض کیا: کیا خداوند عالم نے

---

[1] فروع کافی جلد ۷ صـ ۲۰۲، منہج الصادقین ج ۶ صـ ۳۸۰

سحق کا ذکر قرآن میں نہیں فرمایا؟ آپ نے فرمایا: ہاں کیا ہے،
اس نے پوچھا کہاں؟ آپ نے فرمایا: یہ اصحاب رس کی عورتیں ہیں"۔

ظہور اسلام کے وقت بھی یہ انسانیت سوزی، عورتوں کے بعض حلقوں میں رائج تھی اسی لئے اس کی شرعی سزا مقرر کی گئی۔ ہمارے زمانے میں اس بیماری کا مسلمانوں میں خال خال اور غیر مسلموں خصوصاً اہل یورپ میں بکثرت رواج پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس حیوانہ لذت کوشی کی کوئی معاشی وجہ نہیں ہے، کچھ معاشرتی وجوہ ضرور وجود رکھتی ہیں۔ عام طور سے اس بیماری کے ظہور میں بعض عورتوں کا توالد و تناسل اور شوہرداری کے فرائض سے فرار موثر ہے یعنی جدید ذہن کی بعض عورتیں شوہر کی اطاعت، حمل و رضاعت کی تکالیف اور خانداری کے فرائض ادا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور اس کو وہ آزاد زندگی سمجھتی ہیں۔۔۔۔۔!! کچھ وہ عورتیں بھی اس حماقت کی طرف مائل ہو جاتی ہیں جو شوہروں کی توجہات سے بوجوہ محروم رہتی ہیں یعنی شوہر صاحبان اِدھر اُدھر رنگ رلیاں مناتے ہیں اور اپنی بیویوں کے جذبات کا کوئی لحاظ پاس نہیں کرتے یا جنسی طور پر ناآسودہ اور غیر مطمئن خواتین یا بعض وہ عورتیں جو کم عمری میں بیوہ یا مطلقہ ہو جاتی ہیں اور ہمارا غیر انسانی معاشرہ عقد ثانی کو عیب سمجھتا ہے۔ لہٰذا اس قسم کی عورتیں بھی آلودہ ہو جاتی ہیں۔ بعض ایسی لڑکیاں جو عمر رسیدہ ہو جاتی ہیں مگر ناک یا معاشی ابتری کو بہانہ بنا کر ان کی شادی نہیں کی جاتی وہ بھی اس بیماری کا شکار زبوں بن جاتی ہیں تاہم (ان میں سے نسوانی فرائض کی ادائیگی سے گریزاں خواتین کے علاوہ) اگر اسلامی زندگی کو اپنا لیا جائے اور رسم و رواج، نام و نمود اور ناک وغیرہ کو بیچ میں نہ آنے دیا جائے اور عیاش و رنگین مزاج شوہر اپنی طرح اپنی بیویوں کے جذبات کا بھی احساس کریں تو اس بیماری کو کم از کم مسلم معاشرہ سے ختم کیا جا سکتا ہے۔

ہم جنسی کی علت میں مبتلا عورتیں جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں کا شکار زبوں بن کر رہ جاتی ہیں اور چونکہ اس فعل میں بھی مادۂ تولید کا لا وجہ ضیاع ہوتا ہے اس لئے مقصد تخلیق الٰہی سے کھلی ہوئی بغاوت ہوتی ہے۔ بنا بریں قانون اسلام میں دنیاوی سزا کے علاوہ شدید عذاب آخرت بیان کیا گیا ہے تاکہ کچھ لوگ دنیاوی سزا کے خوف سے اور بعض، اخروی عذاب کے ڈر سے اس ناشائستہ حرکت سے باز رہیں:

عن اسحاق بن جریر عن أبي عبد الله علیه السلام في حدیث ان امرأة قالت له: اخبرني عن اللواتي باللواتي ما حدهن فیه؟ قال حد الزنا انه اذا کان یوم القیامة یؤتی بهن قد البسن مقطعات من نار وقنعن بمقانع من نار وسرولنا من نار وادخل في أجوافهن إلی رؤوسهن عامدة من نار وقذف بهن في النار۔ ایتها المرأة! إن اوّل من عمل هذا العمل قوم لوط، فاستغنی الرجال بالرجال فبقی النساء بغیر الرجال ففعلن کما فعل رجالهن[له]

• اسحاق بن جریر کا بیان ہے کہ ایک عورت نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: مجھے چپٹی کھیلنے والی عورتوں کی سزا بتلایئے؟ آپ نے فرمایا: جو زنا کی سزا ہے وہی اس جرم کی سزا ہے۔ لاریب جب قیامت کا دن ہوگا تو اس قسم کی عورتیں آگ کا لباس پہنا کر لائی جائیں گی اور انکے مقنع اور نقاب بھی آگ کے ہوں گے، ان کو شلواریں بھی آگ کی پہنائی جائیں گی اور ان کے پیٹوں میں سروں تک آگ کے عمود

له وسائل الشیعه ج ۷ ص ۲۶۱

داخل کر دیئے جائیں گے اور پھر انہیں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

اے خاتون! جس نے سب سے پہلے یہ عمل کیا وہ قوم لوط ہے، ان کے مرد، مردوں سے مشغول رہنے لگے اور عورتیں بغیر مردوں کے رہ گئیں تو وہ بھی وہی کرنے لگیں جو مرد کرتے تھے۔"

عن بشیر النبال قال، رأیت عند أبی عبد اللہ علیہ السلام رجلاً فقال لہ ما تقول فی اللواتی مع اللواتی فقال لا اخبرك حتی تحلف لتحدثن بما احدثك النساء قال: فاحلف لہ فقال: هما فی النار علیهما سبعون حلۃ من نار فوق تلك الحلل جلد جاف غلیظ من نار علیهما نطاقان من نار وتاجان من نار وهما فی النار[1]

"بشیر نبال کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس ایک شخص کو دیکھا جس نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ سحق میں مبتلا عورتوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں ..... ؟ آپ نے فرمایا جب تک تم یہ حلف نہ لو گے کہ جو کچھ میں تمہیں بتاؤں گا وہ تم عورتوں کو ضرور بتاؤ گے، میں کچھ نہ کہوں گا، اس شخص نے قسم کھائی تو آپ نے فرمایا: وہ دونوں جہنم میں جائیں گی انہیں آگ کے ستر جوڑے پہنائے جائیں گے اور ان جوڑوں کے اوپر دبیز آگ کا ایک بدبودار چمڑا پہنایا جائے گا، دونوں کے کمر بند آگ کے ہوں گے، ان کے سروں پہ آگ کے تاج رکھے جائیں گے ان کے موزے بھی آگ ہی کے ہوں گے اور وہ دونوں آگ میں رہیں گی۔"

عن یعقوب بن جعفر سئل رجل أبا عبد اللہ أو أبا ابراهیم علیهما

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۷ ص۲۶۱

السلام عن المرأة تساحق المرأة فكان متكيًا فجلس وقال: ملعونة ملعونة الراكبة والمركوبة وملعونة حتىٰ تخرج من اثوابها فانّ الله وملائكته واولياءه يلعنونها وأنا ومن بقي في اصلاب الرجال وارحام النساء فهو والله الزنا الاكبر (۱ـه)

"ایک شخص نے امام جعفر صادق یا امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے اس عورت کے متعلق پوچھا جو دوسری عورت سے ہم جنسی کرے ....! جس وقت یہ سوال کیا گیا امام علیہ السلام تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے جلوہ فرما تھے، یہ سوال سن کر بیٹھ گئے اور فرمایا فاعلہ اور مفعولہ دونوں ملعونہ ہیں اور جب وہ اپنے کپڑے اتارتی ہیں تو لعنت شروع ہو جاتی ہے' بے شک اللہ، اس کے فرشتے اور سارے اولیاء لعنت کرتے ہیں۔ میں بھی لعنت کرتا ہوں۔ اور جو لوگ مردوں کی صلب اور عورتوں کے رحموں میں باقی ہیں وہ بھی لعنت کرتے ہیں۔ خدا کی قسم یہ سحق " زنائے اکبر"

عن أبي خديجة عن أبي عبد الله عليه السلام قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال وهم المخنثون واللاتي ينكحن بعضهن بعضاً (۲ـه)

"ابو خدیجہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی چال ڈھال اور طور طریقے اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو مردوں کی ہیئت کذائی اپناتی ہیں اور یہ مخنث کہے جاتے ہیں (نہ نر نہ مادہ)

۱ـه وسائل الشیعہ ج ۷، صفحہ ۲۶۲ ۲ـه وسائل الشیعہ ج ۷، صفحہ ۲۶۲

اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ جنسی فعل کرتی ہیں یعنی چپٹی کھیلتی ہیں۔"

خداوند عالم سب مسلمان عورتوں بلکہ ساری دنیا کی عورتوں کو اس ذلت آمیز حماقت سے محفوظ رکھے۔

عورتوں کی ہم جنسی کی تعریف اور سزا:

ایک عورت کا دوسری عورت سے جنسی فعل کرنا سحق کہلاتا ہے۔ اور اس کا ثبوت چار مرد گواہوں کی شہادت یا مجرم کے چار مرتبہ اقرار سے ہوتا ہے۔ بشرطیکہ جرم کرنے والیاں:-

(۱) بالغ (۲) عاقل اور (۳) مختار۔ ہوں

خواہ یہ عورتیں شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں، کافرہ ہوں یا مسلمان، فاعلہ اور مفعولہ دونوں کو سو سو کوڑے لگائے جائیں گے، سرکار آیۃ اللہ خمینی اور محقق حلی وغیرہ کا یہی فتویٰ اور مختار ہے جبکہ سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ الخوئی دامت ظلالہ نے فرمایا ہے کہ اگر شادی شدہ عورت سحق کا ارتکاب کرے گی تو اس کو رجم کیا جائے گا:

حد السحق إذا کانت غیر محصنة مائة جلدة وقال جماعة ان الحکم فی المحصنة أیضاً کذلك ولکنه ضعیف بل الظاهر ان المحصنة ترجم. (لہ)

"اگر غیر شادی شدہ عورت ہم جنسی کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا سو کوڑے ہے اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ شادی شدہ کا حکم بھی یہی ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے، اور واضح یہ ہے کہ محصنہ یعنی زن شوہر دار کو سنگسار

لہ مبانی تکملۃ المنہاج جلد ۲ صفحہ ۲۳۷ تا ۲۳۸

کیا جائے گا۔"

اگر سحق کا ارتکاب کئی بار کیا جائے اور ہر بار حد قائم کی گئی ہو تو زیادہ تر فقہاء کے نزدیک چوتھی بار میں فاعلہ اور مفعولہ کو قتل کر دیا جائے گا جبکہ سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ السید الخوئی تیسری مرتبہ میں قتل کا فتویٰ دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے:

لو تكرر المساحقة فان اقيم الحد عليها بعد كل مساحقة قتلت في الثالثة فاذا لم يقم الحد عليها لم تقتل (۱)

" اگر مساحقہ دوبارہ کیا جائے تو ہر مساحقہ پہ حد قائم کی جا چکی ہو تو تیسری مرتبہ میں ارتکاب جرم کرنے والیاں قتل کی جائیں گی اور اگر حد قائم نہ ہوئی تھی تو قتل نہیں کی جائیں گی۔"

اگر مرتکب جرم عورتیں گواہی گذرنے سے پہلے توبہ کر لیں تو حد ساقط ہو جاتی ہے بعد میں نہیں۔ اور اگر مساحقہ اقرار سے ثابت ہوا ہے تو امام علیہ السلام اور نائب امام کو اختیار ہے کہ چاہیں تو حد قائم کر دیں چاہے معاف کر دیں۔

اگر دو ننگی عورتیں ایک چادر میں پائی جائیں تو دونوں کو حد سے کم تعزیری سزا دی جائے گی اور اگر ایک چادر میں ننگے لیٹنا مکرر ثابت ہو اور دو دفعہ ان کو تعزیری سزا بھی دی دی جا چکی ہو تو ان کو سزا بطور حد دی جائے گی اور اگر وہ حد کے نفاذ کے بعد بھی یہی حرکت کریں تو بہتر یہی ہے کہ پھر دو مرتبہ ان کو تعزیری سزا دی جائے اور تیسری مرتبہ میں پوری حد جاری کی جائے۔

ایک ضروری مسئلہ: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مقاربت کرے اور وہ عورت کسی کنواری لڑکی سے چپٹی کھیلے تو

---

(۱) مبانی تکملۃ المنہاج جلد ۲ صفحہ ۲۴۹

اگر وہ کنواری لڑکی حاملہ ہو جائے تو بچہ صاحب نطفہ مرد سے متعلق کیا جائے گا اور لڑکی کو وضع حمل کے بعد سو درے لگائے جائیں گے اور سحق کرنے والی عورت سے اس لڑکی کو مہر مثل (لڑکی کے خاندان میں قریبی رشتہ دار عورتوں کا جو مہر رائج ہو) دلوایا جائے گا۔ اور اس عورت کو جناب آیتہ اللہ العظمیٰ السید الخوئی کے فتوے کے مطابق سنگسار کیا جائے گا جبکہ دیگر علماء کے نزدیک اس کو بھی سو درے لگائے جائیں گے (لہ) سرکار خوئی دامت ظلالہٗ کے الفاظ یہ ہیں:

لو جامع الرجل زوجته فقامت الزوجة فوقعت على جارية بكر فساحقتها فالتقت النطفة فيها فحملت فعلى المرأة مهر الجارية البكر ثم ترجم المرأة واما الجارية تنزع حتى تضعها مافي بطنها ويرد إلى أبيه صاحب النطفة ثم تجلد (لہ)

"اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے مقاربت کی اور زوجہ کسی کنواری لڑکی پر جا پڑی اور اس سے چپٹی کھیلی اور نطفہ اس میں منتقل کر دیا جس سے وہ حاملہ ہو گئی تو عورت پر کنواری لڑکی کا مہر عائد ہو گا اور مہر کی وصولی کے بعد عورت کو سنگسار کر دیا جائے گا جبکہ لڑکی کے وضع حمل تک انتظار کیا جائے گا اور پیدا ہونے والا بچہ صاحب نطفہ کو دیا جائے گا پھر لڑکی کے کوڑے لگائے جائیں گے۔

آیتہ اللہ العظمیٰ السید الخوئی مدظلہم نے اپنا فتویٰ زیر نظر احادیث سے اخذ فرمایا

لہ تحریر الوسیلہ ج ۲ صفحہ ۲۰؛ شرائع الاسلام کتاب الحدود صفحہ ۱۹۰ تا صفحہ ۱۹۱؛ الشیعہ فی عقائدہم واحکامہم صفحہ ۲۳۸ تا ۲۳۹

لہ مبانی تکملۃ المنہاج جلد اول صفحہ ۲۵۰۔

ب:

عن محمد بن مسلم قال سمعت أبا جعفر و أبا عبد الله علیهما السلام یقولان: بینما الحسن بن علی علیه السلام فی مجلس امیرالمؤمنین علیه السلام اذ اقبل قوم فقالوا یا أبا محمد اردنا امیرالمؤمنین علیه السلام قال: فما حاجتکم؟ قالوا: اردنا ان نسئله عن مسئلة قال وما هی تخبرونا بها قالوا: امرأة جامعها زوجها فلمّا قام عنها قامت بحموتها (ای بشهوتها) فوقعت علی جاریة بکر فساحقتها فوقعت النطفة فیها فحملت، فما تقول فی هذا......؟ فقال الحسن علیه السلام معضلة وأبو الحسن علیه السلام لها وأقول فان أصبت فمن الله ومن امیرالمومنین علیه السلام وإن اخطأت فمن نفسی وأرجو أن لا أخطی إن شاء الله. یعمد إلی المرأة فیؤخذ منها مهر الجاریة البکر فی اول وهلة لانّ الولد لا یخرج منها حتی تشق وتذهب عذرتها ثم ترجم لانها محصنة وینتظر بالجاریة حتی تضع ما فی بطنها ویرد الولد إلی ابیه صاحب النطفة ثم تجلد الجاریة الحد قال: فانصرف القوم من عند الحسن علیه السلام فلقوا امیرالمومنین علیه السلام فقال ماقلتم لابی محمد و ماقال لکم فاخبروه؟ فقال لواننی المسئول ما کان عندی فیها اکثر ممّا قال إبنی [1]

"محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ امام حسن علیہ السلام جبکہ امیرالمؤمنین کی سرکار

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸، ص ۴۲۶، ۴۲۷

میں حاضر تھے تو کچھ لوگ اور انہوں نے کہا اے ابو محمد! ہم امیر المومنین سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا کام ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہم ان سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا مسئلہ ہے ہمیں بتاؤ؟ ان لوگوں نے عرض کیا: ایک عورت سے اس کے شوہر نے مباشرت کی جب وہ اس سے الگ ہو گیا تو وہ عورت جنسی جذبہ کے جوش میں کھڑی ہوئی اور ایک کنواری لڑکی پر جا پڑی اور اس سے سحق کیا اور مادۂ تولید اس کنواری لڑکی کے جسم میں داخل ہو گیا اور وہ حاملہ ہو گئی...... اس صورت میں آپ کیا فرماتے ہیں؟؟

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا یہ تو مشکل مسئلہ اور جناب امیر علیہ السلام ہی اس کے لئے مناسب ہیں۔ تاہم میں اس کا جواب دیتا ہوں اگر میں نے درست جواب دیا۔ تو یہ اللہ اور امیر المومنین علیہ السلام کی طرف سے ہوگا اور اگر میں نے خطا کی تو یہ میری طرف سے ہوگی لیکن مجھے اللہ کے فضل سے اُمید ہے کہ غلطی نہ کروں گا۔ (تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ عورت سے کنواری لڑکی کو مرحلہ اول ہی میں مہر مثل دلوایا جائے گا۔ اس لئے کہ کنوارپنے کے زوال کے بغیر بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد عورت کو سنگسار کیا جائے گا کہ وہ محصنہ ہے اور لڑکی کے تعلق میں انتظار کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ وضع حمل سے فرصت پائے پھر یہ بچہ اپنے باپ یعنی صاحب نطفہ کو دے دیا جائے گا اس کے بعد لڑکی کو سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ لوگ امام حسن علیہ السلام کے پاس سے چلے گئے اور امیر المومنین علیہ السلام سے ملے تو آپ نے پوچھا کہ تم نے ابو محمد سے کیا کہا اور انہوں نے تمہیں کیا جواب دیا...... ؟ انہوں نے

سارا قصہ حضرت علی علیہ السلام کو سنا دیا تو آپ نے فرمایا: اگر مجھ سے یہی سوال کیا جاتا تو جو کچھ میرے فرزند نے کہا ہے اس سے زیادہ میرے پاس کچھ نہ تھا۔"

عن المعلّی بن خنیس قال: سئلت أبا عبد الله علیہ السلام عن رجل وطئ امرأته فنقلت مائه إلی جاریة بکر فحملت ..... فقال: الولد للرجل وعلی المرأة الرجم وعلی الجاریة الحد (لہ)

"معلی بن خنیس نے بیان کیا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایسے شخص کے متعلق پوچھا کہ جس نے اپنی بیوی سے مباشرت کی پھر اس عورت نے مادۂ تولید کو ایک کنواری لڑکی میں منتقل کر دیا اور وہ حاملہ ہو گئی ..... تو آپ نے فرمایا: بچہ مرد کا ہے اور عورت کو سنگسار کیا جائے گا اور لڑکی کو سو کوڑے لگائے جائیں گے۔"

لہ وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۴۲۶

قیادت

قیادت کے معنی ہیں عورتوں اور مردوں کا زنا کے لئے یا مردوں کا ہم جنسی کے لئے اور عورتوں کا سحق یعنی چپٹی کھیلنے کے لئے اکٹھا کرنا۔ اس کو اردو میں بھڑوت یا کٹنا پا کہتے ہیں۔ اگر مرد اس فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے کٹنا پا یا بھڑوا کہتے ہیں اور اگر عورت یہ جرم کرتی ہے تو اسے کٹنی یا ڈلالہ کہتے ہیں اور زبان اسلام میں ان کو قواد اور قوادہ کہا جاتا ہے۔

یہ ذلیل حرکت ایسے پست ذہن اشخاص (عورت و مرد) انجام دیتے ہیں جو محنت و مشقت سے جی چراتے ہیں اور اس فعل حرام کو اپنے معاش کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے آلۂ کار زیادہ تر پیسے والے لوگ ہی ہوتے ہیں اس لئے وہ کٹنوں اور کٹنیوں کو منہ مانگی رقم دے دیتے ہیں اور جب ایک دفعہ یہ چسکا پڑ گیا تو ظاہر ہے کہ اس سے جان چھڑانا مشکل ہوتا ہے۔ اس کے خاتمے کے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں ایسے لوگوں کی زیادہ سے زیادہ توہین کی جائے اور جائز وسائل معاش کے حصول کی طرف رہنمائی کی جائے اور ان کو سمجھایا جائے کہ زیادہ حرام کے مقابلے میں تھوڑا حلال بہتر اور اچھا ہے اس لئے کہ حرام معاش سے دنیا میں بھی ذلت اور سزا کا

کا امکان موجود ہے اور آخرت میں بھی عذاب کی وعید شدید جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: عن ابراہیم بن زیاد الکرخی قال سمعت أبا عبد اللہ علیہ السلام یقول، لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الواصلة والمستوصلة یعنی الزانیه والقوادہ

ابراہیم کرخی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو کہتے سُنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زانیہ اور قوادہ یعنی کٹنی پر لعنت کی ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا ہے ومن قاد بین رجل وامرأة حراماً، حرّم اللہ علیہ الجنة ومأواہ جہنم وساءت مصیرا ولم یزل فی سخط اللہ حتی یموت[1] جو ارتکاب حرام کے لئے عورت اور مرد میں کٹناپے کا کام کرے اللہ نے اس پر جنت حرام کردی ہے۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا جو کہ بہت برا ٹھکانا ہے اور ایسا شخص جب تک زندہ رہتا ہے غیظ وغضب الٰہی کا شکار رہتا ہے۔

اس جرم کا ثبوت دو عادل افراد کی گواہی سے ہوتا ہے یا مجرم اور مجرمہ کے دو دفعہ اقرار سے اور اقرار میں شرط یہ ہے کہ اقرار کرنے والا بالغ عاقل اور مختار ہو اس لئے بچے، پاگل اور مجبور کے اقرار کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

جب یہ جرم ثابت ہو جائے تو مجرم مسلمان ہو یا کافر عورت ہو یا مرد، پچھتر کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر مجرم مرد ہے تو دوبارہ جرم کرنے کی شکل میں اس کو ایک سال کے لئے جلا وطن کردیا جائے گا اور قول مشہور کی بنا پر اس کا سر مونڈ دیا جائے گا اور اس کی تشہیر کی جائے گی لیکن اگر مجرمہ عورت ہے تو اس کو صرف پچھتر

[1] وسائل الشیعہ ج ۳ ص ۲۹۶

کوڑے لگائے جائیں گے نہ اس کا سر مونڈا جائے گا نہ اس کی تشہیر کی جائے گی اور نہ اس کو دیس نکالا دیا جائے گا۔ جناب آیۃ اللہ العظمیٰ سرکار خوئی دامت ظلالہٗ نے مرد مجرم کے جلاوطنی کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے یعنی ان کے نزدیک مجرم کی جلاوطنی قطعی ضروری نہیں [۱]

سرکار آیۃ اللہ خمینی مدظلہٗ فرماتے ہیں: یحدّ القوّاد خمس وسبعون جلداً ثلاثہ ارباع حدّ الزانی وینفی من البلد إلی غیرہ، والاحوط ان یکون النفی فی المرّۃ الثانیہ وعلی قول مشہور یحلق رأسہ ویشہر ویستوی فیہ المسلم والکافر والرجل والمرأۃ الّا انہ لیس فی المرأۃ الا الجلد فلا حلق ولا نفی ولا شہرۃ علیہا، ولا یبعد ان یکون حدّ النفی بنظر الحاکم [۲] دلّے کو بطور حد سزائے زنا کا تین چوتھائی یعنی پچھتر کوڑے مارے جائیں گے اور خارج البلد کر دیا جائے گا۔ احتیاط اس میں ہے کہ دوسری مرتبہ کے ارتکاب جرم پر خارج البلد کیا جائے اور قول مشہور کی بنا پر اس کا سر مونڈ دیا جائیگا اور اس کی تشہیر کی جائے گی ان احکام میں مسلمان اور کافر، مرد اور عورت سب یکساں ہیں۔ جہاں تک عورت کا تعلق ہے اس کو صرف کوڑے مارے جائیں گے نہ اس کا سر مونڈا جائے گا نہ اس کو خارج البلد کیا جائے گا اور نہ اس کی تشہیر کی جائے گی اور جلاوطنی کی مدت کا تعین حاکم شرع کی صوابدید کے مطابق ہو گا"

---

[۱] مبانی تکملۃ المنہاج ج اوّل صہ ۲۵۱، ۲۵۲

[۲] تحریر الوسیلہ ج ۲ صہ ۴۷۰

قذف

اسلام کی تمام تلقینات و تعلیمات اور قانون سزا و قصاص ودیت کا جوہری مقصد یہ ہے کہ دنیا میں ایک پاک و پاکیزہ اور بے عیب معاشرہ پیدا ہو جائے اور انسان اپنی زندگی کے کسی لمحے میں بھی آدمیت اور انسانیت کو اس کے درجے سے نہ گرائے اور انسان شرافت اور تہذیب کا نمونہ اور نمائندہ بن جائے اس لئے اسلام نے قذف کو بھی قابلِ حد جرم قرار دیا ہے۔

قذف کے معنی لغت میں تو پتھر اور تیر پھینکنا کے ہیں اور اسی نسبت سے بہتان اور اتہام کو قذف کہا گیا ہے۔ کہ زبانوں سے نکلے ہوئے تیر اور پتھر حقیقی پتھروں اور تیروں سے زیادہ ہولناک نتائج پیدا کرتے ہیں۔ مادی پتھر اور تیر سے تو ایک شخص کا کوئی حصۂ جسم ہی زخمی ہو گا لیکن زبان کے تیروں سے بعض حالات میں ایک پورا خاندان زخمی ہی نہیں ذبح ہو جاتا ہے۔ اور زبان کے تیر قلب و دماغ کو اس حد تک مجروح کر ڈالتے ہیں کہ بعض حالات میں قتل و غارت کی بنیاد پڑ جاتی ہے اور معاشرہ فساد اور انتشار کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ پتھر اور تیر وغیرہ کا زخم تو مرہم پٹی سے بھر بھی جاتا ہے لیکن زبان کے لگائے ہوئے چرکے علاج پذیر نہیں ہوتے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

تبر کا تیر کا تلوار کا تو زخم بھرا
لگا جو زخم زباں کا رہا ہمیشہ ہرا

ایک عرب شاعر نے بھی خوب کہا ہے۔

جراحات اللسان لہا التیام
ولا یلتام ما جرح اللسان

تیروں کے زخم تو مندمل ہو جاتے ہیں لیکن زبان کے لگائے ہوئے زخم کبھی نہیں بھرتے" صرف مجرموں کی سزایابی کے نتیجے میں ہی زخمی دلوں اور روحوں کو کچھ سکون مل سکتا ہے۔ اسی لئے اسلام کے قانون سزا میں قذف کو قابل حد جرم قرار دیا گیا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔ والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شہداء فاجلدوھم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لھم شہادة ابداً واولئك ھم الفاسقون الا الذین تابوا من بعد ذلك واصلحوا فان اللہ غفور رحیم [1] اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر وہ چار گواہ نہیں لا سکتے تو تم ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور یہ لوگ فاسق ہیں مگر وہ لوگ جنہوں نے ارتکاب جرم کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو یقیناً خداوند عالم بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگرچہ اس آیت میں عورتوں ہی کا ذکر کیا گیا ہے لیکن مراد مرد بھی ہیں اور عورتوں کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ مرد اتہام بازی اور بہتان طرازی میں جری ہوتے ہیں اور عورتیں فطری شرم

---

[1] پ ۱۸ النور آیت ۴-۵

حیار کی وجہ سے شاید ہی کبھی اس حماقت کا ارتکاب کرتی ہیں۔

مذکورہ آیت میں "قذف" کی بجائے "رمی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ الزام اور بہتان بھی نفس روح میں اسی طرح زخم ڈال دیتا ہے جس طرح تیر بدن میں۔ ایسے مجرموں کی کسی مسئلہ میں بھی شہادت قابل قبول نہیں ہے اور ان کو فاسق کا خطاب دیا گیا ہے جو کفر و شرک کے بعد انسان کی سب سے بڑی تذلیل ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو اس جرم سے روکنے کے لئے احتیاطی تدابیر بھی اختیار فرمائی ہیں اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے ان الذین یرمون المحصنٰت الغٰفلٰت المؤمنٰت لعنوا فی الدنیا والآخرۃ ولہم عذاب عظیم ۝ یوم تشہد علیہم السنتہم وایدیہم بما کانوا یعملون ۝ یومئذ یوفیہم اللہ دینہم الحق ویعلمون ان اللہ ھو الحق المبین[1] بے شک جو لوگ پاک دامن بے خبر مؤمن عورتوں پر اتہام لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے اس دن جب کہ ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پیر ان کی حرکتوں کی گواہی دیں گے۔ اس دن خداوند عالم انھیں ان کا ٹھیک اور پورا پورا بدلہ دے گا۔ اور وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی ظاہر حق ہے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لہم عذاب الیم فی الدنیا

---

[1] القرآن ۱۸ النور آیہ ۲۳ تا ۲۵

والآخرۃ ۰ واللہ یعلم وانتم لاتعلمون ؎ بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے ان کے لئے دنیا اور آخرت میں وردناک عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

ظاہر ہے کہ کسی پاک دامن مرد یا عورت پر فواحش کا الزام لگانا معاشرہ میں برائیوں کو رواج دینا ہے جو مواخذۂ عقبیٰ کا سبب بھی ہے اس آیت کے ذیل میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: عن الصادق علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من اذاع فاحشۃ کان کمبتدیہا ؎ جو شخص کسی برائی کی بات کو شہرت دیتا ہے تو گویا اسی نے اس بدی کا ارتکاب کیا ہے"

اگر لوگوں کو زبانوں کے تیر و نشتر چلانے کی اجازت دے دی جائے تو اس کے نتیجے میں جو فتنہ و فساد برپا ہوگا اس سے معاشرہ ابتذال و انتشار کی پاتال تک پہونچ جائے گا۔ عقل کسی طرح اجازت نہیں دیتی کہ فساق کے علاوہ کسی کے عیب کا ڈھنڈورا پیٹا جائے۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قذف کو سات ہلاک کنندہ امور میں بیان فرمایا ہے جیسا کہ اصحاب کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا: اجتنبوا السبع الموبقات قالوا یارسول اللہ وماھن...؟ قال: الشرک باللہ، والسحر، وقتل النفس التی حرم اللہ و اکل الربا، واکل مال الیتیم، والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات ؎ سات ہلاک کرنے والے امور سے بچو! لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ

؎ القرآن پ۱۸ النور آیہ ۱۹ ؎ تفسیر صافی النور ص ۳۵۳

؎ وسائل باب ۴۶ من ابواب جہاد النفس کتاب الجہاد

وہ کونسے امور ہیں آپؐ نے فرمایا (۱) اللہ کا شریک ٹھہرانا (۲) جادو (۳) کسی انسان کا ناحق قتل (۴) سود خوری (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) میدان جہاد سے بھاگ نکلنا (۷) بے گناہ اور پاکدامن عورتوں پر بہتان لگانا

ایک دوسری حدیث میں حضور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من رمیٰ محسناً او محسنۃً احبط اللّٰہ عملہ وجلدہ یوم القیامۃ سبعون الف ملک من بین یدیہ ومن خلفہ ثم یؤمر بہ الی النار [1] جو شخص کسی پاک دامن مرد یا عفیفہ عورت پر اتہام لگائے تو خداوند عالم اس کے تمام اعمال اکارت کر دیتا ہے اور قیامت کے دن ستّر ہزار فرشتے اسے آگے پیچھے سے کوڑے ماریں گے پھر اسے جہنم میں داخل کرنے کا حکم دے دیا جائیگا۔

مسلمان اور مومن کا احترام تو اپنی جگہ پر مسلّم ہے۔ اسلام نے تو غیر مسلم پر بھی اتہام لگانے کی سخت ممانعت کی ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ عن عبد اللّٰہ بن سنان عن ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام: انہ نھی عن قذف من لیس علی الاسلام [2] عبد اللہ بن سنان کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے غیر مسلم کو اتہام لگانے سے بھی منع کیا ہے" دوسرے راوی نے بھی ہمیں یہی حکم پہونچایا ہے: عن الحلبی عن ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام: انہ نھی عن قذف من کان علی غیر الاسلام [3] حلبی کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے غیر مسلموں کے خلاف بہتان تراشی کی سخت ممانعت فرمائی ہے

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صد ۴۳۱

[2] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صد ۴۳۰

[3] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صد ۴۳۰

سزائے قذف

زبان شرع میں قذف کے معنی ہیں کسی پاک دامن عورت یا مرد پر زنا یا ہم جنسی کا اتہام لگانا اور یہ اتہام واضح لفظوں میں ہو۔ کنائے اور استعارے کا اس میں دخل نہ ہو۔ کہنے والا اپنے الفاظ کے معنی کو سمجھتا ہو جس کے متعلق کہا گیا ہے وہ خواہ سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو۔ جیسے یہ کہا جائے کہ تو نے زنا کیا ہے یا تو زانی ہے، یا تو نے ہم جنسی کی ہے یا تیرے ساتھ ہم جنسی کی گئی ہے۔

اتہام لگانے والے یعنی قاذف کا بالغ عاقل ہونا ضروری ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر بچہ یا پاگل کسی پر اتہام لگائے گا تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح قاذف کا مختار ہونا لازمی ہے۔ اس لئے اگر مجبور اور غافل یا مدہوش شخص کسی پر اتہام لگائے تو اس پر حد کا نفاذ نہیں ہوگا۔ اگر زنا اور ہم جنسی کے علاوہ کوئی اور اتہام لگا دیا جائے تو اتہام لگانے والے پر حد تو جاری نہیں کی جائے گی مگر تعزیری سزا دی جائے گی تاکہ معاشرے میں بدگمانی اور بدزبانی کے شیوع کو روکا جاسکے۔

اگر کوئی شخص ان الفاظ کے معنی نہ جانتا ہو جو اس نے استعمال کئے ہیں تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی اگرچہ مخاطب ان لفظوں کے معنی جانتا ہو۔ کافر اور مسلمان، عورت اور مرد کا اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جس پر اتہام لگایا گیا ہے اس میں بھی بلوغ، عقل، آزادی، اسلام اور اس کا پاک دامن ہونا شرط ہے۔ اگر یہ تمام شرطیں کسی شخص

میں پائی جائیں گی تو اتہام لگانے والے پر حد جاری کی جائے گی لیکن ان میں سے بعض یا تمام صفات نہ پائی جاتی ہوں تو حد کے طور پہ تو کوئی سزا نہیں دی البتہ بطور تعزیر سزا دی جائے گی۔

ایسے اشخاص جو بالغ، عاقل، آزاد اور مسلمان تو ہیں لیکن ان کی پاکدامنی مشتبہ ہے تو اگر وہ کھلے بندوں زنا یا ہم جنسی کا ارتکاب کرتے ہیں تو اسلامی معاشرے میں ان کی کوئی حرمت نہیں ہے۔ لہذا ان کو زانی وغیرہ کہنے والے پر نہ حد جاری کی جائے گی نہ تعزیر لیکن اگر وہ یہ جرم علی الاعلان نہیں کرتے تاہم لوگ ان کے کردار کے متعلق اشتباہ میں رہتے ہیں تو ان پر اتہام لگانے والے کو بطور حد سزا دی جائے گی۔ اگر کوئی شخص زنا اور ہم جنسی کے علاوہ دیگر معاصی کا ارتکاب کرتا ہے تب بھی اس پر اتہام لگانے والے کو بطور حد سزا دی جائے گی۔

اگر کوئی شخص اپنے بیٹے پر زنا کا اتہام لگا دے تو اس کو بطور حد سزا نہیں دی جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی فوت شدہ بیوی پر مثلاً زنا کا الزام لگائے تو قاذف پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر اس عورت کا کسی دوسرے مرد سے بیٹا موجود ہو تو قاذف کو بطور حد سزا دی جائے گی اور اگر اس عورت کا کوئی بیٹا نہ ہو بلکہ دوسرے رشتہ دار ہوں جیسے بھائی وغیرہ تب بھی اتہام لگانے والے پر حد جاری کی جائے گی۔

اگر کوئی شخص ایک ہی لفظ سے ایک جماعت پر اتہام لگائے اور وہ اکٹھے ایک وقت میں دعویٰ کریں تو مرتکب جرم پر ایک مرتبہ حد جاری کی جائے گی لیکن اگر وہ متفرق طور پر آئے ہوں تو ہر ایک کی وجہ سے الگ الگ سزا دی جائے گی۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے کچھ لوگوں کو متفرق طور پر

قذف کا اتہام بنایا تو ان میں سے ہر ایک کے لئے اس پر حد جاری کی جائے گی۔ اگر مقذوف، قاذف کو معاف کر دے تو وہ دوبارہ حد کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اگر مقذوف اپنے حق کے مطالبے یا معاف کرنے سے پہلے مر جائے تو اس کے ولی سزا کا مطالبہ بھی کر سکتے ہیں اور معاف بھی کر سکتے ہیں۔ اگر ولی کئی ہوں اور ان میں سے بعض معاف کر دیں اور بعض معاف نہ کریں تو سزا بحال رہے گی۔

اگر ایک شخص دوسرے شخص سے کہے کہ تیرا بیٹا یا بیٹی زانی / زانیہ ہے تو وہ شخص نہ قاذف کی حد کا مطالبہ کر سکتا ہے نہ معاف کر سکتا ہے بلکہ بیٹا یا بیٹی ہی حد کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور معاف بھی کر سکتے ہیں۔

اگر کوئی شخص بار بار ایک شخص پر اتہام لگائے اور کسی دفعہ کے قذف میں اس پر حد قائم نہ کی گئی ہو تو اسے صرف ایک دفعہ بطور حد سزا دی جائے گی۔

اگر کسی شخص کو قذف کی وجہ سے مکرر حد کے طور پر سزا دی جا چکی ہو تو جناب آیۃ اللہ خمینی مدظلہ کے مطابق چوتھی مرتبہ میں قتل کر دیا جائے گا اور جناب آیۃ اللہ العظمیٰ سرکار خوئی دامت ظلالہٗ کے فتوے کے مطابق تیسری مرتبہ میں قتل کر دیا جائے گا۔

جب کسی شخص کے خلاف قذف کا ثبوت ہو جائے تو چار گواہوں کی شہادت کے بغیر مقذوف کی تصدیق یا معاف کر دینے کے بغیر حد ساقط نہیں ہوتی۔

قذف کا ثبوت

مجرم کے دو دفعہ اقرار سے یا دو عادل گواہوں کی گواہی سے ہوتا

ہے۔ اقرار کرنے والے کے لئے بالغ، عاقل، مختار ہونا اور قصد و ارادہ شرط ہے۔ آیۃ اللہ العظمیٰ السید الخوئی مجرم کے ایک مرتبہ کے اقرار کو کافی سمجھتے ہیں۔

سزا قذف کی سزا اسّی کوڑے ہے چاہے افترا پرداز مرد ہو یا عورت۔ مجرم کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے اور درمیانہ درجے کی ضرب لگائی جائے گی جس میں اتنی شدّت نہیں ہونا چاہیے جتنی حدّ زنا کی ضرب میں ہوتی ہے اور کوڑے مارنے میں سر، چہرے اور اعضاء مخصوصہ کو بچایا جائے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ مجرم کی تشہیر بھی کی جائے تاکہ لوگ اس کی شہادت کو قبول نہ کریں۔

اگر دو آدمی ایک دوسرے پر اتہام لگائیں تو دونوں ہی کی حد ساقط ہوگی، مگر دونوں کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

قذف کے ثبوت میں عورتوں کی تنہا یا مردوں کے ساتھ شامل شہادت کی کوئی تاثیر نہیں۔[1]

---

[1] مبانی تکملۃ المنہاج، ج اوّل ص ۲۵۲ تا ۲۶۳، تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۶۰۲ تا ۶۰۶، الشیعہ فی عقائد احکامھم ص ۲۴۱ تا ۲۴۰، شرائع الاسلام کتاب الحدود باب ثالث ص ۱۶۲ تا ۱۶۷

حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و دیگر انبیاء اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی شان میں

گستاخی

ہر زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں ایک حصہ گالیوں پر مشتمل ہوتا ہے اور زیادہ تر غیر تعلیم یافتہ، یا ذہنی طور پر پست افراد گالم گلوچ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ تاہم کسی معاشرہ میں بھی گالی کو اور دشنام طرازی کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ اس کی مذمت کی جاتی ہے اور قابل نفرت و بیزاری قرار دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی بچہ گالی دے تو بزرگ فوراً اس کو ٹوکتے اور سرزنش کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ گالی دینا سبک سری اور کمزوری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ دشنام طرازی کبھی کبھی بڑی بڑی لڑائیوں اور عظیم فتنوں کو جنم دے دیتی ہے اور بات زبان سے بڑھ کر لاٹھی ڈنڈے اور تیغ و تفنگ تک جا پہنچتی ہے۔ گالی کا کم سے کم نقصان باہمی نفرت و بیزاری ہے۔ گالی دینے والے کو، گالی کا نشانہ بننے والا آسانی سے معاف نہیں کرتا اور اس کے دل میں ایک خلش اور کپٹ اس کے خلاف باقی اور جاری رہتی ہے۔ غیر اسلامی معاشروں نے گالی کو بُرا اور قابل مذمت تو سمجھا ہے اور کسی بھی قوم کے شرفاء اور تعلیم یافتہ لوگ اس میں آلودہ نہیں ہوتے مگر کسی نے بھی اس کو سرزنش اور توبیخ سے آگے بڑھ کر قابل سزا قرار نہیں دیا ہے گالی کا فوری ردِ عمل بھی گالی ہی ہوتا ہے۔ ایک شخص جب دوسرے کے محبوب یا بزرگ کو گالی دیتا ہے تو دوسرا شخص اس کے بزرگوں اور قابل احترام لوگوں کو چُن کے رکھ دیتا ہے اس لیے بھی عقلی فریضہ ہے کہ ہر مہذب

آدمی گالی سے بچنے کی کوشش کرے تاکہ اس کے محترم افراد گالیوں سے محفوظ رہیں۔

اسلام نے اس معاشرتی برائی کا قلع قمع کرنے کے لئے اس کو ہر حالت میں قابل تعزیر قرار دیا ہے۔ عن عبد الرحمان بن ابی عبداللہ قال سألت أباعبداللہ علیہ السلام عن رجل سبّ رجلاً بغیر قذف فعرض بہ هل یجلد ؟ قال علیہ تعزیر [۱] عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اس شخص کے متعلق پوچھا جس نے کسی شخص کو اتہام کے بغیر گالی دی اور اس نے گالی دینے والے کے خلاف دعویٰ کر دیا تو کیا اس کو کوڑے لگائے جائیں گے ... ؟ آپؑ نے فرمایا بطور تعزیر لگائے جائیں گے "۔ اور اگر گالی اتہام کی حد تک پہنچ جائے تو بطور حد بھی سزا تجویز کی ہے۔ قرآن کریم نے انسان تو انسان پتھروں تک کو گالی نہ دینے کی ہدایت کی ہے جیسا کہ فرمایا ہے " ولا تسبّوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبّوا اللہ عدواً بغیر علم [۲] اور تم ان کو بھی گالی نہ دو جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ بے سمجھے بوجھے خداوند عالم کو زیادتی سے گالی دینے لگیں گے "

سورہ بقرہ میں حج سے متعلق ضروری ہدایات دیتے ہوئے گالی گلوچ کی ممانعت کی گئی ہے: الحج اشہر معلومات فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج [۳] حج

---

[۱] تہذیب الاحکام ج ۱۰ صہ ۸۱ [۲] القرآن پ الانعام آیۃ ۱۰۸

[۳] القرآن پ البقرہ آیۃ ۱۹۷

کے مہینے معلوم ہیں لہٰذا جو ان میں حج بجالائے تو نہ بیوی کے پاس جائے نہ گالم گلوچ اور نہ کوئی جھگڑا فساد کرے۔

اگرچہ لفظ "فسق" ہر طرح کے گناہ اور سرکشی کو شامل ہے لیکن اس آیۂ مبارکہ میں جھوٹ اور دشنام طرازی خصوصیت سے مقصود ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام کا ارشاد صاحب تفسیر صافی نے کافی اور عیاشی کے حوالے سے نقل کیا ہے "عن الصادق علیہ السّلام الرفث الجماع، والفسوق الکذب والسباب والجدال قول الرجل لا واللّٰہ وبلیٰ واللّٰہ وزاد فی الکافی وقال فی الجدال شاۃ وفی الفسوق بقرۃ والرفث فساد الحج"[1] جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ "رفث" سے مراد مباشرت ہے "فسوق" سے مراد جھوٹ بولنا اور گالیاں بکنا اور "جدال" سے مراد نہیں خدا کی قسم اور ہاں خدا کی قسم کہنا یعنی بے معنی اور بے فائدہ قسمیں کھانا ہے اور کافی میں فرمائش امام علیہ السّلام میں یہ بھی موجود ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص دوران حج جدال کا مرتکب ہو تو ایک بکری کفارے میں دے اور فسوق کا مرتکب ہو تو ایک گائے اور اگر رفث کا ارتکاب کرے تو اس کا حج ہی باطل ہے۔

سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام نے دشنام طرازی کی سخت مذمت اور ممانعت فرمائی ہے۔ عن أبی عبد اللّٰہ علیہ السّلام قال: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم سبّاب المؤمنین کالمشرف علی الھلکۃ[2] امام جعفر صادق علیہ السّلام

---

[1] تفسیر صافی ج ۲ ص ۱۵۹ [2] اصول کافی ج ۲ کتاب الایمان والکفر ص ۳۵۹

سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: مومن کو گالی دینا ہلاکت کے گڑھے میں گرنا ہے۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہوا ہے عن أبي جعفر علیہ السلام قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سباب المومن فسوق و قتالہ کفر واکل لحمہ معصیۃ وحرمۃ مالہ کحرمۃ دمہ [۱] امام محمد باقر علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ مومن کو گالی دینا فسق ہے، اس سے جنگ کرنا کفر ہے، اس کی غیبت کرنا گناہ ہے اور اس کا مال اس کے خون کی طرح محترم ہے۔ امام محمد باقر علیہ السّلام ہی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ایک شخص کو گالی نہ دینے کی نصیحت کا ذکر فرمایا ہے عن أبي جعفر علیہ السلام قال ان رجلاً من بنی تمیم اتی نبیؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فقال اوصنی فکان فیما اوصاہ ان قال لا تسبوا الناس فتکتسبوا العداوۃ بینھم [۲] بنی تمیم میں سے ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے! تو آپؐ نے اسے اور نصیحتوں کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کو گالیاں نہ دو کہ تم لوگ آپس کی عداوت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔"

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دشنام طرازی کا مقابلہ ہوتا ہے اور لوگ آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں تو اس تعلق میں امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے فرمایا ہے: عن عبد الرحمٰن بن الحجاج عن أبي الحسن موسیٰ علیہ السلام فی رجلین یتسابان قال البادی منھما

---

[۱] اصول کافی ج ۲ صفحہ ۳۶۰ — [۲] اصول کافی ج ۲ صفحہ ۳۶۰

اظلم ووزرہ ووزر صاحبہ علیہ مالم یعتذر إلی المظلوم[1]
راوی نے امام علیہ السّلام سے باہم گالی دینے والے افراد کے متعلق پوچھا تو
آپ نے فرمایا کہ ان میں سے ابتدا کرنے والا اظلم ہے اور اس کا اور اس کے
ساتھی کا گناہ اسی کے اوپر ہے جب تک کہ وہ مظلوم سے معذرت نہ کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اپنے دشمنوں کو گالیاں دینے سے
بڑی سختی سے روکا ہے عنہ علیہ السلام انہ قیل انا سمعنا فی
المسجد رجلا یعلن بسبّ اعدائکم ویسبّہم فقال مالہ لعنہ
اللہ تعرض بنا قال اللہ تعالیٰ ولا تسبّوا الذین یدعون الآیۃ[2]
امام علیہ السّلام سے کہا گیا کہ ہم لوگوں نے مسجد میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ آپ
کے دشمنوں کو کھلم کھلا گالیاں دیتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا اسے کیا ہو گیا ہے
خدا اس پر لعنت کرے وہ ہمارے درپے کیوں ہو گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے لا تسبّوا الذین اسی آیت کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ
السّلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا
لا تسبّوھم فیسبّوا علیکم ان کو گالیاں نہ دو وہ تمہارے علیؑ کو
گالیاں دیں گے۔ وقال من سبّ ولی اللہ فقد سبّ اللہ اور یہ
بھی فرمایا کہ جس نے اللہ کے ولی کو گالی دی اس نے اللہ کو گالی دی[3]

غرضیکہ گالی دینا ایک بڑی ذلیل اور پست حرکت ہے۔ اس
کی قباحت اور رکاکت خصوصاً اس وقت اور زیادہ شدید ہو جاتی ہے جب

---

[1] اصول کافی ج ۲ صہ ۳۶ [2] تفسیر صافی صہ ۱۵۱، منہج الصادقین ج ۳ صہ ۴۳۲
[3] تفسیر صافی صہ ۱۸۱، منہج الصادقین ج ۳ صہ ۴۳۲

کسی معاشرہ میں کسی محترم شخصیت کو نشانہ بنایا جائے۔ خاص کر جو لوگ دنیا وقار کے مالک ہیں وہ بہرحال اس حد تک قابل احترام سمجھے جاتے ہیں کہ انتہائی دنیٔ الطبع افراد بھی ان کے تعلق میں گستاخانہ رویّہ اختیار نہیں کرتے خصوصاً جو لوگ خدا کے نمائندے کی حیثیت سے اس دنیا میں تشریف لائے اُن کی بارگاہِ عظمت میں کوئی نازیبا کلمہ، خباثتِ نفس کی انتہا ہی سمجھا جائے گا اور جبکہ معمولی لوگوں کو گالی دینا یقیناً موجبِ سزا ہے تو انبیاء، ائمہؑ اور اولیا کے تعلق میں سوءِ ادب کا ارتکاب کرنے والے یقیناً عبرت ناک ترین سزا کے مستحق ہیں۔ شاید دنیا کا کوئی معاشرہ بھی ایسے ناہنجاروں کو طرح نہیں دیتا جو انبیاء و اولیاء کی شان میں گستاخی کریں۔ اس لئے اسلام میں حضور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لئے قتل کی سزا تجویز کی گئی ہے۔ عن محمد بن مسلم

عن ابی جعفر علیہ السلام قال انّ رجلاً من هذیل کان یسبّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فبلغ ذلک النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فقال من لهذا! .. ؟؟ فقام رجلان من انصار فقالا نحن یا رسول اللہ! فانطلقا حتی اتیا عربة فسئل عنه فاذا هو یتلقی غنمه فقال من انتما وما اسمکما .. ؟ فقالا له انت فلان بن فلان؟ قال نعم فنزلا فضربا عنقه [1] محمد بن مسلم امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا ہذیل میں کا ایک شخص حضورؐ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو گالیاں دیا کرتا تھا (معاذاللہ) جب

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۴۶۰

اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہونچی تو آپ نے فرمایا: کون ہے جو اس کا علاج کرے؟ تو انصار میں سے دو آدمی کھڑے ہوئے اور انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم یہ فریضہ انجام دیں گے چنانچہ وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ وہ ایک عرب کے پاس پہونچے اور اس ہذلی کے متعلق پوچھ گچھ کی جب کہ وہ اپنی بھیڑوں میں مصروف تھا تو اس ہذلی نے ان دونوں کو دیکھ کر پوچھا کہ تم کون ہو اور تمہارا نام کیا ہے؟ ان دونوں نے پوچھا کیا تو فلاں بن فلاں ہے ...؟ اس نے کہا ہاں! یہ سن کر دونوں اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور اس کی گردن ماردی"

جو شخص جناب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کو بھی گالی دے گا وہ بھی قتل کی سزا کا مستحق ہوگا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے من سبّ نبیاً قتل [1] جو شخص کسی بھی نبی کو گالی دے گا اسے قتل کیا جائے گا۔

جناب امیر علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنے والا بھی واجب القتل ہے اس لئے کہ جناب امیر علیہ السلام بنص قرآن نفس رسول ہیں اور ان کی شان میں گستاخی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی ہے جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لعلی علیہ السلام من سبّک فقد سبّنی ومن سبّنی فقد سبّ اللہ ومن سبّ اللہ فقد کبّہ اللہ علی منخریہ فی نار جہنم [2] آپ نے

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۴۶۰ [2] تفسیر صافی سورہ الانعام

حضرت علی علیہ السّلام سے فرمایا۔ یا علی! جس نے تمہیں گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور جس نے مجھے دشنام دی اس نے اللہ کی بارگاہ میں گستاخی کی اور جو بارگاہ خداوندی میں سوءِ ادب کا مرتکب ہوتا ہے خدا اسے ناک کے بل جہنم میں ڈال دیتا ہے۔

حضرت علی علیہ السّلام کی طرح امام حسن، امام حسین علیہم السّلام، جنابِ معصومۂ کونین خاتونِ جنت علیہا السلام اور باقی ائمہ طاہرین علیہم السّلام کی شان میں گستاخی کرنے والا بھی قتل کی سزا کا مستحق ہے اس لئے کہ یہ سب حضرات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجزائے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی دشنام دینا حضور کو دشنام دینا ہے (معاذ اللہ) جناب فاطمہ علیہا السلام اور امام حسن امام حسین علیہ السلام کی حد تک تو تمام عالم اسلام نے یہ حدیث تسلیم کی ہے حربکم حربی و سلمکم سلمی جو تم سے لڑتا ہے وہ مجھ سے جنگ کرتا ہے اور جو تم سے صلح کرتا ہے وہ مجھ سے صلح کرتا ہے۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر فرمایا ہے۔ حرمت الجنۃ علی من ظلم اھل بیتی وقاتلھم والمعین علیھم ومن سبھم، اولئک لاخلاق لھم فی الآخرۃ ولا یکلمھم اللہ یوم القیامۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم[1] جس نے میرے اہل بیت پر ظلم کیا، ان کو قتل کیا، ظلم اور قتل میں معاون ہوا اور جس نے ان کو گالی دی اس پر جنت حرام کر دی گئی ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ خداوند عالم نہ تو قیامت میں اُن سے بات کرے گا اور نہ پاک کرے گا اور ان کے لئے

---

[1] جامع الاخبار فصل ۱۲۵ ص ۱۴۰

دردناک عذاب ہے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جناب فاطمہ علیہا السلام اور ائمہ اطہار علیہم السّلام کو گندہ دہنی کا نشانہ بنانے والے کو قتل کر دینے کا حق ہر کلمہ گو کو حاصل ہے اس کے لئے حاکم وقت کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس مسلمان اور مومن کی جان ومال اور عزت یا اس کے کسی مومن بھائی کے لیے کوئی خطرہ نہ ہو۔ لیکن اگر حالات کا تقاضا ہو اور حاکم وقت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے تو حاکم کا فرض ہے کہ ان حضرات علیہم السّلام کی شان میں گستاخی کرنے والے کی گردن اُڑا دے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمان بیان کیا ہے۔ قال ابو عبد اللہ علیہ السّلام اخبرنی ابی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قال: الناس فی اسوۃ سواء من سمع احد أیذکرنی فالواجب علیہ ان یقتل من شتمنی ولا یرفع إلی السلطان والواجب علی السلطان اذا رفع الیہ ان یقتل من نال منی[1] امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ میرے والد نے مجھے بتایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: میرے تعلق میں سب لوگوں کی ذمہ داری یکساں ہے پس جو شخص بھی کسی کو میرا ذکر کرتے ہوئے اور گالی دیتے ہوئے سنے تو اس پر واجب ہے کہ اس گستاخ کو قتل کر دے حاکم تک یہ مقدمہ لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم اگر حاکم کے سامنے اس قسم کا مقدمہ پیش ہو تو اس پر فرض ہے کہ جس نے میرے

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۴۵۹

باب میں زبان درازی کی ہواسے قتل کر دے۔

سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابو القاسم الموسوی الخوئی مدظلہم نے مندرجہ ذیل افادہ فرمایا ہے۔

یجب القتل من سب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیٰ سامعہ مالم یخف الضرر علیٰ نفسہ أو عرضہ أو مالہ الخطیر ویلحق بہ سب الائمۃ علیہم السلام وسب فاطمۃ الزھراء علیہا السلام ولا یحتاج قتلہ إلی الإذن من الحاکم الشرعی[1]

حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کا قتل کرنا سننے والے پر واجب ہے بشرطیکہ اس کی جان، عزت اور مال خطیر کو خطرہ لاحق نہ ہو اور تمام ائمہ علیہم السلام اور جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کی شان میں گستاخی کرنے والے کا بھی یہی حکم ہے اور اس گستاخ کے قتل کے سلسلے میں حاکم شرعی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ سرکار آیۃ اللہ خمینی مدظلہ کا بھی یہی فتویٰ اور حکم ہے اور دیگر فقہا کا بھی یہی ارشاد ہے۔[2]

اگر کسی اجتماع یا جلسہ میں حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ان کے اہل بیت اطہار کے متعلق غیر مناسب اور نازیبا انداز گفتگو اختیار کیا جا رہا ہو تو اہل ایمان کا فرض ہے کہ ایسے اجتماع اور جلسے سے دوری اختیار کریں اور اس میں ہرگز شریک نہ رہیں اس لئے کہ ایسے ماحول میں صاحبان ایمان کی شرکت ان کو خود گستاخان رسول وآل رسول میں شامل کر دے گی جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔ وقد نزّل

---

[1] مبانی تکملۃ المنہاج ج ۱ ص ۲۶۴ / ۲۶۵

[2] تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۰۶ ـ ۴۰۷ شرائع الاسلام کتاب الحدود ص ۱۶۵ الشیعہ فی عقائدہم واحکامہم ص

علیکم فی الکتٰب ان اذا سمعتم ایٰت اللّٰہ یکفر بہا ویستہزأ بہا فلا تقعدوا معھم حتّٰی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذاً مثلھم [1] اور یقیناً خداوند عالم، کتاب میں یہ حکم نازل کرچکا ہے کہ جب تم یہ سنو کہ خدا کی آیتوں کا انکار کیا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو تم ایسے لوگوں کے پاس مت بیٹھو تا آنکہ اس کے سوا وہ کسی اور بات میں غور و خوض کریں ورنہ تم بھی اس وقت ان ہی جیسے ہو گے۔" ظاہر ہے کہ آیات الٰہیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، معصومۂ کونین اور ائمہ اطہار علیہم السلام سب سے بلند مرتبہ ہیں جب معمولی آیات کے متعلق گستاخی برداشت نہ ہونی چاہیئے تو ان ذوات مقدسہ کے تعلق میں اس فعل شنیع کو کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے من قعد فی مجلس یسب فیہ إمام من الائمۃ یقدر علی الانتصاف فلم یفعل البسہ اللّٰہ عزوجل الذل فی الدنیا وعذابہ فی الآخرۃ وسلبہ صالح ما منّ بہ علیہ من معرفتنا [2] امام علیہ السلام نے فرمایا جو ایسے اجتماع میں بیٹھے کہ جس میں کسی امام کو گالیاں دی جارہی ہوں اور وہ انتقام پر قدرت رکھتا ہو لیکن انتقام نہ لے تو اللہ تعالےٰ اس کو دنیا میں ذلیل و رسوا کرے گا اور آخرت میں اس پر عذاب نازل کرے گا اور ہماری معرفت کے بہترین تحفے دیکر اس پر جو احسان کیا تھا اس کو چھین لے گا۔

---

[1] القرآن پ۵ النساء آیۃ ۱۴۰ [2] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صفحہ ۲۶۷

اصحاب نبی کی شان میں گستاخی

تمام انبیاء کے صحابہ عموماً اور حضورؐ کے صحابہ خصوصاً ہر طرح قابل احترام ہیں۔ ان کو جو عزت وعظمت عطا ہوئی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی صحبت اور قربت کی وجہ سے ہے اگر اصحاب نبی رضوان اللہ علیہم کا احترام ملحوظ نہیں رکھا جائے گا تو آخر کار یہ حضورؐ کی بارگاہ عرش پایگاہ میں دریدہ دہنی ہوگی اس لئے اصحاب نبی کو بھی گالیاں دینے والے کے لئے بھی کوڑوں کی سزا تجویز فرمائی گئی ہے الفضل بن حسن الطبرسی باسنادہ فی صحیفۃ الرضا علیہ السلام عن آبائہ علیہم السلام عن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قال من سبّ نبیّاً قتل ومن سبّ صاحب النبی جلد [1] جو کسی نبی کو گالی دے گا قتل کیا جائے گا اور جو نبی کے صحابی کو گالی دے گا اسے کوڑے لگائے جائیں گے۔ دوسری حدیث میں پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے من سبّنی فاقتلوہ ومن سبّ اصحابی فاجلدوہ [2] جو مجھے گالی دے اسے قتل کر دو اور جو میرے اصحاب کو گالی دے اسے کوڑے لگاؤ۔

اگرچہ کسی حدیث میں کوڑوں کی تعداد مذکور نہیں ہے لیکن آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے صحابی کو گالی دینا قذف کے دائرے میں آتا ہے اور قاذف کی سزا اسّی کوڑے ہے

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صفحہ ۴۶۰

[2] جامع الاخبار فصل ۱۲۵ صفحہ ۱۳۹

مدعیٔ نبوّت کی سزا

اس میں کوئی شک نہیں کہ امت مسلمہ میں بہت سے فرقے پائے جاتے ہیں اور ان فرقوں میں عقائد و اعمال کے تعلق میں تھوڑا بہت اختلاف فکر و نظر اور انتشار آرا ، پایا جاتا ہے لیکن اور سینکڑوں مسائل کی طرح ختم نبوّت ایک ایسا عقیدہ ہے کہ جس میں کسی فرقے نے کسی قسم کا اختلاف نہیں کیا ۔ یعنی سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی یعنی آخری نبی اور خاتم الانبیاء مانتے اور تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے ما کان محمّد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیّن [1] محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں " یہ آیت اور قل یاایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً اے رسول کہدیجئے کہ اے لوگو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ تعالےٰ کی جانب سے رسول ہوں [2] تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً [3] بڑی برکت والا ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا تاکہ وہ سب عالموں کے لئے ڈرانے والا ہو " وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین [4] نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر ، وغیرہ بہت

---

[1] القرآن پ۲۲ الاحزاب آیۃ ۴۰ [2] القرآن پ۹ الاعراف آیۃ ۱۵۸

[3] القرآن پ۱۸ الفرقان آیۃ ۱ [4] القرآن پ۱۷ الانبیاء آیۃ ۱۰۷

سی آئیتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہونے کی دلیل ہیں۔ جو شخص آنحضرت کے خاتم الانبیاء ہونے کے تعلق میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہوتا ہے یا تاویلات رکیکہ سے وسوسے پیدا کرتا ہے وہ یقیناً اسلام سے خارج ہے۔ اسی لئے بلا استثناء ہر مدعی نبوت کو عالم اسلام نے کافر و مرتد جانا ہے۔ ذخیرۂ احادیث میں بھی ختم نبوت کے کثیر دلائل موجود ہیں۔ ہم اس متبرک ذخیرہ میں سے صرف ایک حدیث پیش کرنے کی عزت حاصل کرتے ہیں جو کہ ناقابل انکار حقیقت ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لعلی علیہ السلام انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے غزوہ تبوک پر روانہ ہوتے ہوئے فرمایا "میرے ساتھ تمہاری وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے"

بہرحال جیسا کہ عرض کیا گیا عقیدہ ختم نبوت کسی استثناء کے بغیر امت مسلمہ کا خواہ وہ کسی جغرافیہ نسل اور زبان سے متعلق ہوں اجماع ہے اور اسی لئے ہر مسلمان نے ہر زمانے میں نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو مرتد اور واجب القتل قرار دیا ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دعوائے نبوت حضورؐ کی تکذیب، سارے انبیاء و ائمہ کی تکذیب سارے عالم اسلام کی تکذیب اور اللہ کی تکذیب ہے اور مکذب خدا و رسول بہرحال واجب القتل ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک حدیث میں فرمایا ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایہا الناس انّہ

لے صحیح بخاری، صحیح مسلم باب فضائل اصحاب

لانبی بعدی ولاسنة بعد سنتی فمن ادّعیٰ ذلک فدعواه وبدعته فی النار فاقتلوه ومن تبعه فانّه فی النار "[1]
جناب رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: اے لوگو بلاشک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور نہ میری سنّت کے بعد کوئی سنّت ہے پس جو بھی یہ دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ اور اس کی ایجاد بندہ جہنم میں داخل کی جائیں گی۔ ایسے شخص کو قتل کردو اور جو اس کی پیروی کرے گا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔ عن الرضا علیہ السلام فی حدیث قال: "وشریعة محمد لاتنسخ إلی یوم القیامة ولانبی بعده إلی یوم القیامه فمن ادّعیٰ نبیّاً أو اَتی بعده بکتاب، فدمه مباح لکل من سمع منه" امام رضا علیہ السلام نے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شریعت قیامت تک منسوخ نہیں ہوسکتی اور آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آسکتا۔ چنانچہ اگر حضور کے بعد کوئی نبوت کا دعویٰ کرے اور کتاب پیش کرے تو اس کا خون ہر اس شخص کے لئے مباح ہے جو بھی اسے سنے[2] عن ابن یعفور قال قلت لأبی عبد اللہ علیہ السلام بذیعاً یزعم انہ نبی فقال ان سمعتہ یقول ذلک فاقتلہ قال: فجلست إلی جنبہ غیر مرّة فلم یمکنی ذلک۔ ابن یعفور کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ بذیع نامی ایک

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۵۵۵
[2] وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۵۵۵ الواب حد مرتد

اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے .. ؟؟ آپؑ نے فرمایا اگر تم اس کو یہ کہتے ہوئے سنو تو قتل کر دو۔ ابن یعفور کہتے ہیں کہ میں اس کی تاک میں کئی دفعہ بیٹھا لیکن وہ میرے ہتھے نہیں چڑھا "

سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابو القاسم الموسوی الخوئی دامت ظلالہٗ نے ارشاد فرمایا ہے من ادعی النبوۃ وجب قتلہ من دون حاجۃ الی الاذن من الحاکم الشرعی [۱] جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے اس کا قتل واجب ہے اور اس میں حاکم شرعی کے اذن و اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ دیگر مجتہدین کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسلمان یہ کہے کہ: لا ادری ان محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صادق اولا؟ یقتل [۲] میں نہیں جانتا کہ محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچے ہیں یا نہیں تو ایسا شخص بھی قتل کیا جائے گا۔"

---

[۱] مبانی تکملۃ المنہاج ج اول ص ۲۶۵ تا ۲۶۶

[۲] تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۰۵ الشیعہ فی عقائدہم واحکامہم ص ۲۴۱، شرائع الاسلام کتاب الحدود ص ۹۶

جادوگر کی سزا

سحر یا جادو زمانہ ماقبل تاریخ سے بدقماش اور بدطینت لوگوں کا پسندیدہ مشغلہ رہا ہے۔ قرآن کریم کے مطابق سب سے پہلے جناب سلیمان علیہ السّلام کے زمانے میں شیاطین نے اولاد آدم کو جادو سکھایا جیسا کہ فرمایا گیا ہے واتبعوا ماتتلوا الشیاطین علی ملک سلیمان ج وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا یعلّمون الناس السحر ق وما انزل علی الملکین ببابل ہاروت وماروت ط وما یعلّمٰن من احد حتی یقولآ انّما نحن فتنۃ فلا تکفر ط فیتعلّمون منہما ما یفرّقون بہ بین المرء وزوجہ وما ھم بضآرّین بہ من احد الّا باذن اللّٰہ ط ویتعلّمون ما یضرّھم ولا ینفعھم ط ولقد علموا لمن اشترٰہ مالہ فی الآخرۃ من خلاق قف ولبئس ما شروا بہ انفسھم ط لو کانوا یعلمون [۱] اور وہ پیروی کرنے لگے جو شیاطین، حضرت سلیمان علیہ السّلام کے عہد حکومت میں پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے ہی نے کفر کیا جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ اور وہ بھی سکھاتے تھے جو بابل میں ہاروت اور ماروت پر نازل کیا گیا تھا حالانکہ یہ دونوں فرشتے کسی کو کچھ تعلیم نہ دیتے تھے جب تک کہ یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں، پس

---

[۱] القرآن پ البقرہ آیۃ ۱۰۲

کفر اختیار نہ کرو۔ اس پر بھی وہ لوگ اُن سے افسوں سیکھ لیتے جس سے خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالیں حالانکہ خدا کے اذن کے بغیر کسی کو اس سے نقصان نہیں پہونچا سکتے تھے۔ اور وہ لوگ ایسی چیز سیکھتے تھے جو انھیں نقصان پہونچاتی تھی اور کوئی نفع نہیں دیتی تھی اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ جس نے اس (جادوگری) کو خرید لیا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور وہ چیز بہت ہی بُری ہے جس کے بدلے میں انھوں نے اپنی جانوں کو بیچا ہے۔ کاش وہ کچھ جانتے ہوتے۔۔۔ ؟ جناب نوح علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا طوفان شباب پر آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کوئی انتہا ہی نہ رہی، فرعون کے پاس ہزاروں جادوگر تھے اور وہ جادوگروں کے زور پر ہی خدائی کا دعویٰ کرنے میں تکلف نہ کرتا تھا۔

علامہ فخر الدین طریحی نے "سحر" کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے " والسحر بالکسر فالسکون کلام أو رقیة أو عمل یؤثر فی بدن الإنسان أو قلبه أو عقله وقیل لا حقیقة له ولکنه تخییل [1] "سحر" کلام یا افسوں یا عمل ہوتا ہے جو انسان کے بدن میں یا دل میں یا عقل پر اثر کرتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس افسوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ ایک خیالی چیز ہوتی ہے "

قرآن کریم کی روشنی میں بھی یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جادو سے حقیقت شئی کو بدلا نہیں جا سکتا بلکہ آنکھوں اور عقل

---

[1] مجمع البحرین ج ۳ ص ۳۲۵

پر مکر و فریب کا پردہ پڑ جاتا ہے جس سے انسان خیال کو حقیقت سمجھنے لگتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے قالوا یا موسیٰ امّا ان تلقی وامّا ان نکون اوّل من القی ○ قال بل القوا ج فاذا حبالھم وعصیّھم یخیّل الیہ من سحرھم انّھا تسعیٰ ○ فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ ○ قلنا لا تخف انک انت الاعلیٰ ○ والق ما فی یمینک تلقف ما صنعوا ط انّما صنعوا کید ساحر ط ولا یفلح الساحر حیث اتی [۱] فرعونی جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں ... ؟ جناب موسیٰ نے کہا بلکہ تم ہی ڈالو۔ چنانچہ یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں جو انھوں نے ڈالی تھیں ان کے جادو کے زور سے جناب موسیٰ کے خیال میں ایسی لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں، پس جناب موسیٰ نے اپنے نفس میں کچھ خوف کا احساس کیا، ہم نے کہا نہ ڈرو تم ہی برتر ہو گے اور جو تمہارے ہاتھ میں عصا ہے اسے زمین پر ڈال دو، جو کچھ انھوں نے بنایا ہے یہ اسے ہڑپ کر جائے گا اور یقیناً یہ جادوگر کا ایک مکر انھوں نے بنایا ہے اور جادوگر جس جگہ سے بھی آئے گا کامیاب نہ ہوگا۔ یخیّل الیہ من سحرھم انّھا تسعیٰ (اور ان کے جادو کے زور سے موسیٰ کے خیال میں وہ لاٹھیاں اور رسیاں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئیں) اس بات کی دلیل ہے کہ جادو سے حقیقت شئی تبدیل نہیں کی جا سکتی۔

جناب فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے "لفظ

---

[۱] القرآن پ۱۶ طٰہٰ آیہ ۶۵ تا ۶۹

السحر فی عرف الشرع مختص بکل امر مخفی سببه ویتخیل علی غیر حقیقته ویجری مجری التمویه والخدع [1] لفظ سحر عرف شرع میں مخصوص ہے ہر اس عمل یا افسوں سے جس کا سبب پوشیدہ ہو اور مصنوعی طور پر، حقیقت کے خلاف نظر آئے اور یہ جادو فریب اور مکر کا قائم مقام ہے جس طرح فریب اور دھوکے میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی اسی طرح جادو میں حقیقت شئی نہیں بدلتی۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری نے جادو کی حقیقت کے بارے میں صاحب تاج العروس کا قول نقل کیا ہے: واصل السحر صرف الشئ عن حقیقته إلی غیره فکان الساحر لما اری الباطل فی صورة الحق وخیل الشئ علی غیر حقیقته فقد سحر الشئ عن وجهه ای صرفه [1] "سحر کی اصلیت یعنی اس کے معنی ہیں کسی شئی کو اس کی حقیقت سے غیر کی طرف ہٹا دینا، گویا جب ساحر حق کو باطل کی صورت میں پیش کرتا ہے یا کوئی چیز اپنی حقیقت کے خلاف نظر آنے لگتی ہے تو گویا اس نے شئی کو اس کی اصلیت سے ہٹا دیا" غرضکہ سحر یا جادو ایسے افسوں حرکات و اعمال پر مشتمل ہوتے ہیں جس سے انسان کے حواس پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس سے شئی کچھ ہوتی ہے اور وہ دیکھتا کچھ ہے یہی حالت آوازوں وغیرہ کی ہوتی ہے۔

جادو کی تاثیر بہر حال مسلّم ہے۔ قرآن کریم اور احادیث کے ذخائر میں سحر کی تاثیر کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی لئے واقع سحر مختلف

---

[1] ضیاء القرآن ج اوّل ص ۷۹

دعائیں تعلیم کی گئی ہیں خصوصیت سے قرآن مجید کے آخری دونوں سورے (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس جنہیں معوذتین کہا جاتا ہے) اثر سحر کے دفیعہ کے لئے یقینی اور تیر بہدف علاج ہیں۔

چونکہ جادو سے انسانیت شدید مشکلات اور مصائب سے دوچار ہو جاتی ہے اس لئے ساحر کو کسی شریف معاشرے میں پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ جادوگروں کو سخت سے سخت سزا دینا مناسب سمجھا جاتا ہے۔ اسلام نے ساحر یعنی جادوگر کی سزا قتل تجویز کی ہے اور عالم اسلام کا اس پر اتفاق ہے عن السکونی عن أبی عبد اللہ علیہ السلام قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ساحر المسلمین یقتل و ساحر الکفّار لا یقتل فقیل یا رسول اللہ ولما لا یقتل ساحر الکفّار ...؟ قال لانّ الکفر اعظم من السحر، والسحر والشرک مقرونان[1] جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: مسلمان ساحر کو قتل کیا جائے گا اور کافر جادوگر قتل نہیں کیا جائے گا۔ عرض کیا گیا اے خدا کے رسول! کفّار کا جادوگر کیوں قتل نہیں کیا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ کفر تو جادو سے بہت بڑا ہے (لہذا جب کفر کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا تو جادو کی وجہ سے کیسے قتل کیا جا سکتا ہے) اور اس لئے بھی کہ سحر اور شرک دونوں ایک دوسرے کے قرین اور ہم نشین ہیں۔

عن زید الشحام عن أبی عبد اللہ علیہ السّلام

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صـ ۵۷۶

قال : الساحر یضرب بالسیف ضربۃ واحدۃ علی رأسہ[1]

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ جادوگر کے سر پر تلوار کی ایک ضرب لگا کر قتل کر دیا جائے۔"

عن زید بن علی عن ابیہ عن آبائہ قال، سئل رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم عن الساحر فقال: اذا جاء رجلان عدلان فشہدا بذلک فقد حلّ دمہ[2]

زید بن علی حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام سے اور وہ اپنے آباء کرام علیہم السّلام سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے ساحر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جب دو عادل گواہ شہادت دیدیں تو جادوگر کا خون حلال ہو جاتا ہے"

عن اسحاق بن عمّار عن جعفر عن ابیہ انّ علیاً علیہ السلام کان یقول: من تعلّم شیئاً من السحر کان آخر عہدہ بربہ وحدّہ القتل الّا ان یتوب[3]

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اپنے والد ماجد امام محمّد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام فرمایا کرتے تھے کہ جو جادوگری کی کوئی بات سیکھے تو یہ اس کی تعلیم کا شروع کرنا اپنے رب سے وفاداری کو ختم کرنا ہے اور اس کی سزا قتل ہے مگر یہ کہ وہ توبہ کرلے"

جناب آیۃ اللہ العظمٰی السیّد ابو القاسم الخوئی نے فرمایا ہے:

ساحر المسلم یقتل وساحر الکافر لا یقتل ومن تعلّم

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صفحہ ۵۷۶ [2] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صفحہ ۵

شیئاً من السحر کان آخر عہدہ بربہ وحدہ القتل الّا ان یتوب ۱؎ مسلمان جادوگر قتل کیا جائے گا جب کہ کافر ساحر قتل نہیں کیا جائے گا اور جو جادوگری کی تھوڑی بہت بھی تعلیم حاصل کرے گا تو اس کی وجہ سے اس کی اپنے رب سے وفاداری ختم ہو جائے گی اور اس کی سزا بطور حد قتل ہے مگر یہ کہ توبہ کرلے"

جناب آیۃ اللہ السید روح اللہ الخمینی اور بعض دیگر مجتہدین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جھوٹے مدعی نبوت کے دعوے کو باطل کرنے کے لئے جادوگری کی تعلیم حاصل کرے تو یہ درست ہے اور بعض حالات میں یہ تعلیم واجب بھی ہو جاتی ہے اور کافر ساحر کو تادیباً سزا دی جائے گی" ۲؎

ساحری کا ثبوت

دو عادل گواہوں کی شہادت سے یا مجرم کے دو مرتبہ اقرار سے ہوتا ہے، اگر مجرم شہادتوں کے گذرنے سے پہلے توبہ کرے تو حد جاری نہیں کی جائے گی ۳؎

۱؎ مبانی تکملۃ المنہاج، ج اوّل صہ ۲۶۶ تا ۲۶۸

۲؎ تحریر الوسیلہ ج ۲ صہ ۶۰۷، جواہر الکلام ج ۴۱ صہ ۴۴۳، شرائع الاسلام کتاب الحدود صہ ۱۶۷، الشیعہ فی عقائدہم واحکامہم صہ ۔

۳؎ تحریر الوسیلہ ج ۲ صہ ۶۰۷، جواہر الکلام ج ۴۱ صہ ۴۴۳، الشیعہ فی عقائدہم واحکامہم صہ ۲۴۱

اِرتداد

ارتداد ایک بڑا ہولناک اور خطرناک جرم ہے اگر اس کے انسداد کی طرف سے بے پروائی برتی جائے تو امت مسلمہ کو شدید نقصانات پہونچ سکتے ہیں۔ اس لئے علماء اسلام نے خواہ وہ اہل سنت ہوں یا شیعہ، تعلیمات اسلام کی روشنی میں اس کو واجب الحد قرار دیا ہے قرآن کریم کے ارشادات میں اس کی بڑی مذمت کی گئی ہے اور عذاب آخرت کی بھی خبر دی گئی ہے۔ ارتداد سے مرتد کے تمام اعمال خیر ضائع ہوجاتے ہیں اور اس کا دنیا میں کوئی اثر نہیں رہتا یعنی اسلام کی وجہ سے اسے معاشرے میں جو مقام حاصل تھا احترام و تحفظ وغیرہ کا وہ سب ختم ہوجاتا ہے اور آخرت میں ہمیشہ کے لئے جہنم اس کا ٹھکانہ ہوگا جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے و من یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولٓئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ ج واولٓئک اصحاب النار ج ھم فیھا خلدون لٰہ اور یاد رکھو (اے مسلمانو!) تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا اور کفر کی حالت میں مرے گا تو یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے اور یہی لوگ دوزخی ہیں اور یہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔"

دوسری آیت میں اس طرح فرمایا گیا ہے: "ان الذین ارتدوا

لٰہ القرآن پ۲ البقرہ آیۃ ۲۱۷

علیٰ ادبارھم من بعد ما تبیّن لھم الھدیٰ لا الشیطٰن سوّل لھم ط و املیٰ لھم ہ ذٰلک بانّھم قالوا للذین کرھوا ما نزّل اللّٰہ سنطیعکم فی بعض الامر ج واللّٰہ یعلم اسرارھم ہ فکیف اذا توفتھم الملٰئکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم ہ ذٰلک بانّھم اتّبعوا ما اسخط اللّٰہ وکرھوا رضوانہ فاحبط اعمالھم نہ بے شک جو لوگ ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد اپنے پچھلے پاؤں پلٹ گئے یعنی مرتد ہو گئے ، شیطان نے ان کو فریب دیا اور ان کو امیدیں دلائیں یہ اس لئے کہ انھوں نے ان لوگوں سے جنھوں نے اللہ کی نازل کردہ باتوں کو ناپسند کیا کہ ہم بعض امور میں تمہاری اطاعت کریں گے اور اللہ تو ان کے بھیدوں کو خوب جانتا ہے ۔ پس اس وقت ان کی کیا حالت ہوگی جب کہ فرشتے اس طرح ان پر موت طاری کریں گے کہ ان کے منہ پر اور ان کی پیٹھ پر چوٹیں لگاتے ہوں گے ۔ یہ اس لئے کہ انھوں نے پیروی کی اس چیز کی جس نے خدا کو ناراض کر دیا اور ان لوگوں نے خدا کی خوشنودی کو ناپسند کیا تو اللہ نے بھی ان کے اعمال کو اکارت اور برباد کر دیا ۔"

حقیقت یہ ہے کہ ارتداد کا ارتکاب کرنے والے ، خداوند عالم کا نہ تو کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ بگاڑتے ہیں بلکہ اپنی دنیا اور عقبیٰ تباہ کر لیتے ہیں ۔ خداوند عالم ان کی جگہ پر اپنے پرستاران افراد کو جو مومنین سے پیار کرتے ہوں ، کافروں پر سخت ہوں اور راہ خدا میں جہاد کرتے ہوں

لہ القرآن پ ۲۶ محمد آیت ۲۵ تا ۲۸

کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے ہوں لے آتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے : یاایہاالذین آمنوا من یرتدّ منکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقوم یحبہم ویحبّونہ لا اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولایخافون لومۃ لائم ط ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء ط واللہ واسع علیم لہ تم میں سے جو کوئی بھی اپنے دین سے پھر جائے گا تو جلد ہی اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہے اور وہ اسے دوست رکھتے ہیں وہ مومنوں کے لئے نرم دل اور کافروں پر سخت ہوں گے ۔ وہ خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گو کی ملامت سے نہیں ڈریں گے ، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ وسعت والا جاننے والا ہے ۔

اِرتداد کے معنی

ارتداد کے معنی ہیں دائرۂ اسلام سے خارج ہو جانا یعنی کلمۂ اسلام کا انکار کر دینا یا فرائض دینی کا انکار کر دینا یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے اور سارے جہانوں کے لئے رسُول ہونے سے انکار کر دینا یا فرائض دینیہ کا مذاق اڑانا ، قرآن مجید کا گندی جگہ پر ڈال دینا یا معاذ اللہ اسے پیروں سے روندنا یا خانہ کعبہ یا مشاہد مقدسہ میں سے کسی کی ضریح کو گندگی سے آلودہ کرنا یا بتوں کی پوجا پاٹ کرنا یا سورج یا آگ وغیرہ کی پرستش کرنا خواہ زبان سے ان چیزوں کی ربوبیت کا اظہار کیا جائے یا نہ کیا جائے وغیرہ امور

لہ القرآن پ۶ المائدہ آیۃ ۵۴

ایسے ہیں جن سے ارتداد عائد ہوتا ہے۔

ارتداد کا ثبوت ارتداد کا ثبوت دو عادل گواہوں کی شہادت یا دو بار کے اقرار سے ہوتا ہے۔ یہ گواہ مرد ہونا چاہئیں۔ صرف عورتوں کو یا مردوں کے ساتھ شامل کر کے عورتوں کی شہادت اس تعلق میں قابل قبول نہ ہوگی۔ ؎

اقسام مرتد : مرتد کی دو قسمیں ہیں فطری اور ملّی؎

مرتد فطری : وہ شخص کہلاتا ہے جو مسلمان ماں باپ سے پیدا ہوا ہو یا اس کے ماں باپ میں سے ایک مسلمان ہو۔

مرتد ملّی : وہ شخص ہے جو کفر سے اسلام کی طرف آیا ہو اور پھر مرتد ہو کر کافر ہو جائے۔

مرتد فطری کی سزا : یہ ہے کہ اس کا قتل کرنا واجب ہے۔ اس کی بیوی اس سے جدا کر دی جائے گی اور وہ عدّہ رکھے گی جو چار مہینے دس دن ہے اور اس کا مال اور ترکہ اس کے مرتد ہوتے ہی اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

مرتد ملّی کی سزا : اس کو توبہ کا موقع دیا جائے گا۔ اگر وہ تین دن کے دوران توبہ کر لے تو اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر توبہ نہ کرے تو اسے بھی چوتھے دن قتل کر دیا جائے گا اس کی مملوکہ چیزیں اس کے پاس باقی رہیں گی لیکن اس کا نکاح فسخ ہو جائے گا اور وہ مطلقہ کا عدّہ رکھے گی جو تین مہینے دس دن ہے اگر وہ اس کی مدخولہ ہو۔

؎ جواہر الکلام ج ۴۱ ص ۶۰۰ ؎ تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۶۲۵ تا ۶۲۶

عورت کا ارتداد: اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے خواہ وہ فطری ہو یا ملی اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اور شوہر سے جدا کر دی جائے گی اور عدہ طلاق رکھے گی جو تین مہینے دس دن ہے اور اسے توبہ کرنے کے لئے کہا جائے گا اگر توبہ کر لے تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی اور اگر توبہ نہ کرے تو اسے حبس دوام کی سزا دی جائے گی اور اس سے شدید محنت کے کام لئے جائیں گے اور اس کو کھانا پینا صرف اتنا دیا جائے گا کہ اس کی زندگی بچی رہی اور اس کو موٹا جھوٹا لباس پہنایا جائے گا اور اگر وہ قید خانے میں توبہ کر لے تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔[1]

شرائط ثبوتِ ارتداد: کسی شخص کا ارتداد اس وقت ثابت ہوگا جب کہ وہ بالغ ہو، کمال عقل کا مالک ہو اور صاحب اختیار ہو آیۃ اللہ خمینی کے نزدیک قصد بھی شرط ہے انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر شدید غصے میں جب کہ کوئی شخص اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے اور کوئی بات موجب ارتداد اس سے صادر ہو جائے تو اس کو مرتد قرار نہیں دیا جائے گا۔ چنانچہ اگر بچہ موجب کفر بات کرے تو اس کے ارتداد کا حکم نہیں دیا جائے گا اسی طرح دیوانے، مجبور، بے ہوش اور غافل کو بھی نہیں سمجھا جائے گا۔

اگر کسی شخص سے موجب ارتداد امور کا ظہور ہو اور وہ اکراہ کا دعویٰ کرے تو اگر کوئی قرینہ ایسا پایا جاتا ہو جو اسے مجبور ثابت کرے

---

[1] مبانی تکملۃ المنہاج، ج اول ص ۳۲۰ - ۳۲۱، تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۲۵، شرائع الاسلام کتاب الحدود ص ۱۰۳

تو اس سے یہ عذر قبول کر لیا جائے گا اگر ایسے شخص کے خلاف گواہ بھی گذر چکے ہوں تب بھی اس کا عذر مانا جائے گا اور اگر کوئی قرینہ اس کے مجبور ہونے کا نہ ہو تو اس کے عذر اور دعویٰ کی کوئی قیمت نہیں ہوگی [۱] جیسا کہ حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی خاص حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے واقعہ سے ظاہر ہے جس کو قرآن کریم میں بیان فرمایا گیا ہے: من کفر باللہ من بعد الا من اکراہ و قلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدراً فعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم [۱] اور جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر اختیار کرے سوائے اس شخص کے جس پر جبر کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کے سبب مطمئن ہو لیکن جس نے کفر کے لئے سینہ کھول دیا تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے

اس سلسلہ میں ہم جناب جسٹس پیر کرم شاہ کا بیان انہی کے لفظوں میں پیش کر رہے ہیں۔ اہل نظر کے لئے اس میں بہت کچھ سرمایۂ بصیرت ہے۔

یہ آیت حضرت عمار کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک دفعہ کفار نے آپ کو، آپ کے والد یاسر کو اور آپ کی والدہ سمیہ کو پکڑ لیا انھیں طرح طرح کی اذیتیں پہونچائیں تاکہ وہ اسلام سے دست بردار

---

[۱] مبانی تکملۃ المنهاج ج اوّل صہ ۳۲۸، تحریر الوسیلہ ج ۲ صہ ۶۲۵
شرائع الاسلام کتاب الحدود صہ ۱۸۳ عقائدہم واحکامہم صہ ۲۴۸

ہو جائیں لیکن بے سود۔ آخر انھوں نے حضرت سمیہ کی ایک ٹانگ ایک اونٹ سے اور دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ سے باندھ دی اور ابو جہل نے ان کے اندام نہانی میں نیزہ مارا اور دونوں اونٹوں کو مختلف سمتوں میں دوڑا دیا یہاں تک کہ چر کر آپ کے بدن کے دو حصے ہو گئے۔ یہ پہلی شہیدہ ہیں جنھوں نے اپنی جان راہ خدا میں دی پھر حضرت یاسر کو پکڑا اور ان کو بھی بڑی بے دردی سے قتل کر دیا یہ تاریخ اسلام کے دوسرے شہید ہیں جن کے خون پاک سے زمین لالہ گوں ہوئی۔ اس کے بعد ان ظالموں نے حضرت عمّار کو پکڑا اور انھیں مجبور کیا کہ اسلام کو چھوڑ دیں۔ آپ کی والدہ اور والد کے لاشے سامنے تڑپ رہے تھے انھوں نے بادل ناخواستہ زبان سے کلمات کفر کہہ دیئے۔ بارگاہ رسالت میں عرض کی گئی کہ عمّار تو کافر ہو گیا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کلاّ ان عمّارا ملئ ایماناً من قرنہ الی قدمہ واختلط الایمان بلحمہ ودمہ۔ ہرگز نہیں عمّار تو سر سے لے کر قدموں تک ایمان سے لبریز ہیں۔ ایمان ان کے گوشت اور خون میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ حضرت عمار وہاں سے چھٹکارا پاکر روتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض کیا۔ حضور نے پوچھا کیف وجدت قلبک؟ اے عمّار اس وقت تیرے دل کی کیا کیفیت تھی؟ عرض کی مطمئناً بالایمان! وہ تو ایمان سے مطمئن تھا۔ اس بندہ پرور آقا نے اپنے غلام کے اشکبار آنکھوں کو اپنے دست کرم سے پوچھا اور فرمایا ان عادوا لک فعد لھم لما قلت (اگر وہ پھر تمہیں تکلیف دیں تو تم پھر وہی کہہ دینا جو کہہ چکے ہو (بحوالہ تفسیر مظہری) اس سے معلوم ہوا

کہ اپنی جان بچانے کے لئے اگر کوئی شخص کفریہ کلمہ زبان پر لائے بشرطیکہ اس کے دل میں یقین اور ایمان موجود ہو تو اس کی اجازت ہے ۔[۱]

(جناب عمار یاسر رضوان اللہ علیہ حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان بلند مرتبہ اصحاب میں سے ہیں جن سے حضورؐ بڑی محبت فرمایا کرتے تھے ۔ ان کی شہادت جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے جنگ کرتے ہوئے واقع ہوئی تھی)

اگر مرتد ملی قتل کر دیا جائے یا اپنی موت سے مر جائے تو اس کا ترکہ مسلمان وارثوں کو دیا جائیگا لیکن اگر اس کا کوئی مسلمان وارث نہ ہو تو مشہور یہ ہے کہ اس کے وارث امامؑ ہوں گے لیکن امام کا وارث ہونا اشکال سے خالی نہیں ہے بلکہ یہ بھی کوئی بعید بات نہیں ہے کہ وہ کافر اصلی کی طرح سمجھا جائے اور کافر اس کے وارث ہو جائیں ۔[۲]

اگر مرتد کا کوئی چھوٹا بچہ ہو تو وہ مسلمان سمجھا جائے گا اور اس کا وارث ہو گا ہاں بے شک اگر بالغ ہو جائے اور کفر کا اظہار کرے تو وہ کافر سمجھا جائے گا اور اگر کسی مرتد کے ارتداد کے بعد کوئی بچہ پیدا ہو تو یہ بچہ بھی مسلمان سمجھا جائے گا اس حکم میں شرط یہ ہے کہ اس کے نطفے کا انعقاد ماں باپ میں سے کسی ایک کے مسلمان ہونے کی حالت میں ہوا ہو ۔ اس لئے کہ احکام اسلامی کے اس بچے سے متعلق ہونے کے لئے ماں باپ میں سے ایک کا مسلمان ہونا کافی ہے اگرچہ ماں باپ میں سے کوئی ایک بعد میں مرتد ہو جائے ۔[۳]

---

[۱] ضیاء القرآن ج دوم صـ۶۰۵ ، تفسیر منہج الصادقین ج ۵ صـ۲۲۹ ، تفسیر صافی صـ۲۸۱

[۲] مبانی تکملۃ المنہاج ، ج ۱ صـ۳۲۹

[۳] مبانی تکملۃ المنہاج ج اول صـ۳۲

جناب آیۃ اللہ المحقق نے فرمایا ہے کہ مرتد ملّی کا بچہ اپنے ارتداد سے پہلے حکم مسلم میں رہے گا پس اگر بالغ ہونے کے بعد کفر اختیار کرلے تو اس سے توبہ کے لئے کہا جائیگا، اگر وہ توبہ کرلے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے قتل کیا جائے گا۔ اسی طرح مرتد فطری کا بیٹا اپنے ارتداد سے پہلے حکم مسلم میں ہے مگر جب وہ بالغ ہو جائے اور کفر اختیار کرلے، اسی طرح مسلمان کا بیٹا جب بلوغت کے بعد اظہار اسلام سے قبل کفر اختیار کرلے تو ان دونوں پر مرتد فطری کا حکم نہیں لگایا جائے گا بلکہ ان سے توبہ کے لئے کہا جائیگا، اگر توبہ کریں تو ان سے کچھ نہ کہا جائے گا اور اگر توبہ نہ کریں تو قتل کر دیا جائے گا۔

اگر مرتد ملّی بار بار ارتداد کا ارتکاب کرے تو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ تیسری بار میں قتل کیا جائے گا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چوتھی بار میں قتل کئے جائیں گے اور یہی بات مناسب ہے۔ [۱]

جناب آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابو القاسم الخوئی نے اس تعلق میں فرمایا ہے کہ اگر عورت اور مرتد ملّی تکرار ارتداد کریں تو کہا گیا ہے کہ چوتھی بار میں قتل کئے جائیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ تیسری مرتبہ میں قتل کئے جائیں گے اور یہ دونوں صورتیں اشکال سے خالی نہیں ہیں بلکہ اظہر یہ ہے کہ قتل نہیں کئے جائیں گے۔ جناب خوئی کے ارشاد عالی کے الفاظ یہ ہیں:

اذا تکرر الارتداد فی الملی او فی المرأۃ، قیل یقتل فی الرابعۃ وقیل یقتل فی الثالثۃ وکلاھما لا یخلو من اشکال بل الاظھر عدم القتل [۲]

---

[۱] تحریر الوسیلہ ج ۲ صہ ۶۲۵، شرائع الاسلام صہ ۱۸۵

[۲] مبانی تکملۃ المنہاج، ج اول صہ ۳۳۲

اگر کوئی مرتد ملی اور کافر اصلی دار حرب یا دار اسلام میں نماز پڑھیں تو اگر کوئی ایسا قرینہ پایا جاتا ہو کہ انھوں نے نماز، اسلام سے تمسک کی وجہ سے پڑھی ہے تو ان کو مسلمان سمجھا جائے گا ورنہ حکم ارتداد اور کفر ہی ان پر باقی رہے گا۔[1]

اگر مرتد ملّی مطالبۂ توبہ سے قبل پاگل ہو جائے تو قتل نہیں کیا جائے گا لیکن اگر مطالبۂ توبہ اور اس کے انکار کے بعد پاگل ہو جائے تو قتل کیا جائے گا، اسی طرح مرتد فطری اگر پاگل ہو جائے تو بھی قتل کیا جائے گا۔[2]

مرتد باپ اور دادا اپنی بیٹی یا پوتی کا کسی سے نکاح کر دیں تو وہ درست نہ ہو گا کہ ان کی ولایت ارتداد کی وجہ سے اعتبار سے ساقط ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: ولن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا[3] اور اللّٰہ تعالیٰ کافروں کے لئے مومنوں پر غالب آنے کی کوئی راہ ہرگز قرار نہیں دیتا۔

مرتدِ ملّی کا ارتداد سے رجوع

اگر اس نے توحید یا حضور صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوت کا انکار کیا ہو تو اعتراف شہادتین سے اس کا اسلام متحقق ہو جاتا ہے اور اگر اس نے آپؐ کی نبوت کے تمام انسانوں کے لئے ہونے سے انکار کیا ہے تو اس کی توبہ میں ضروری ہے کہ جن باتوں کا اس نے انکار کیا ہے اُن سے رجوع کرے۔[4]

---

[1] مبانی تکملۃ المنہاج، ج اوّل ص ۳۳۴ [2] مبانی تکملۃ المنہاج، ج اوّل ص ۳۳۵، تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۶۲۵، شرائع الاسلام ص ۸

[3] القرآن پ ۵ النساء آیہ ۱۴۱ [4] مبانی ج اوّل ص ۳۳۶، شرائع ص ۱۸۵

اگر کوئی مرتد فطری یا ملّی کسی مسلمان کو عمداً قتل کر ڈالے تو ولیِ مقتول کو اس کا فوراً قتل کرنا جائز ہوگا ہاں اگر ولیّ اس کو معاف کر دے یا اس سے مال لے کر صلح کر لے تو یہ مرتد، مرتد ہونے کی حیثیت سے قتل کیا جائے گا[1]

اگر کوئی شخص مرتد ملّی کو اس کی توبہ کے بعد قتل کر دے تو اگر اس کو یہ یقین تھا کہ وہ ارتداد پر باقی ہے تو اس کا قصاص نہیں ہے لیکن قاتل کے ذمّے اس کی دیت ہوگی[2]

ارتداد سے متعلق کچھ احادیث

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ارتداد سے متعلق چند احادیث پیش کر دی جائیں۔ ان احادیث کی طرف ہمیں رہنمائی جناب آیۃ اللہ العظمیٰ سرکار السیّد ابوالقاسم الخوئی کی "مبانی تکملۃ المنہاج" اور جناب شیخ الفقہاء الشیخ محمد حسن النجفی کی "جواہر الکلام" سے حاصل ہوئی ہے۔

مرتد فطری کے متعلق احادیث عن محمد بن مسلم قال سئلت أبا جعفر علیہ السلام عن المرتد فقال من رغب عن الاسلام وکفر بما انزل علیٰ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بعد اسلامہ فلا توبۃ لہ وقد وجب

---

[1] مبانی تکملۃ المنہاج، ج اوّل صـ ۳۳۶، تحریر الوسیلہ ج ۲ صـ ۶۲۵

[2] مبانی تکملۃ المنہاج، ج اوّل صـ ۳۳۶، تحریر الوسیلہ ج ۲ صـ ۶۲۵

فتقله وبانت منه امرأته ويقسم ماترك على ولده [۱]

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے مرتد کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ: جو اسلام سے پھر جائے اور جو حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے اس کا انکار کر دے تو اس کی توبہ نہیں ہے اور اس کا قتل واجب ہے۔ بیوی اس کی جدا ہو جائے گی اور جو کچھ اس نے ترکہ چھوڑا ہے وہ اس کی اولاد پر تقسیم کر دیا جائے گا۔

عن عمّار الساباطی قال: سمعت اباعبد الله علیه السلام یقول: کل مسلم بین المسلمین ارتد عن الاسلام وجحد محمّداً صلّی الله علیه وآله وسلّم نبوته وکذبه فانّ دمه مباح لمن سمع ذلك منه وامرأته بائنة منه یوم ارتد ویقسم ماله علی ورثته وتعتد امرأته عدة المتوفی عنها زوجها وعلی الامام ان یقتله ولا یستتیبه [۲]

عمار ساباطی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ مسلمانوں میں سے جو مسلمان بھی اسلام سے پھر جائے اور حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کر دے اور آپ کی تکذیب کرے تو اس کا خون ہر اس شخص کے لئے مباح ہے جو اس کی زبان سے یہ باتیں سنے اور اس کی بیوی اس کے ارتداد کے دن ہی اس سے جدا ہو جائے گی اور اس کا مال اس کے وارثوں پر تقسیم کر دیا جائے گا اور

---

[۱] تہذیب الاحکام ج ۱۰ صـ۱۳۶، وسائل الشیعہ ج ۱۸ صـ۵۴۴، فروع کافی ج ۷ صـ۲۵۶

[۲] تہذیب الاحکام ج ۱۰ صـ۱۳۶ فروع کافی جلد ۷ صـ۲۵۷، وسائل الشیعہ ج ۱۸ صـ۵۴۵

اس کی بیوی عدۃ وفات رکھے گی اور امام کا فرض ہے کہ اس مرتد کو قتل کر دے اور اس سے توبہ کے لئے نہ کہے۔

عن الحسین بن سعید قال: قرأت بخطّ رجل إلی ابی الحسن الرضا علیہ السلام رجل ولد علی الاسلام ثم کفر و اشرك وخرج عن الاسلام هل یستتاب؟ أو یقتل ولا یستتاب؟ فکتب علیہ السلام یقتل[1]

حسین بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کی تحریر جو امام رضا علیہ السّلام کی خدمت میں بھیجی گئی تھی پڑھی اور وہ تحریر یہ تھی کہ ایک شخص مسلمان پیدا ہوا پھر کافر ہو گیا اس نے شرک اختیار کر لیا اور اسلام سے خارج ہو گیا کیا اس سے توبہ کرائی جائے گی یا اس کو قتل کر دیا جائے گا اور توبہ نہیں کرائی جائے گی ... ؟؟ تو امام علیہ السّلام نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اس کو قتل کیا جائے گا۔

مرتدِ ملّی کے متعلق احادیث

عن علی بن جعفر عن اخیہ علیہ السّلام فی حدیث قال قلت: فنصرانی اسلم ثم ارتد؟ قال یستتاب فان رجع والّا قتل[2] علی بن جعفر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی (امام موسیٰ کاظم علیہ السلام) سے پوچھا کہ اگر ایک عیسائی مسلمان ہو کر

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صـ ۵۴۶، تہذیب الاسلام ج ۱۰ صـ ۱۳۹

[2] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صـ ۵۴۷، فروع کافی ج ۷ صـ ۲۵۷، تہذیب الاحکام ج ۱۰ صـ ۱۳۸، ۱۳۹

پھر مرتد ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ آپؑ نے فرمایا: اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر وہ توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

عن أبي جعفر و أبي عبد الله علیهم السلام۔ فی المرتد یستتاب فان تاب والا قتل[1] امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادق علیہما السلام نے مرتد ملی کے متعلق فرمایا ہے کہ اُن سے توبہ کے لئے کہا جائیگا اور اگر توبہ کر لے تو قبول کی جائے گی ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال امیر المؤمنین علیہ السلام: المرتد عن الاسلام تعزل عنه امرأته ولا تو کل ذبیحته ویستتاب ثلاثه ایام فان تاب والا قتل یوم الرابع[2] جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ مرتد سے اس کی بیوی جدا کر دی جائے گی اور اس کا ذبیحہ نہیں کیا جائے گا اور اس سے تین دن کے اندر اندر توبہ کے لئے کہا جائے گا۔ اگر توبہ کر لے تو قبول کر لی جائے گی والا چوتھے روز قتل کر دیا جائے گا۔

عن أبي عبد الله علیه السلام قال، أُوتي امیر المؤمنین علیه السلام برجل من بنی ثعلبة قد تنصّر

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۵۴۷

[2] وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۵۴۸، تہذیب الاحکام ج ۱۰ ص ۱۳۸ فروع کافی ج ۷ ص ۲۵۸

بعد اسلامه فتشهدوا عليه فقال له امیر المؤمنین علیه السلام ما یقول هؤلاء الشهود فقال صدقوا وانا ارجع الی الاسلام فقال اما انک لو کذبت الشهود لضربت عنقک وقد قبلت منک فلا تعد فانک ان رجعت لم اقبل منک رجوعاً بعده[1] امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام کے پاس بنی ثعلبہ کا ایک شخص لایا گیا جو مسلمان ہونے کے بعد عیسائی ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اس کے خلاف گواہیاں دیں تو جناب امیر علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ یہ گواہ کیا کہتے ہیں؟ اس نے عرض کیا درست کہتے ہیں لیکن میں اسلام کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ آپؑ نے فرمایا کہ اگر تو گواہوں کو جھٹلاتا تو میں تیری گردن مار دیتا اور اب میں نے تیرا اسلام قبول کیا تو پھر ایسی حرکت نہ کرنا اس لئے کہ اگر تو نے اسلام ترک کیا تو اس کے بعد میں تیری اسلام کی طرف واپسی قبول نہ کروں گا۔

مرتد عورت کے متعلق

عن ابی عبد اللہ فی المرتدۃ عن الاسلام قال لا تقتل وتستخدم خدمۃ شدیدۃ وتمنع الطعام والشراب الا ما یمسک نفسها وتلبس خشن الثیاب وتضرب علی الصلوات[2]

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صـ ۵۴۷ تا ۵۴۸، فروع کافی ج ۷ صـ ۲۵۷ تہذیب الاحکام ج ۱۰ صـ ۱۳۵ [2] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صـ ۵۴۹ تہذیب الاحکام ج ۱۰ صـ ۱۴۳

امام جعفر صادق علیہ السلام نے مرتد عورت کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ قتل تو نہیں کی جائے گی لیکن اس سے سخت محنت کے کام لئے جائیں گے اور اس کو کھانا پینا صرف اتنا دیا جائے گا کہ اس کی جان بچی رہے اور اس کو موٹا جھوٹا لباس پہنایا جائے گا اور اوقات نماز میں اس کو مارا پیٹا جائے گا۔

عن علی علیہ السلام قال: اذا ارتدت المرأة عن الاسلام لم تقتل ولكن تحبس ابداً [۱] جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب مسلمان عورت مرتد ہو جائے تو وہ قتل نہیں کی جائے گی بلکہ ہمیشہ کے لئے قید کر دی جائے گی۔"

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال: المرتد يستتاب فان تاب والا قتل، والمرأة تستتاب فان تابت والا حبست في السجن واضرّ بها [۲] اور مرتد مرد سے توبہ کے لئے کہا جائیگا اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور مرتد عورت سے بھی توبہ کے لئے کہا جائے گا اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے قید میں ڈال دیا جائے گا اور اسے تکلیف پہنچائی جائے گی "

عن أبي جعفر وأبي عبد اللہ علیہما السلام في المرتد: يستتاب فان تاب والا قتل والمرأة اذا ارتدت عن الاسلام استيتبت فان تابت والا خلدت

---

[۱] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صـ۵۴۹ ، تہذیب الاحکام ج ۱۰ صـ۱۴۳

[۲] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صـ۵۵۰ تہذیب الاحکام ج ۱۰ صـ۱۴۴

فی السجن و ضیق علیہا فی حبسہا[1] امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مرتد ملی سے توبہ کے لئے کہا جائیگا اگر توبہ کرے تو قبول کی جائے گی ورنہ قتل کیا جائے گا۔ اور اگر عورت اسلام سے پھر جائے تو اس سے بھی توبہ کے لئے کہا جائے گا۔ اگر توبہ کرلے تو ٹھیک ورنہ ہمیشہ کے لئے قید خانے میں ڈال دی جائے گی اور قید خانے میں اس پر تنگی کی جائے گی۔

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۵۵۰، فروع کافی ج ۷ صہ ۲۵۶

شراب خانہ خراب

یقینی طور پر کچھ نہیں معلوم کہ شراب انسانی معاشروں میں کب سے رائج ہے تاہم دنیا کی تقریباً ہر قوم شراب سے لطف اندوز ہوتی رہی ہے۔ اس تعلق میں غریب اور امیر کا بھی کوئی امتیاز نہ تھا غریب معمولی شرابوں پر گذارہ کرتے تھے اور دولت مند قیمتی شرابیں پیا کرتے تھے خصوصاً بادشاہوں اور ان کے درباریوں کا تو یہ مرغوب مشروب تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھی قیدیوں کے تذکرے میں ذکر کیا گیا ہے۔ ودخل معہ السجن فتیٰن ط قال احدھما انی ارانی اعصر خمراً ج وقال الآخر انی ارانی احمل فوق راسی خبزاً تاکل الطیر منہ ط نبئنا بتاویلہ ج انا نراک من المحسنین ۵ اور جناب یوسف کے ساتھ قید خانے میں دو جوان داخل ہوئے اُن میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتے ہوئے دیکھا ہے اور دوسرے نے کہا میں نے اپنے تئیں یہ دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اس میں سے کھاتے ہیں۔ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے یقیناً ہم آپ کو نیکو کاروں میں دیکھتے ہیں جناب یوسف نے انھیں کچھ وعظ و نصیحت کرنے کے بعد فرمایا :-

---

۵ القرآن پ ۱۲ یوسف آیہ ۳۶

یٰصاحبی السجن اما احدکما فیسقی ربہ خمراً ج واما الآخر فیصلب فتاکل الطیر من راسہ ط قضی الامر الذی فیہ تستفتین ⓘ لہ اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک اپنے مالک کو شراب پلائے گا اور رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا بھیجا کھائیں گے۔ وہ معاملہ جس کے بارے میں تم دریافت کر رہے تھے طے کر دیا گیا ہے"

موجودہ دور میں بھی غیر مسلم ممالک میں شراب کا عام رواج ہے اور اس پر کوئی قدغن اور پابندی نہیں ہے امریکہ اور برطانیہ وغیرہ یورپی ممالک نے طبی، معاشرتی اور معاشی وجوہ کی بنا پر شراب خوری کی مخالفت میں مختلف تنظیمیں قائم کیں اور تحریکیں چلائیں لیکن نتیجہ ڈھاک کے تین پات، تاہم اس طریق کار سے اتنا تو معلوم ہوا کہ عقلاء، اور دانشور، اطبا اور ڈاکٹر شراب کو صحت عامہ اور اخلاق انسانی کے لئے مضر اور نقصان رساں سمجھتے ہیں۔

ظہور اسلام کے وقت جزیرۂ عرب میں بھی شراب کی ریل پیل تھی۔ چند شرفاء اور عقلاء کے علاوہ کوئی اس سے محفوظ نہ تھا بڑی بڑی قد آور شخصیتیں شغل مے نوشی میں لگی رہتی تھیں۔ عربوں میں کھجور، انگور، گیہوں، جو، جوار اور شہد سے یا دو یا زیادہ چیزوں کو ملا کر شراب بنانے کا عام رواج تھا۔ شراب کے خام مواد کی نسبت سے اس کے نام بھی مختلف تھے۔ مثلاً فقاع (جو کی شراب) نبیذ (کھجور یا انگور کی شراب) نقیع (کشمش سے بنی ہوئی شراب) بتع (شہد

لہ القرآن پ ۱۲ یوسف آیۃ ۴۱

کی شراب) مزر (جو یا گیہوں یا مکئی کی شراب) فضیخ (کھجور کی شراب) وغیرہ

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ دینِ خدا میں شراب ہمیشہ حرام رہی ہے۔ خواہ اس دین کو جناب ابراہیم لائے ہوں یا جناب موسیٰ یا جناب عیسیٰ علیہم السلام، تاہم یہودی اور نصاریٰ شراب کے (مجوسیوں اور دیگر بے دینوں سے) کم عاشق نہ تھے۔ اسلام نے جس طرح سے اور مٹے ہوئے سننِ انبیاء کو زندہ کیا اسی طرح قانونِ حرمت شراب کا احیاء فرمایا۔ لیکن چونکہ عرب بری طرح شراب کے رسیا تھے اس لئے اعلان حرمت شراب میں تدریجی طریقہ اختیار کیا گیا۔ یہ خیال کہ ابتدائے اسلام میں شراب جائز تھی حقائق کو مسخ کرنا ہے۔ تدریجی اعلان حرمت کو سند جواز سمجھنا عقل کے ساتھ تمسخر ہے۔ اعلان حرمت میں تدریج تو صرف اس لئے رکھی گئی کہ عرب معاشرہ بے طرح اور بری طرح شراب خوری کے دلدل میں دھنسا ہوا تھا، اس کو آہستہ آہستہ ہی اس خباثت کے دائرے سے باہر نکالنا مناسب تھا۔ اسی لئے قرآن کریم میں مختلف آیات میں حکم حرمت شراب کو نازل اور واضح کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات سے لوگوں میں احساس تقویٰ پیدا ہونے لگا تھا اور وہ خود محسوس کرنے لگے تھے کہ شراب اور جوئے ایسی چیزیں مناسب نہیں ہیں۔ تاہم حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انھوں نے ان دو چیزوں کے بارے میں سوال کیا جس کو قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: یسئلونک عن

الخمر والمیسرہ قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما[1] لوگ آپ سے شراب اور جوئے کی بابت پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے"

تاریخ کہتی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد بہت سے اصحاب کرامؓ نے شراب چھوڑ دی اور کچھ شوق فرماتے رہے، ایک روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے یہاں کچھ صحابہ مدعو تھے۔ بعد طعام دور شراب چلا، ابھی یہ لوگ نشہ میں جھوم ہی رہے تھے کہ نماز مغرب کا وقت آگیا۔ خود جناب عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز جماعت پڑھائی۔ سورہ کافرون پڑھنا شروع کی تو نشہ کی شدّت میں سارے سورے سے لفظ "لا" کو نظر کر دیا۔ مثلاً لا اعبد ما تعبدون کو اعبد ما تعبدون پڑھ دیا، سورے کے معنی کچھ سے کچھ ہو گئے۔ اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی: یاایہا الذین آمنوا لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون[2] اے ایمان والو نماز کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم جو زبان سے کہتے ہو اسے سمجھنے لگو۔ ظاہر ہے کہ اوقات نماز میں شراب خوری ختم ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا ہوگا کہ صرف نماز عشاء کے بعد "اہل سرور" محفل جماتے ہوں گے ..... ؟ اس کے خاتمے کے لئے

---

[1] القرآن ۲ البقرہ آیہ ۲۱۹ [2] القرآن ۵ النساء آیہ ۴۳

یہ واضح حکم آگیا: یاایّہا الذین آمنوا انّما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلّکم تفلحون ○ انّما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضآء فی الخمر والمیسر ویصدّکم عن ذکر اللّٰہ وعن الصّلٰوۃ ج فھل انتم منتھون [1] اے ایمان لانے والو یقیناً یہ شراب، جوا، بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں، شیطان کی کارستانیاں ہیں۔ سو ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ، یقیناً شیطان چاہتا ہے کہ تم میں شراب اور جوئے کے ذریعے عداوت اور بغض کی تخم ریزی کرے اور تمہیں خدا کی یاد سے روک دے اور نماز سے۔ تو کیا تم باز آنے والے ہو...؟

جناب سیّد مرتضیٰ علم الہدیٰ نے قل انّما حرّم ربّی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق [2] (کہدیجئے اے رسول کہ یقیناً میرے پروردگار نے بے حیاؤں کو وہ کھلی ہوئی ہوں یا چھپی اور اثم اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام قرار دیا ہے) سے شراب کی حرمت پر استدلال کیا ہے اس میں لفظ اثم شراب کے معنی میں ہے۔ شاعر کے زیر نظر شعر کو سند کے طور پر پیش کیا ہے۔

شربت الاثم حتی ضل عقلی
کذاک الاثم لیفعل بالعقول

---

[1] القرآن پ المائدہ آیہ ۹۰-۹۱ [2] القرآن پ الاعراف آیہ ۳۲

میں نے شراب پی یہاں تک کہ میری عقل بھٹک گئی اور شراب تو عقلوں کے ساتھ یہی سلوک کرتی ہے۔ [1]

نصِ قرآن کریم، فتوائے عقل اور مسلسل مشاہدہ کی روشنی میں یہ حقیقت تسلیم کی جانی چاہیئے کہ شراب خوری باہمی بغض و عناد گالم گلوچ اور لڑائی جھگڑوں کو جنم دیتی ہے۔ ہفوات و خرافات اور ہذیان و تعلّی اس کا اثر ہوا کرتے ہیں۔ بظاہر مہذب لوگوں کی محفل شراب بھی خرافات کا مجموعہ بن جاتی ہے۔ جسٹس پیر کرم شاہ نے اس قسم کی ایک محفل کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے "ایک محفل میں جس کا اہتمام عتبان بن مالک نے کیا تھا جام شراب گردش میں تھا۔ حاضرین کو خمار چڑھنا شروع ہوا تو لگے اپنے اپنے قبیلے کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے۔ کسی صاحب نے انصار کی ہجو میں شعر کہہ دیا۔ اس انصاری نے ان کے سر پہ اونٹ کے جبڑے کی ہڈی دے ماری اور سر پھوڑ دیا۔" [2]

اخلاقی اور مالی دیوالیہ پن بھی مے خواری کے ثمرات میں سے ہے۔ ہر قوم اور ملت شراب کی برائیوں کو جانتی اور سمجھتی ہے اور اس میں آشفتہ لوگوں کی حالتِ زار کا مشاہدہ کرتی رہتی ہے لیکن وعظ و نصیحت کے علاوہ کسی قوم و ملّت نے شراب خوری کو قابل سزا جرم قرار نہیں دیا ہے۔ اسلام وہ واحد دین ہے جس نے شراب کی حرمت کے واضح اعلان کے ساتھ ساتھ اس کے پینے والوں کو

---

[1] منہج الصادقین ج اوّل صـ ۵۰۰ [2] ضیاء القرآن ج اوّل صـ ۱۴۹

مستوجب سزا قرار دیا۔

لفظ "خمر" کی ذیل میں ہر نشہ آور چیز کو حرام بتایا گیا ہے، اگر وہ نشہ آور چیز بہنے والی ہے تو وہ نجس بھی ہے، کپڑے، ہاتھ، منہ یا جہاں بھی وہ لگ جائے گی وہ سب چیزیں نجس ہو جائیں گی۔ مے نوشی پہ دنیاوی سزا کے علاوہ عذاب آخرت کی تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں اور یہ سب اس لئے کیا گیا ہے کہ مسلمان شراب خوری سے باز رہیں۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر فرمایا ہے "الخمر ام الخبائث" شراب ام الخبائث ہے اور یہ بھی فرمایا ہے۔ جمع الشر فی بیت وجعل مفتاحه شرب الخمر "شر ایک گھر میں جمع کر دیا گیا ہے اور اس کی کنجی شراب خوری ہے یعنی جو شراب پیئے وہ بہت سی شرارتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا ہے: الخمر جماع الاثم وام الخبائث ومفتاح الشر، شراب گناہوں کا مجموعہ ہے خباثتوں کی جڑ ہے اور شر کی کنجی [1]

شراب اور ایمان ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: لا یجتمع الخمر والایمان فی جوف او قلب رجل ابداً "[2] کسی انسان کے پیٹ یا دل میں شراب اور ایمان اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ اس حقیقت

---

[1] جامع الاخبار صد ۱۳۱ [2] جامع الاخبار صد ۱۳۳، تفسیر منہج الصادقین ج ۳ صد ۳۰۳

کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے:
"من شرب الخمر خرج من الایمان"[1] جس نے شراب پی وہ ایمان سے خارج ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ جب مسلمان شراب پیئے گا تو یہ حکم خدا سے کھلی ہوئی بغاوت ہوگی۔ شرع اسلام کی توہین ہوگی تو ایسے شخص کا ایمان سے کیا تعلق رہ سکتا ہے۔

شراب خواری بت پرستی ہے

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے

شارب الخمر کعابد الوثن[2] شرابی صنم پرست کی طرح ہے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام نے گناہان کبیرہ کی تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا ہے: وشرب الخمر لان اللہ عزوجل نھی عنہا کما نھیٰ عن عبادۃ الاوثان[3] شراب پینا بھی گناہ کبیرہ ہے اس لئے کہ خداوند عزوجل نے مے خواری سے اسی طرح منع فرمایا ہے جس طرح بتوں کی پوجا پاٹ سے۔

یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جب مسلمان شراب پیتا ہے تو حکم خدا کو بے قیمت قرار دے کر نظری کر دیتا ہے اور اپنے نفس کی فرمائش کی تعمیل کرتا ہے۔ اور اس طرح پتھر وغیرہ کے نہ سہی اپنے نفس کے بت کی پوجا پاٹ کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ "أرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ"[4] اے رسول!

---

[1] اصول کافی ج ۲ صفحہ ۲۷۸
[2] جامع الاخبار صفحہ ۱۴۳، تفسیر منہج الصادقین ج ۳ صفحہ ۳۰۳
[3] اصول کافی ج ۲ صفحہ ۲۷۸
[4] القرآن پ ۱۹ الفرقان آیہ ۴۳

کیا آپؐ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش ہی کو اپنا معبود قرار دے لیا ہے تو شراب خوار خدا کے حکم کے مقابلے میں اپنے نفس کی فرمائش کی اطاعت کرتا ہے۔ یعنی اسے اپنا بت بنا لیتا ہے اور اس طرح بت پرست بن جاتا ہے۔

شرابی کے بائیکاٹ کا حکم

کسی بھی مرتکب جرم سے معاشرتی تعلق قطع کر لینا

اس کے ارتکاب جرم میں بہت بڑی رکاوٹ بن سکتا ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: لا تجالسوا مع شارب الخمر ولا تعودوا مرضاهم ولا تشيعوا جنائزهم ولا تصلوا على اموا تهم فانهم كلاب اهل النار كما قال الله عزوجل اخسئوا فيها ولا تكلمون[1] اور شرابی کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھو، ان کے بیماروں کی عیادت نہ کرو، ان کے جنازوں کے ساتھ نہ چلو، ان کے مردوں پر نماز نہ پڑھو اس لئے کہ یہ دوزخیوں کے کتے ہیں جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے "تم دوزخ میں پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اور بات نہ کرو" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے:

الا من اطعم شارب الخمر بلقمة من الطعام أو شربة من الماء سلط الله فى قبره حيات وعقارب طول اسنانها مائة وعشر ذراع واطعمه الله من صديد جهنم يوم القيامة ومن قضى حاجته فانما قتل

---

[1] جامع الاخبار ص ۱۳۱

الف مؤمن أو هدم الكعبة الف مرّة ومن سلّم عليه الاوّل فعليه لعنة سبعين ملك لعن الله شارب الخمر وعامره وساقيها وحاملها والمحمول اليها ؎ یاد رہے کہ جو شخص شرابی کو کھانے کا ایک لقمہ یا پانی کا ایک گھونٹ دے گا تو خداوند عالم اس کی قبر میں سانپوں اور بچھوؤں کو جن کے دانت ایک سو دس ہاتھ کے ہوں گے مسلط کر دے گا اور قیامت کے دن اللہ اسے اہل جہنم کی پیپ اور کچا ہوا سے کھانے پینے کو دے گا اور جس کسی نے شرابی کی کوئی ضرورت پوری کی تو اس نے گویا ایک ہزار مومنوں کو قتل کر دیا۔ یا کعبہ کو ایک ہزار بار ڈھا دیا اور جو کوئی شرابی سے ابتدا بہ سلام کرے تو اس پر ستّر فرشتوں کی لعنت ہوتی ہے۔ اللہ نے لعنت کی ہے اس کے پینے والے، اس کے نچوڑنے والے، پلانے والے، اٹھانے والے اور اس پر جس کی طرف سے یہ جائے۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:
سلّموا على اليهود والنصارىٰ ولا تسلّموا على شارب الخمر وان يسلّم عليكم فلا تردّوا جوابه نیز فرمایا مجاورة اليهود والنصارىٰ خير من مجاورة شارب الخمر لا تصادقوا شارب الخمر فان مصادقته ندامة ؎ شرابی سے سلام کرنے سے تو بہتر ہے کہ تم یہود و نصاریٰ سے علیک سلیک کر لو اور اگر شرابی تم کو سلام کرے تو اس کا جواب نہ دو

؎ جامع الاخبار ص ۱۳۱ ؎ جامع الاخبار ص ۱۳۲

شرابی کی نزدیکی سے یہودیوں اور عیسائیوں کا اژدس پڑوس بہتر ہے اور شرابی سے دوستی نہ کرو کیوں کہ اس سے یارانے میں سوائے ندامت کے اور کچھ نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ من سلّم علیٰ شارب الخمر أو عانقه أو صافحه احبط الله علیه عمله اربعین سنة [۱] جو شخص مے خوار کو سلام کرے یا اس سے گلے ملے یا اس سے ہاتھ ملائے تو اس کے چالیس برس کے عمل خیر برباد ہو جاتے ہیں۔ امّ المومنین جناب عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ: من اطعم شارب الخمر لقمة سلّط الله علیٰ جسده حیّة وعقرباً ومن قضیٰ حاجته فقد اعان علی هدم الاسلام و من اقرضه فقد اعان علیٰ قتل مؤمن ومن جالسه حشره الله یوم القیامة اعمیٰ لاحجة له ومن شرب الخمر فلا تزوّجوه وان مرض فلا تعودوه فوالذی بعثنی بالحق نبیّاً انه ماشرب الخمر الاملعون فی التوراة والانجیل و القرآن [۲] جس نے شرابی کو ایک لقمہ کھلایا اس کے بدن پر اللہ سانپ اور بچھو مسلط کر دے گا اور جس نے اس کی کوئی حاجت پوری کی تو اس نے عمارت اسلام کے ڈھا دینے میں مدد کی اور جس نے اس کو قرض دیا اس نے قتل مؤمن میں تعاون کیا اور جو اس کے ساتھ نشست و برخاست رکھتا ہے خداوند عالم اس کو قیامت کے دن

---

[۱] جامع الاخبار صد ۱۳۲ [۲] جامع الاخبار صد ۱۳۲-۱۳۳

اندھا محشور کرے گا اور اس کی کوئی حجت نہ چلے گی اور جو شراب پئے اس کے ساتھ شادی نہ کرو اور بیمار ہو جائے تو عیادت نہ کرو۔ اس خدا کی قسم جس نے مجھے برحق نبی مبعوث فرمایا ہے جو بھی شراب پیتا ہے وہ توراۃ، انجیل اور قرآن میں ملعون ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا ہے: شارب الخمر اذا مرض فلا تعودوہ واذا مات فلا تشھدوہ واذا شھد فلا تزکوہ واذا خطب الیکم فلا تزوّجوہ فانّہ من زوّج ابنتہ شارب الخمر فکانّما قادھا الی الزنی[1] شرابی بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت نہ کرو۔ مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت نہ کرو۔ گواہی دے تو قبول نہ کرو۔ اگر شادی کا پیغام دے تو رشتہ نہ دو۔ اس لئے کہ جو اپنی بیٹی شرابی کو بیاہتا ہے تو گویا وہ اسے زنی کے لئے مجبور کرتا ہے"

شراب کی تجارت

جس طرح شراب کا پینا جرم ہے اسی طرح شراب کا بنانا، اسے رکھنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، خریدنا اور بیچنا سب حرام ہیں اس لئے کہ یہ تمام کام قرآن کریم کی آیت ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[2] (سرکشی اور گناہ کی باتوں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو) کی ذیل میں آتے ہیں۔ اس آیت کے علاوہ خود حرمت شراب کی آیتوں نے مسکرات کے تعلق میں خصوصاً شراب سے متعلق ہر تعاون کو حرام اور اس کا ارتکاب گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ حضور سرور کائنات

---

[1] جامع الاخبار صد ۱۳۲
[2] القرآن المائدہ آیہ ۲

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے شراب خوری کے نتیجہ میں عذاب آخرت بیان کرتے ہوئے ایک طویل حدیث میں فرمایا ہے: اَلا وشاربها وساقيها وعاصرها ومعتصرها وبائعها ومبتاعها وحاملها والمحمول اليه وآكل ثمنها سواء في عارها واثمها[1] بے شک شراب پینے والا، پلانے والا، نچوڑنے والا، جس کے لئے نچوڑی جائے، بیچنے والا، خریدنے والا، اٹھانے والا، جس کے پاس لے جائی جائے اور اس کی قیمت کھانے والا یہ سب شراب کی رسوائی اور اس کے گناہ میں برابر ہیں" یعنی جو ذلت اور گناہ شراب کے پینے میں ہے وہی ان سب اعمال کے کرنے میں ہے۔

ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے: لعن الخمر وعاصرها ومعتصرها وبائعها ومشتريها وساقيها وآكل ثمنها وحاملها والمحمول اليه وشاربها[2] اللہ کی لعنت ہے شراب پر، اس کے نچوڑنے والے پر، نچوڑنے میں مدد دینے والے پر، اس کے بیچنے والے پر اس کے خریدنے والے پر، اس کے پلانے والے پر، اس کی کمائی کھانے والے پر، اس کے اُٹھانے والے پر، جس کے لئے لے جائی جائے اس پر اور اس کے پینے والے پر"

اسی طرح سے انگور اور کھجور یا کسی بھی خام مواد کا شراب بنانے والوں کے ہاتھ بیچنا حرام ہے اور اس سے جو آمدنی ہوگی اس کا استعمال بھی حرام ہے اگر وہ کسی نیک کام میں لائی جائے

---

[1] جامع الاخبار صہ ۱۳۲ [2] منہج الصادقین ج ۳ صہ ۳۰

گی تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جناب جابرؓ کہتے ہیں کہ جب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ حدیث بیان فرمائی تو ایک اعرابی کھڑا ہوا۔ اور اس نے کہا یا رسول اللہ میں ایک تاجر ہوں اور میری ساری تجارت شراب کی خرید و فروخت رہی ہے اور اب اس تجارت سے میرے پاس بہت مال اکٹھا ہو گیا ہے اگر میں اسے کسی امر خیر میں صرف کروں تو کیا مجھے فائدہ پہنچے گا۔ تو آپؐ نے فرمایا: لو انفقته فی حج او جہاد لم یعدل عند اللہ جناح بعوضة ان اللہ لا یقبل الا الطیب[1] اگر تو اس سارے مال کو (دیگر امور خیر تو کیا) حج اور جہاد میں بھی خرچ کرے تو خدا کے نزدیک وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا کہ خداوند عالم پاک اور پاکیزہ شے کو ہی قبول فرماتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے ان الخمر رأس کل اثم و مفتاح کل شر وقال ان اللہ جعل للشر اقفالا وجعل مفاتیحھا الشراب وقال ما عصی اللہ بشیٔ اشد من شرب المسکر ان احدھم لیدع الصلاۃ الفریضۃ ویثب علی امہ واختہ وابنتہ وھو لا یعقل وقال انہ اشر من ترک الصلاۃ لانہ یصیر فی حال لا یعرف معھا ربہ وقال لا یغفر اللہ فی شھر رمضان لکل احد الا الثلاثہ صاحب مسکر او صاحب شاھین او مشاحن[2] شراب ہر گناہ

---

[1] تفسیر صافی البقرہ ص۲۳۴

کی بنیاد ہے اور ہر فتنہ و شر کی کنجی ہے۔ خداوند عالم نے شر پر تالے لگا دیئے ہیں اور ان کی کنجی شراب کو قرار دیا ہے۔ کوئی شخص نشہ آور چیز کے پینے سے زیادہ بڑا گناہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ شرابی نماز واجب کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور جنسی ہیجان میں ماں بہن اور بیٹی کی بھی پروا نہیں کرتا اور وہ یہ سمجھتا ہی نہیں کہ کیا کر رہا ہے۔ شراب پینا ترک صلاۃ سے بہت زیادہ بُرا ہے اس لئے کہ شرابی کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اپنے رب ہی کو نہیں پہچانتا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رمضان میں تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے مگر تین قسم کے لوگوں کو نہیں بخشتا ۱۔ شرابی ۲۔ جواری اور ۳۔ چغل خوری اور بدعتوں کے سہارے ملّت اسلامیہ میں انتشار و افتراق کی تخم ریزی کرنے والے کو۔

مے خواری اور عذابِ آخرت

شراب خواری پر عذاب آخرت کے تعلق میں احادیث

معصومین علیہم السّلام کا خاصا ذخیرہ موجود ہے اس میں سے چند حدیثیں نذر قارئین ہیں کہ شاید کوئی ان احادیث کو پڑھ کر شراب ترک کردے اور مجھ گناہ گار کو کچھ ثواب مل جائے۔ جناب سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من مات سکراناً عاین ملک الموت سکراناً ودخل القبر سکراناً ولیوقف بین یدی اللّٰہ سکراناً فیقول اللّٰہ عزوجل لہ مالک؟ فیقول انا سکران! فیقول اللّٰہ بھذا امرتک؟ اذھبوا بہ الی سکران "فیذھب بہ الی جبل فی وسط جہنم فیا

عین تجری مدۃ و دماء لایکون طعامہ وشرابہ الاّ منہا[1]

جو نشے میں مست مرتا ہے وہ مستی میں ملک الموت کو دیکھتا ہے۔ قبر میں بھی مست داخل ہوتا ہے۔ بارگاہ الٰہی میں بھی مست کھڑا ہوگا۔ تو خداوندِ عالم اس سے فرمائے گا تجھے کیا ہو گیا۔۔۔۔؟ وہ کہے گا میں نشے میں ہوں۔۔۔!! اللہ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تجھے اس بات کا حکم دیا تھا۔۔؟ فرشتو! اسے "سکران" کی طرف لے جاؤ!! چنانچہ وہ اسے جہنم کے بیچ میں سکران امی پہاڑ پر لے جائیں گے مگر جس میں سے ایک کچلہو اور پیپ کا چشمہ جاری ہے، اس بدمست کا کھانا اور پینا اسی کچلہو اور پیپ سے ہوگا۔"

دوسری حدیث میں فرمایا ہے: اذا کان یوم القیامۃ یخرج من جہنم جنس من عقرب رأسہ فی السماء السابعۃ وذنبہ إلی تحت الثریٰ وفمہ من المشرق إلی المغرب۔۔۔!! فقال أین من حارب اللہ ورسولہ ثم ھبط جبرئیل علیہ السلام فقال یا عقرب من ترید؟ فقال ارید خمسۃ نفر تارک الصلوٰۃ ومانع الزکوٰۃ وآکل الربا وشارب الخمر وقوماً یحدثون فی المسجد حدیث الدنیا[2]

قیامت کے دن جہنم سے ایک خاص بچھو نکلے گا جس کا سر ساتویں آسمان میں ہوگا۔ دُم تحت الثریٰ تک ہوگی اور منہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوگا۔ تو وہ کہے گا کہاں ہے اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرنے والا؟ اس موقع پر جبرئیل آئیں گے اور پوچھیں گے اے عقرب

---

[1] جامع الاخبار صہ ۱۳۱

[2] جامع الاخبار صہ ۱۳۱

تو کسے چاہتا ہے ۔۔۔۔؟ وہ کہے گا میں پانچ نفوس کو چاہتا ہوں ۔ نماز ترک کرنیوالا ، زکوٰۃ نہ دینے والا ، سود خور ، شرابی اور وہ لوگ جو مسجد میں دنیا کے قصے لے بیٹھتے تھے ۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے والذی بعثنی بالحق من شرب شربۃ من مسکر لم تقبل صلاتہ اربعین یوماً ولیلۃ وان تاب ، تاب اللہ علیہ ومن شربہ شربتین لم یقبل اللہ تعالیٰ صلاتہ ثمانین یوماً ولیلۃ ومن شرب منہا ثلاث شربات لم یقبل اللہ صلاتہ مائۃ وعشرون یوماً ولیلۃ وکان حقاً علی اللہ تعالیٰ أن یسقیہ من ردعۃ الخبال !! قیل وما ھی یارسول اللہ قال صدید اھل النار وقیحہم [1] جس خدا نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اس کی قسم ہے کہ جو کوئی نشہ آور چیز کا ایک گھونٹ پی لے تو چالیس دن اور رات اس کی نماز قبول نہ ہوگی ۔ ہاں اگر وہ توبہ کر لے تو اللہ توبہ قبول فرمالے گا اور جس نے دو گھونٹ پی لئے تو اللہ اس کی اسی رات اور دن کی نماز قبول نہ کرے گا اور جس نے تین گھونٹ پی لئے تو اللہ اس کی ایک سو بیس دن اور رات کی نمازیں قبول نہیں فرمائے گا ، اور اللہ کا یہ حق ہے کہ اسے "ردعۃ الخبال" پلائے ۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ردعۃ الخبال کیا ہے تو آپ نے فرمایا : یہ اہل جہنم کی پیپ اور کچلھو ہے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے : والذی بعثنی بالحق نبیاً ان شارب الخمر یجیئ یوم القیامۃ مسوّدۃ وجہہ ازرقا عیناہ قالصاً شفتاہ ویسیل لعابہ علی قدمیہ

---

[1] جامع الاخبار صد ۱۳۰ ، منہج الصادقین ج ۱ ص ۱۰۰

یقذ دمن سراٰہ ۱؎ "قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے برحق نبی مبعوث فرمایا ہے شرابی جب قیامت کے دن آئے گا تو اس کا چہرہ سیاہ ہوگا، آنکھیں کرنجی ہوں گی، ہونٹ اوپر نیچے کھنچے ہوئے ہولٹے اور اس کا لعاب دہن اس کے قدموں تک بہہ رہا ہوگا اور جو بھی اسے دیکھے گا اسے گھن آئے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں بھی فرمایا ہے۔ من شرب الخمر مساءً اصبح مشرکاً ومن شرب صباحاً امسیٰ مشرکاً وما اسکر الکثیر فقلیلہ حرام ۲؎ جو شخص شام کو شراب پیتا ہے وہ صبح کو مشرک ہوتا ہے اور جو صبح کو شراب پیتا ہے وہ شام کو مشرک ہوتا ہے اور جو شئ زیادہ نشہ پیدا کرتی ہے اس کا تھوڑا بھی حرام ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر شراب خور مسلمان صبح شام شراب پئے گا اور توبہ نہ کرے گا تو قیامت میں شرک کی سزا کا مستحق ہوگا۔ اس لئے کہ شراب خور کا نشہ میں یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ نہ خدا کو پہچانتا ہے نہ رسول کو، نہ حرام کو دیکھتا ہے نہ حلال کو، شرابیوں کو خوفناک قسم کی خرافات میں مبتلا دیکھا جاتا رہا ہے۔ شراب کے خلاف عقل کے فیصلے اور [illegible]یف وتہدید رسالت پناہی کے باوجود اور قرآن میں حرمت شراب کے بار بار اعلان کے باوصف بھی کوئی بدنصیب شراب کو منہ لگائے گا تو یقیناً وہ شرعی سزا کا مستحق ہوگا جو اسی کوڑے ہے۔

۱؎ جامع الاخبار صفحہ ۱۴۰ ۲؎ جامع الاخبار صفحہ ۱۴۰

سزا سے متعلقہ تفاصیل پیش کرنے سے امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کا شراب کی خباثت و دنائت کے تعلق میں ایک خصوصی ارشاد اہل ایمان و اسلام کی توجہ کا مستحق ہے۔ آپ نے فرمایا "لو وقعت قطرة من خمر فی بئر فبنیت منارة مکانها لم اؤذن علیها ولو وقعت فی بحر ثم جف ونبت فیه الکلاء لم ارعه[1] اگر کسی کنوئیں میں شراب کا ایک قطرہ گر پڑے (اور مرور ایام سے وہ کنواں ویران ہوجائے) اور اس کنوئیں کی جگہ پر ایک منارہ بنادیا جائے تو میں اس پر اذان نہیں دوں گا۔ اور اگر یہ قطرہ دریا میں گر جائے اور وہ دریا خشک ہوجائے اور وہاں گھاس اگ آئے تو میں اپنے جانوروں کو وہاں نہیں چراؤں گا" حضرت علی علیہ السلام جس مقام کمال تقویٰ پر فائز تھے اس عظمت کی وجہ سے شراب کی خباثت و نجاست سے بعد کا اس طرح اظہار کرنا انہی کی شان کے لائق ہے۔ تاہم اگر مسلمان کے دل و دماغ میں تھوڑا سا بھی دین و ایمان کا سرمایہ موجود ہے تو وہ جناب امیر علیہ السلام کے اس ارشاد کی روشنی میں "ام الخبائث" بہمہ وجوہ، بہمہ جہت دوری اختیار کرسکتا ہے۔

غیر مسلم اور شراب

غیر مسلم اقوام میں سے اگر کسی کے مذہب میں شراب جائز ہو تو چونکہ اسلام کسی مذہب میں مداخلت روا نہیں رکھتا اس لئے ان کی شراب نوشی پر بھی قدغن نہیں لگائی جاسکتی لیکن وہ اپنے گھروں یا خانقاہوں میں پی سکتے ہیں کھلم کھلا پینے پر ان کو بھی مسلمانوں کی طرح حد لگائی

---

[1] منہج الصادقین ج اوّل ص۵۰۰

جائے گی اس لئے کہ سرعام پینے سے بعض مسلمانوں کو تشویق مے نوشی اور تحریک مے خواری ہوسکتی ہے۔ عن ابی بصیر قال کان امیرالمؤمنین علی علیہ السلام یجلد الحر والعبد والیہودی والنصرانی فی الخمر والنبیذ ثمانین قلت: مابال الیہودی والنصرانی فقال اذا اظہر واذلک فی مصر من الامصار لانہم لیس لہم ان یظہر واشربہا[1] ابو بصیر سے روایت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام آزاد، غلام، یہودی اور نصرانی کو شراب اور نبیذ خواری کی سزا میں اسی کوڑے مارا کرتے تھے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا یہودی اور نصرانی کا کیا معاملہ ہے (کہ وہ تو غیر مسلم ہیں)؟ تو آپؑ نے فرمایا جب وہ کسی شہر میں ظاہر بظاہر شراب نوشی کریں (تو سزا دینا ضروری ہے) اس لئے کہ ان کو کھلم کھلا شراب نوشی کی اجازت نہیں ہے"

دوسری حدیث میں اس سے زیادہ وضاحت فرمائی گئی ہے: کان علی علیہ السلام یضرب فی الخمر والنبیذ ثمانین، الحر والعبد، والیہودی والنصرانی، قلت وما شان الیہودی والنصرانی قال لیس لہم ان یظہر واشربہ یکون ذلک فی بیوتہم[2] حضرت علی علیہ السلام شراب اور نبیذ پینے والے کو خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، یہودی ہو یا نصرانی اسی کوڑے مارا کرتے تھے۔ میں نے کہا یہودی اور نصرانی کا کیا معاملہ ہے ...؟

---

[1] تہذیب الاحکام ج ۱۰ صہ ۹۱، وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۴۷۱، فروع کافی ج ۷ صہ ۲۱۵ [2] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۴۷۱ فروع کافی ج ۷ صہ ۲۱۵، تہذیب الاحکام ج ۱۰ صہ ۹۱

آپؑ نے فرمایا ان کو کھلم کھلا شراب پینے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ شراب خواری وہ اپنے گھروں میں کر سکتے ہیں "

اس سے بھی زیادہ وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے

عن محمد بن قیس عن ابی جعفر علیہ السلام قال قضیٰ امیر المؤمنین علیہ السلام ان یجلد الیہودی والنصرانی فی الخمر والنبیذ المسکر ثمانین جلدۃ اذا اظہروا شربہ فی مصر من امصار المسلمین وکذلک المجوس ولم یعرض لہم اذا شربوھا فی منازلہم وکنائسہم حتی یصیر بین المسلمین[1]

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب امیر علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا کہ یہودی اور عیسائی کو شراب اور نبیذ مسکر پینے کی سزا کے طور پر اسی کوڑے مارے جائیں جبکہ وہ مسلمانوں کے کسی شہر میں کھلم کھلا پئیں اور یہی مجوسیوں کا حکم ہے اور نتیجتاً تمام غیر مسلموں کا) اور جب وہ اپنی خانقاہوں اور گھروں میں پیتے تو آپؑ ان سے تعرض نہ کرتے تھے"

حکومتِ پاکستان کی طرف سے استعمال شراب کے پرمٹ دیئے جاتے ہیں ۔۔ !! اس تعلق میں حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ چند باتوں کا سختی کے ساتھ خیال رکھے ۔

ا۔ شراب کے لئے غیر مسلم درخواست گذار جس مذہب کا پابند ہے اس مذہب کے پیشواؤں سے تحریری طور پر دریافت کیا جائے کہ ان کے یہاں مذہباً شراب جائز ہے یا نہیں ۔۔ ؟ اگر یہ مذہبی رہنما اپنے مذہب میں شراب کو ناجائز قرار دیدیں

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۴۷۲، تہذیب الاحکام ج ۱۰ صہ ۹۳

تو اس مذہب کے ماننے والے درخواست گذار کی درخواست کو مسترد کردینا چاہیئے۔

۲۔ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ شراب کا پرمٹ مانگنے والا شراب کی خریداری کے لئے مناسب مالی وسائل بھی رکھتا ہے ۔ ۔ ؟ اگر کسی شخص کے مالی وسائل خرید شراب کے لئے کافی نہ ہوں تو اس کو ہرگز پرمٹ نہ دیا جائے کہ وہ پرمٹ صرف مسلمان مے خواروں کے کام آئے گا اور اس طرح سے ایک چور دروازہ ملتِ اسلامیہ کے جرائم پیشہ افراد کے لئے کھلا رہے گا۔

۳۔ اس سلسلہ میں اس بات کو بھی یقینی بنایا جائے کہ پرمٹ ہولڈر نے خود استعمال کیا ہے۔ اس کو فروخت نہیں کیا ہے۔ اگر وہ فروخت کردے تو ہمیشہ کے لئے اس کا پرمٹ منسوخ کر دیا جائے۔

۴۔ بڑی احتیاط کے ساتھ یہ بھی دیکھا جائے کہ کوئی غیر مسلم اپنے گھر اور خانقاہ کے علاوہ کسی پبلک جگہ یعنی دکان، ہوٹل اور طعام خانہ وغیرہ میں تو نہیں پی رہا ہے اس لئے کہ اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو بھی کھلے بندوں شراب پینے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے اور اس طریق کار سے یقیناً دوسرے لوگوں خصوصاً مسلمانوں کو تشویق شراب نوشی کا خطرہ ہے۔ جو غیر مسلم پبلک مقامات پر شراب پیئں ان پر حد شراب بھی جاری کی جائے اور ہمیشہ کے لئے ان کا پرمٹ منسوخ کر دیا جائے۔ اس طرح غیر مسلموں میں بھی شراب نوشی کے رجحان میں کمی آجائے گی اور آہستہ آہستہ اس لعنت سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

۵۔ اگر ملک میں کوئی شراب سازی کا کارخانہ یا کوئی چھوٹی موٹی فیکٹری قائم ہے تو اسے فوراً بند کر دینا چاہیئے۔ اس لئے کہ شراب سازی بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح اس کا پینا یا بیچنا۔

۶۔ کسی مسلمان کو شراب درآمد کرنے کی اجازت نہ دی جائے کہ یہ بھی قطعاً حرام ہے ہاں اگر غیر مسلم شراب درآمد کرنا چاہیں تو شدید ترین حفاظتی اقدامات کے ساتھ ان کو اجازت دی جا سکتی ہے یعنی یہ کہ وہ شراب کو کسی پبلک مقام پر نہ رکھیں، مسلمان کے ہاتھ تو بیچنے کا سوال ہی نہیں ہے غیر مسلموں کو بھی پرمٹ کے باوجود کھلم کھلا فروخت نہ کریں۔

شراب خواری کے لئے مے خواروں کے حیلے بہانے

شراب خواری کا مشغلہ اختیار کرنے کے لئے رنگا رنگ حیلے اختیار کئے جاتے ہیں جن کے شیطانی وسوسوں سے زیادہ قیمت نہیں ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں حرمت شراب کے تکمیلی اعلان کے بعد بھی کچھ حضرات رکیک تاویلات کے سہارے مے خواری کا حوصلہ کر ڈالتے تھے اسی طرح کے ایک صاحب حضرت قدامہ بن منظعون رضؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لائے گئے تو موصوف نے قرآن کی اس آیت کا سہارا لیا۔ لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا [1] جو لوگ ایمان لا چکے اور نیک اعمال بجا لائے تو انھوں نے جو کچھ کھا لیا اس پر انھیں کوئی گناہ نہیں

---

[1] القرآن پ۷ المائدہ آیہ ۹۳

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا اس آیت سے کیا تعلق ؟ اس آیت کے اہل تو کوئی حرام چیز کھا ہی نہیں سکتے ۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے عبداللہ سنان نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے
الحد فی الخمر ان شرب منه قلیلا او کثیراً قال : ثم قال أُوتی عمرؓ بقدامة بن مظعون وقد شرب الخمر وقامت علیه البینة فسأل علیاً علیه السلام فأمره أن یجلده ثمانین فقال قدامه : یا امیرالمومنین لیس علی حدّ أنا من اهل هذه الآیه "لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا " فقال علی علیه السلام لست من اهلها انّ طعام اهلها لهم حلال لیس یأکلون ولا یشربون الّا ما احلّه الله لهم ثم قال علی علیه السلام انّ الشارب اذا شرب لم یدر ما یأکل ولا ما یشرب فا جلدوه ثمانین جلده [1] امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ شراب خواہ تھوڑی پی جائے یا زیادہ اس میں بہرحال "حد" ہے ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جناب قدامہ بن مظعون کو ان کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ انھوں نے شراب پی تھی اور ان کے خلاف گواہیاں ہو چکی تھیں ۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا تو آپ نے فرمایا، اس کے اسی کوڑے لگائے جائیں ۔ جناب قدامہ نے کہا : مجھ پر حد نہیں ہے ۔ میں اس

---

[1] فروع کافی ج ۷ صہ ۲۱۵ تا ۲۱۶ ، تہذیب الاحکام ج ۱۰ صہ ۹۳ تا ۹۴
وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۴۶۷

آیت کا اہل ہوں "جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ جو کچھ کھائیں پئیں کچھ گناہ نہیں" حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا: تم اس آیت کے اہل نہیں ہو: اس آیت کے اہل لوگوں کا کھانا تو ان کے لئے حلال ہوتا ہے وہ جو کچھ اللہ نے ان کے لئے حلال کر دیا ہے اس کے علاوہ کچھ کھاتے پیتے نہیں ہیں۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ جب شرابی شراب پی لیتا ہے تو پھر وہ نہیں سمجھتا کہ کیا کھا رہا ہے اور کیا پی رہا ہے۔۔۔؟ لہٰذا اس کے اسی کوڑے لگا دو"

ماہِ رمضان میں شراب پینے پر سزا میں اضافہ

عن ابی مریم قال: اُوتی امیر المؤمنین علیہ السلام بالنجاشی الحارثی الشاعر، وقد شرب الخمر فی شہر رمضان فضربہ ثمانین جلدۃ ثم حبسہ لیلۃ ثم دعی بہ من الغد فضربہ عشرین۔ فقال لہ: یا امیر المؤمنین ھذا ضربتنی ثمانین فی شرب الخمر وھذہ العشرین ماھی؟؟ فقال ھذا لتجرّئک علی شرب الخمر فی شہر رمضان [1] جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں نجاشی شاعر لایا گیا جس نے ماہ رمضان میں شراب پی تھی آپ نے اس کو اسی کوڑے لگائے پھر رات کو اسے قید میں رکھا، پھر دوسرے دن اسے طلب کیا اور اس کو مزید بیس کوڑے مارے۔ اس نے کہا امیر المومنین

---

[1] تہذیب الاحکام ج ۸ صہ ۹۴ ، فروع کافی ج ۷ صہ ۲۱۶ ، وسائل ج ۱۸ صہ ۴۷۴

مے خواری کے جرم میں آپ نے اسی کوڑے لگا تو دیئے تھے یہ بیس کوڑے کس جرم میں ہیں ؟؟ آپؑ نے فرمایا یہ اس لئے ہیں کہ تو نے ماہ رمضان میں شراب پینے کی جرأت کی ہے اور یہی حکم ہے محترم مقامات یا ایام میں شراب خواری کا کچھ تعزیری سزا بھی حد کے ساتھ دی جائے گی تاکہ لوگ یہ احمقانہ جرأت نہ کر پائیں !!

اگر کوئی حرمت شراب کے حکم سے ناواقف ہو تو اسے سزا نہیں دی جائے گی۔ تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ اگر کسی مسلمان کو حرمت شراب کا علم نہ ہو جو بظاہر حالات ہمارے زمانے میں ناممکن ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ دنیا کے کسی کونے گوشے میں کوئی اس حکم سے بے خبر ہو تو ایسے شخص کو شراب نوشی پر سزائے شرعی نہیں دی جائے گی جیسا کہ زیر نظر واقع سے ظاہر ہوتا ہے عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال: شرب رجل الخمر علی عہد أبی بکرؓ فرفع إلی ابی بکرؓ فقال لہ أشربت خمراً؟ قال نعم، قال ولم؟ وھی محرّمۃ .. !! قال فقال لہ الرّجل انی اسلمت وحسن اسلامی ومنزلی بین ظھرانی قوم یشربون الخمر ویستحلون ولم علمت انھا حرام اجتنبتھا فالتفت أبوبکرؓ الی عمرؓ فقال ماتقول فی أمر ھذا الرجل فقال عمرؓ: معضلۃ ولیس لھا ابوالحسنؑ فقال ابوبکر ادع لنا علیاً؏ فقال عمرؓ یؤتی الحکم فی بیتہ فقام والرجل معھما ومن حضرھما من الناس أتوا امیرالمؤمنین علیہ السلام فاخبراہ لقصّۃ

الرجل وقص الرجل قصته فقال ابعثوا به معه من يدور به على مجالس المهاجرين والانصار من كان تلا عليه آية التحريم فليشهد عليه، ففعلوا ذلك به فلم يشهد عليه احد بانه قرأ عليه آية التحريم، فخلى سبيله فقال له: ان شربت بعدها أقمنا عليك الحد [۱] جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر کے دور حکومت میں شراب پی لی، یہ مقدمہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے آیا تو اس شخص سے پوچھا کیا تو نے شراب پی ہے؟ اس نے کہا ہاں، انھوں نے کہا کیوں جب کہ وہ حرام ہے؟؟ اس شخص نے کہا میں مسلمان ہوں اور میرا اسلام از روئے عقیدہ و عمل بہت خوب ہے، میرا گھر ایسے لوگوں کے علاقے میں ہے جو شراب پیتے اور اسے حلال جانتے ہیں، اگر مجھے شراب کی حرمت کا پتہ ہوتا تو میں اس سے پرہیز کرتا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں ...؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ ایک مشکل مسئلہ ہے اور اسے ابوالحسن یعنی حضرت علی علیہ السلام ہی حل کر سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ حضرت علیؑ کو بلا لو! تو انھوں نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ جناب سے ان کے گھر پر ہی فیصلہ حاصل کیا جائے، چنانچہ یہ دونوں بزرگ کھڑے ہو گئے، ملزم بھی ساتھ ہوا اور دوسرے حضرات بھی جو وہاں موجود تھے۔ یہ لوگ امیر المومنین علیہ السلام

---

[۱] وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۴۷۵، فروع کافی ج ۷ ص ۲۱۶ تا ۲۱۷، تہذیب الاحکام ج ۱۰ ص ۹۴

کے پاس پہونچے اور ان دونوں بزرگوں نے حضرتؑ کو قصہ سنایا اور اس شخص نے خود بھی واقعہ بیان کیا آپؑ نے فرمایا اس شخص کے ساتھ ایک آدمی بھیجو جو اسے مہاجرین و انصار کی مجالس میں لے جائے اور کہے کہ جس شخص نے بھی اس کے سامنے آیۂ تحریم خمر پڑھی ہے وہ اس پر گواہی دے، لوگ اسے مہاجرین و انصار کے پاس لے گئے مگر ایک شخص نے بھی یہ گواہی نہیں دی کہ آیۂ تحریم اس کو سنائی گئی ہے، آپ نے اسے آزاد کر دیا اور فرمایا اگر آئندہ شراب پیو گے تو ہم تم پر حد جاری کر دیں گے"

شراب خواری کی سزا

سابق میں عرض کیا گیا ہے کہ مے خواری کی سزا اسّی کوڑے ہے اور یہی سزا کسی پاک دامن پر اتہام لگانے کی بھی ہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے اس سلسلے میں فرمایا ہے عن زرارۃ عن أبی جعفر علیہ السلام قال قال انّ علیاً علیہ السلام کان یقول انّ الرجل اذا شرب الخمر سکر واذا سکر ھذیٰ واذا ھذیٰ افتریٰ فاجلدوہ حدّ المفتری [1] زرارہؓ جناب امام محمدؑ باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص شراب پیتا ہے تو مست ہو جاتا ہے اور جب مست ہو جاتا ہے تو خرافات

---

[1] تہذیب الاحکام ج ۱۰ صہ ۹۰، فروع کافی ج ۷ صہ ۲۱۵، وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۴۶۷

بکنے لگتا ہے اور خرافات، اتہام طرازی کی شکل اختیار کر لیتی ہیں لہٰذا ایسے شخص کو مفتری کی حد (اسی کوڑے) لگاؤ۔

شراب کم پی جائے یا زیادہ، بہرحال مجرم کو اسی کوڑوں کا مستحق بنا دیتی ہے، عن اسحاق بن عمار قال سئلت اباعبد اللہ علیہ السلام عن رجل شرب حسوۃ خمر قال یجلد ثمانین جلدۃ قلیلہا وکثیرہا حرام[1] اسحاق بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص تھوڑی سی شراب پی لے تو (کیا حکم ہے)؟؟! تو آپؑ نے فرمایا اس کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے کہ شراب تھوڑی ہو یا بہت سب حرام ہے۔"

ظہور اسلام کے وقت عربوں میں بھی شراب کے متعدد نام اور مختلف قسمیں تھیں، موجودہ نام نہاد مہذب اور متمدن دنیا میں تو شراب کے ناموں اور قسموں کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں ہے بعض بدفطرت نام کا پردہ اختیار کر کے شراب خواری کرتے ہیں۔ یہ سب قابل حد ہیں یعنی شراب کسی رنگ، کسی شکل اور کسی مقدار میں بھی پی جائے گی تو شرعی سزا یعنی اسی کوڑے متعین ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا گیا ہے، عن أبي صباح الكناني عن أبي عبد الله علیه السلام قال: كل مسكر من الأشربة يجب فيه كما يجب

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۴۶۵، فروع کافی ج ۷، صہ ۲۱۴ تہذیب الاحکام ج ۱۰ صہ ۹۱

فی الخمر من الحد ۔ ہر نشہ آور مشروب (پینے والے) پر وہی شرعی سزا واجب ہے جو خمر (پینے والے) پر ہے" عن عمرو بن یزید قال سمعت ابا عبد اللہ یقول فی کتاب علی علیہ السلام یضرب شارب الخمر وشارب المسکر قلت کم؟ قال حدھما واحد[2]

عمرو بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت علی علیہ السلام کی کتاب میں موجود ہے کہ آپ خمر پینے والے اور کوئی بھی نشہ آور چیز پینے والے کو کوڑے لگایا کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا کتنے؟؟ تو آپ نے فرمایا "دونوں کی حد یکساں ہے"

بہرحال اسلام نے تمام کاسہارا لے کر جرم کرنے والوں کا راستہ بھی بند کر دیا ہے اور واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ جو مسکر یعنی نشہ آور ہے وہ تھوڑی ہے یا بہت، مجرم کو شرعی سزا کا مستحق بنا دیتی ہے اور وہ ہے اسی کوڑے"

ایک تاریخی حقیقت

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرض کر دیا جائے کہ حرمت شراب کے اعلان میں تدریج رکھی گئی ہے۔ ایک حد تک اس کی سزا میں بھی تدریج کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور ایک دم اسی کوڑے سزا نہیں مقرر کی گئی بلکہ حرمت شراب کے ابتدائی زمانے میں مے خواروں کو جوتوں سے مارا جاتا تھا

---

[1] تہذیب الاحکام ج ۱۰ صہ ۸۹، فروع کافی ج ۷ صہ ۲۱۶، وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۴۷۳ [2] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۴۷۴، تہذیب الاحکام ج ۱۰ صہ ۹۰، فروع کافی ج ۷ صہ ۲۱۶

شروع میں چند بار جوتے لگائے جاتے تھے لیکن اس میں اضافہ کیا جاتا رہا مگر اس وقت کے رنگین مزاج مسلمان مے خواری سے باز نہ آئے۔ اور جوتے کھا کر اس میں کچھ اضافہ ہی ہو گیا اور مے پرستوں نے اسے کپڑوں کی گرد جھاڑنے والا عمل سمجھا اور شراب خواری میں زیادتی پیدا ہوتی گئی اس صورت حال میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مشروب مسکر پینے کی سزا اسی کوڑے معین فرمادی حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں صحابہ کرامؓ میں یہ بحث چلی تھی کہ مے خواری کی حد کیا ہے تو حضرت علیؑ کے ارشاد کے مطابق حضرت عمرؓ سمیت تمام صحابہؓ نے یہی طے کر دیا کہ مے خواری کی سزا اسی کوڑے ہی ہے اور پھر کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے عن أبي بصير عن أبي عبد اللہ علیہ السلام قال: قلت لہ کیف کان یجلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الخمر قال فقال: کان یضرب بالنعال ویزید کلما أوتی بالشارب ثم لم یزل الناس یزیدون حتی وقف ذلک علی ثمانین أشار بذلک علی علیہ السلام علی عمرؓ فرضی بہ[1]

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مے خواری کی سزا میں کس طرح کوڑے لگایا کرتے تھے ؟؟ تو آپؑ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

---

[1] تہذیب الاحکام ج ۱۰ صد ۹۱ ، فروع کافی ج ۷ صد ۲۱۴ ، وسائل الشیعہ ج ۱۸ صد ۴۶۶

ابتدا میں جوتے مارا کرتے تھے اور جب کوئی شرابی آتا تو اس میں اضافہ فرما دیا کرتے لیکن لوگ برابر شراب خواری میں آگے بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کوڑے مقرر فرما دیئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت عمرؓ کو یہی مشورہ دیا اور انھوں نے اس سے اتفاق کر لیا۔

دوسری حدیث میں بھی یہی افادہ فرمایا گیا ہے: عن الحلبی عن أبي عبد الله علیہ السلام قال قلت له: أرأيت النبي صلى الله علیه وآله وسلم كيف كان يضرب في الخمر قال كان يضرب بالنعال ويزداد اذا أُتي بالشارب ثم لم يزل الناس يزيدون حتى وقف ذلك على ثمانين أشار بذلك علي (علیه السلام) على عمر (رضي الله عنه) فرضي بها[1]

حلبی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ یہ فرمایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شراب کے تعلق میں مجرم کی پٹائی کیسے کرتے تھے؟؟ آپؑ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوتوں سے مارا کرتے تھے اور ہر شرابی کی آمد پر اس میں اضافہ کرتے رہتے تھے لیکن لوگ باز نہیں آتے تھے اور شراب خواری میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سزا اسی تازیانے مقرر کر دی۔ حضرت عمرؓ کے استفسار پر حضرت علی علیہ السلام نے یہی ان کو بتایا اور انھوں نے اس سے اتفاق کیا۔

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صـ ۴۶۷، تہذیب الاحکام ج ۱۰ صـ ۹۱، فروع کافی ج ۷ صـ ۲۱۵

یہ بھی نوٹ کیا جائے کہ ایک شراب کا نام "فقاع" ہے اور یہ بھی دوسری شرابوں کی طرح قطعاً حرام ہے۔ عن محمد بن اسماعیل بن بزیع عن أبی الحسن علیہ السلام قال سألتہ عن الفقاع فقال ھو خمر وفیہ حد شارب الخمر[1] محمد بن اسماعیل نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے فقاع کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: وہ شراب ہے اور اس کے پینے والے کو بھی شرابی کی سزا دی جائے گی۔

عن الحسین القلانسی قال کتبت إلی أبی الحسن الماضی ع اسئلہ عن الفقاع فقال: لاتقربہ انہ من الخمر[2] حسین قلانسی کہتے ہیں کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے لکھ کر فقاع کا حکم دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا اس کے قریب نہ جاؤ یہ شراب ہے عن ابن فضال وابن الجہم عن أبی الحسن علیہ السلام قال اسئلناہ عن الفقاع فقال الخمر وفیہ حد شارب الخمر[3] ابن فضال اور ابن جہم کہتے ہیں کہ ہم نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے "فقاع" کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ شراب ہے اور اس میں مے خواری ہی کی سزا ہے۔

دشمن کی سرزمین میں مے خواری کی سزا میدان جنگ میں

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۴۷۹ ، تہذیب الاحکام ج ۱۰ صہ ۹۸

[2] تہذیب الاحکام ج ۱۰ صہ ۹۸ ، وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۴۸۰

[3] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۴۸۰ ، تہذیب الاحکام ج ۱۰ صہ ۹۸

جانے والے افسر ہوں یا عام سپاہی ان سب کا فریضہ ہے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی گذاریں تاکہ اگر شہادت نصیب ہوجائے تو جنت کے داخلہ میں کوئی دشواری اور مشکل پیش نہ آئے اور اگر زندہ واپس آئیں تو غازی اور مجاہد کہلانے کا استحقاق حاصل ہو جائے۔ تاہم اچھے اور برے لوگ ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ میدان جنگ میں جانے والوں میں سے بعض لوگ ابتدائے ظہور اسلام میں بھی شراب پی لیا کرتے تھے لیکن اس عالم میں ان پر حد قائم نہیں کی جاتی تھی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت علی علیہ السلام کا فرمان اس طرح نقل فرمایا ہے: لا یقام علی احد حدّ بارض العدوّ[1] "دشمن کی زمین میں کسی پر حد قائم نہیں کی جائے گی" اس سلسلہ میں ابو محجن رضؓ کا قصہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا"

ابو محجن رضی اللہ عنہ عہد جاہلیت اور عہد اسلام کے نام آور بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔ اچھے خاصے شاعر بھی تھے لیکن شراب کے اتنے رسیا تھے کہ لوگوں کی طرف سے زجر و توبیخ اور مے خواری کی سزا بھی ان کو اس برائی سے باز نہ رکھ سکی حضرت عمرؓ نے ان کو شراب خواری پر سزا بھی دی لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخرکار انھیں ایک دریائی جزیرے میں جلاوطن کر دیا گیا کہ نہ وہاں شراب ملے گی نہ یہ پئیں گے، حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو ان کی نگرانی کے لئے ساتھ کر دیا تھا، ابو محجن نے اپنے نگران کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اس

---

[1] فروع کافی ج ۷ صفحہ ۲۱۸

نے اس ارادہ کو بھانپ لیا اور بھاگ کر مدینہ حضرت عمرؓ کے پاس آگیا
ادھر ابو محجن اس جزیرے سے بھاگ کر حضرت سعد بن ابی وقاص کے
پاس قادسیہ پہونچ کر جنگ میں شامل ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو حکم بھیجا کہ ابو محجن کو گرفتار کر لو۔ چنانچہ
ان کو قید میں ڈال دیا گیا۔ ادھر قادسیہ میں ایک پادری کے آجانے کی
وجہ سے گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ ابو محجن نے حضرت سعد بن ابی
وقاصؓ کی بیوی سے درخواست کی کہ مجھے قید سے رہا کر دو اور سعد کا
ایک گھوڑا بھی دے دو۔ اگر میں جنگ سے بچ کر واپس آگیا تو وعدہ
کرتا ہوں کہ پھر بدستور قید و بند میں پڑ جاؤں گا اور اگر مارا گیا تو کوئی
باز پرس کی بات نہ ہوگی۔ حضرت سعد کی بیوی نے ابو محجنؓ کی باتوں سے
متاثر ہو کر ان کو آزاد کر دیا اور گھوڑا بھی دے دیا، ابو محجنؓ جنگ قادسیہ
میں شریک ہوئے اور بہادری کے جوہر دکھلائے۔ جنگ میں مسلمانوں
کو فتح حاصل ہوئی تو یہ پھر قید میں آگئے، سعد بن ابی وقاصؓ نے انہیں
کوئی سزا نہیں دی، اس لئے کہ دار الحرب میں تھے۔ تاہم واقعہ نویس
کے مطابق ابو محجنؓ نے سزا نہ ملنے کا بڑا اچھا اثر لیا اور ہمیشہ کے لئے
شراب پینا ترک کر دی [1]

مے خواری کا ثبوت

گذشتہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے
اور مزید وضاحت اور تفصیل کے لئے
عرض کیا جاتا ہے کہ کوئی بھی نشہ آور مشروب، اس کا نام خمر ہو یا فقاع

---

[1] الفقہ علی مذاہب الاربعہ ترجمہ منظور احسن عباسی ج ۵ ص ۷۹ تا ۸۰

یا کچھ اور، اور اس کا خام مواد جس سے وہ تیار کیا جاتا ہے وہ خواہ انگور ہو یا جو یا مکئی، گیہوں، شہد یا گڑ یا کئی چیزوں کا مخلوط ہو، اس کی مقدار تھوڑی ہو یا بہت، اس کو پانی کی طرح پیا جائے یا سالن اور حلوے کی طرح کھایا جائے ہر حالت میں اس کی شرعی سزا اسی کوڑے ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس مسکر مشروب کا پینے یا کھانے والا بالغ، عاقل اور صاحب اختیار ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ یہ چیز حرام ہے اور یہ شراب ہے اس لئے بچے، دیوانے، مجبور اور حکم و موضوع سے یا ان دونوں میں سے کسی ایک سے بے خبر شخص پر حد نافذ نہیں کی جائے گی۔

اگر شراب کسی دوسری چیز میں ملا دی جائے لیکن اس کو شراب ہی کہا جائے، وہ چیز جو ملائی گئی ہے اس میں بالکل فنا ہو جائے یا یہ کہ دوسری چیز میں ملائے جانے کے باوجود وہ نشہ آور رہے تو ان سب صورتوں میں حد لازم ہو گی لیکن اگر شراب کو غذاؤں اور دواؤں میں اس طرح ملا دیا جائے کہ شراب کا وجود ختم ہو جائے اور اس کو شراب کا نام نہ دیا جا سکے اور یہ مخلوط نشہ آور بھی نہ ہو تو جناب آیۃ اللہ العظمیٰ سرکار خوئی اور آیۃ اللہ خمینی کے نزدیک ثبوت حد مشکل ہے اگرچہ اس کا پینا ہر دو حضرات کے نزدیک حرام ہے اس لئے کہ یہ نجس مخلوط ہے۔ چنانچہ اگر کسی بہنے والی چیز میں ایک قطرہ بھی نجاست کا ملا دیا جائے تو وہ نجس ہے اور اس کا پینا حرام ہے لیکن مسکر کی حد کا ثبوت محل تامل اور اشکال ہے آیۃ اللہ العظمیٰ خوئی اور آیۃ اللہ خمینی کے نزدیک، لیکن بعض علماء

اس صورت میں بھی حد کو واجب جانتے ہیں۔

اب اگر کوئی صاحب کیپسول میں ڈال کر شراب نوش جان کرلیں تو اگرچہ اسے پینا نہیں کہا جائے گا، نگلنا کہا جائے گا، یا اس کا سالن پکا کر کھالیں تو کھانا کہا جائے گا دونوں صورتوں میں حد جاری کی جائے گی، کیونکہ مسکر کے پینے کا مطلب اسے حلق کے ذریعے سے پیٹ میں داخل کرتا ہے خواہ اس کو پینا نہ کہا جاسکے [1]

شیرۂ انگور جس میں خود بخود جوشش آجائے یا سورج یا آگ سے ایسا ہوجائے خواہ جھاگ آئے ہوں یا نہ آئے ہوں، اس کا حکم بھی شراب ہی کا حکم ہے مگر یہ کہ جل کے دو تہائی ختم ہوجائے یا سرکہ بن جائے تو وہ شراب کے حکم میں نہ رہے گا، جناب آیۃ اللہ العظمیٰ سرکار السید ابوالحسن الخوئی نے جو افادہ فرمایا ہے وہ یہ ہے: لا یلحق العصیر العنبی قبل ذھاب ثلثیہ بالمسکر فی ایجابہ الحد وان کما شربہ حراماً بلا اشکال [2] انگور کا شیرہ دو حصہ کم ہوجانے سے پہلے مشروب مسکر کے حکم میں نہ ہوگا اس لئے حد واجب نہ ہوگی اگرچہ اس کا پینا بلا اشکال حرام ہے۔

باقی رہ گیا کشمش یا کھجور کا شیرہ تو اس کو مسکر نہیں کہا جائے گا۔ نہ وہ حرام ہے نہ اس پر حد ہے [3]

جناب آیۃ اللہ خمینی دامت ظلالہ، کے فتوے کے مطابق

---

[1] مبانی تکملۃ المنہاج ج اول صفحہ ۲۶۷ تا ۲۷۰ تحریر الوسیلہ ج ۲ صفحہ ۶۰۵

[2] مبانی تکملۃ المنہاج، ج اول صفحہ ۲۷۱

[3] [illegible] ۱۴۸

اگر کوئی شخص اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانے کے لئے یا مرض شدید کے دفیعے کے لئے شراب پینے پر مجبور ہو جائے تو اس پر حد نہیں ہے جیسا کہ فرمایا ہے: لو اضطر الی شرب المسکر لحفظ نفسه عن الهلاك أو من المرض الشديد فشرب ليس عليه الحد [1]

جناب آیۃ الخمینی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص نشہ آور مشروب اس کی حرمت کو جانتے ہوئے پی لے تو اس پر حد واجب ہوگی اگرچہ وہ یہ نہ جانتا ہو کہ اس کا موجب حد ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسے مشروب کو پی لے جس کی حرمت کا اسے علم ہو لیکن اسے نشہ آور نہ سمجھتا ہو بعد میں پتہ چلے کہ وہ نشہ آور ہے تو اس پر حد نافذ نہ ہوگی اور اگر یہ سمجھتا ہو کہ یہ نشہ آور ہے اور خیال یہ ہو کہ حد اس چیز پر عائد ہوتی ہے جو فوری طور پر نشہ کرے اور یہ خیال کر کے تھوڑا سا پی لے تو اس پر حد واجب ہوگی [2]

بہرحال شراب خواری کا ثبوت دو عادل گواہوں کی شہادت یا مجرم کے دو مرتبہ اقرار سے ہوتا ہے۔ اقرار میں بلوغ، عقل، اختیار اور قصد و ارادہ شرط ہیں۔ عورتوں کی شہادت خواہ تنہا ہو یا مردوں کے ساتھ وہ شہادت دیں قابل قبول نہ ہوگی [3]

آیۃ اللہ العظمیٰ سرکار خوئی دامت ظلالہ نے مجرم کے ایک

---

[1] تحریر الوسیلہ ج ۲ صہ ۶۰۹ [2] تحریر الوسیلہ ج ۲ صہ ۶۰۹

[3] تحریر الوسیلہ ج ۲ صہ ۶۰۹، شرائع الاسلام صہ ۱۶۹

دفعہ کے اقرار کو کافی جانتا ہے (اور ایک معروف مقولہ بھی ہے: اقرار العقلاء علیٰ انفسہم مقبول) جیسا کہ آنجناب نے فرمایا ہے:

یثبت شرب المسکر بشہادۃ عدلین و باقرار مرۃ واحدۃ نعم لا یثبت بشہادۃ النساء لا منضمات ولا منفردات [1]

نشہ آور شے کے پینے کا ثبوت دو عادل مردوں کی گواہی یا ایک مرتبہ مجرم کے اقرار سے ہوتا ہے۔ صرف عورتیں شہادت دیں یا مردوں کے ساتھ مل کر، ان کی گواہی موثر نہ ہوگی"

شراب خواری کی سزا کے نفاذ میں مرد، عورت، آزاد غلام، مسلم اور کافر میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی سب کے اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔ البتہ غیر مسلم کو یہ سزا اس وقت دی جائے گی جب وہ کھلم کھلا پیئیں، اگر وہ اپنے گھروں یا خانقاہوں میں پیئیں تو تو حد جاری نہ ہوگی۔

مرد شرابی کو کھڑا کر کے اور سوائے عورتیں کے تمام کپڑے اتار کر اس کی پیٹھ، کاندھوں کے درمیان اور سارے بدن پر ضربیں لگائی جائیں گی اور اس کے چہرے، سر اور آلات خصوصی کو بچایا جائے گا۔

عورت کو بٹھا کر اور اس کے کپڑے اس کے جسم سے باندھ کر سزا دی جائے گی۔ اور یہ سزا شراب کا نشہ اترنے کے بعد دی جائے گی۔ اگر شرابی پاگل یا مرتد ہو جائے تو دونوں حالتوں میں اس

---

[1] مبانی تکملۃ المنہاج، ج اوّل ص ۲۷۲

پر حد جاری کی جائے گی۔[1]

آیتہ اللہ العظمیٰ سرکار خوئی دامت ظلالہٗ نے مرد شرابی کو کُرتا اتار کر صرف دونوں کاندھوں کے درمیان ضربات حد لگانے کا فتویٰ دیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے: یضرب الرجل الشارب للمسکر من خمر أو غیرھا مجرّداً عن الثیاب بین الکتفین اما المرأۃ فتجلد من فوق ثیابھا[2] نشہ آور مشروب پینے والے مرد کو خواہ وہ نشہ آور چیز شراب ہو یا کچھ اور، کپڑے اتار کر کاندھوں کے درمیان ضربات حد لگائی جائیں گی، البتہ عورت کو کپڑوں کے اوپر ہی سے ضربات حد لگائی جائیں گی۔"

مے خواری کی سزا قتل بھی ہے

اگر کسی نشہ آور مشروب کو خواہ وہ خمر ہو یا اور کچھ اور کسی کوئی شخص دو بار پیئے اور ہر دفعہ اس پر حد جاری ہوئی ہو تو تیسری بار اس جرم کے ارتکاب پر قتل کر دیا جائے گا۔ اور جس شخص نے شراب کو حلال سمجھ کر پیا ہو تو آیتہ اللہ العظمیٰ جناب خوئی کے نزدیک اس کے خلاف احکام مرتد جاری ہوں گے اور وہ قتل کر دیا جائے گا جب کہ آیتہ اللہ جناب خمینی کے نزدیک اس مسلمان سے توبہ کرائی جائے گی اور پھر اس پر حد قائم کی جائے گی۔ اور اگر وہ توبہ نہ کرے اور اس کے انکار کا نتیجہ تکذیب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہو تو قتل کیا

---

[1] تحریر الوسیلہ ج ۲ صفحہ ۴۱۰، شرائع الاسلام کتاب الحدود صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰

[2] مبانی تکملۃ المنہاج ج اول صفحہ ۲۴۷

جائے گا۔ تاہم جناب آیۃ اللہ خمینی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کا حکم مرتد کا حکم ہے اس سے توبہ نہیں کرائی جائے گی جب کہ وہ مسلمان پیدا ہوا ہو بغیر توبہ کرائے قتل کر دیا جائے گا اور پہلا حکم زیادہ مناسب ہے۔ محقق حلی رح نے بھی یہی کچھ فرمایا ہے۔ تاہم ان کے نزدیک خمر کے علاوہ دوسرے مسکر مشروبات کو حلال سمجھ کر پینے والا قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے پینے والے پر حد جاری کی جائے گی [1]

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو دونوں ہی قسم کی حدیثیں ملتی ہیں تاہم تیسری دفعہ میں قتل کے متعلق زیادہ احادیث ہیں اور چوتھی بار میں قتل کے متعلق ایک دو حدیثیں ہی ملتی ہیں۔ تیسری دفعہ میں قتل کی سزا کے متعلق احادیث عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فاجلدوہ فان عاد الثالثۃ فاقتلوہ [2]

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "جو شراب پیئے اس کو تازیانے لگاؤ، اگر دوبارہ پیئے تو پھر تازیانے لگاؤ، اگر تیسری دفعہ پیئے تو قتل کر دو"

---

[1] مبانی تکملۃ المنہاج، ج اول صـ ۲۷۴-۲۷۵، تحریر الوسیلہ ج ۲ صـ ۱۶۰ شرائع الاسلام کتاب الحدود صـ ۱۷۰، الشیعہ فی عقائدہم واحکامہم صـ ۲۴۳

[2] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صـ ۴۷۶، تہذیب الاحکام ج ۱۰ صـ ۱۰۰، فروع کافی ج ۷ صـ ۲۱۸

عن ابی بصیر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام
قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إذا أُوتی
بشارب الخمر ضربہ ثم ان أُوتی بہ ثانیۃً ضربہ
ثم ان أُوتی بہ ثالثۃ ضرب عنقہ [1] ابوبصیرؓ کی روایت
کے مطابق امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کوئی شرابی لایا جاتا تھا تو اس پر حد جاری
فرماتے تھے پھر اگر دوبارہ لایا گیا تب بھی تازیانے لگاتے تھے پھر اگر
تیسری بار بھی لایا گیا تو اس کی گردن مار دیتے تھے۔"

من حبۃ العرنی قال قال امیر المؤمنین علی علیہ
السلام علی منبر الکوفۃ: من شرب شربۃ خمر فاجلدوہ
فان عاد فاجلدوہ فان عاد فاقتلوہ [2] حبۃ العرنی کہتے ہیں کہ
جناب امیر علیہ السلام نے منبر کوفہ پر اعلان فرمایا کہ جو شراب کا ایک
گھونٹ بھی پیئے تو اس کے کوڑے لگاؤ، اگر دوبارہ پیئے تو پھر کوڑے
لگاؤ، اگر سہ بارہ پیئے تو قتل کر دو"

عن جمیل بن دراج عن ابی عبد اللہ علیہ السلام
انہ قال فی شارب الخمر اذا شرب ضرب، فان عاد ضرب
فان عاد قتل فی الثالثہ [3] امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۴۷۶ ، تہذیب الاحکام ج ۱۰ صہ ۹۵

[2] تہذیب الاحکام ج ۱۰ صہ ۹۵ ، وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۴۷۸

[3] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صہ ۴۷۷ ، تہذیب الاحکام ج ۱۰ صہ ۹۵

ہے کہ جب کوئی شراب پیئے گا تو اسے تازیانے لگائے جائیں گے اگر پھر پیئے گا تو تازیانے لگائے جائیں گے اور تیسری بار میں قتل کر دیا جائے گا۔"

"عن ابی الحسن الماضی علیہ السلام قال: اصحاب الکبائر کلھا اذا اقیم علیہ الحد مرتین قتلوا فی الثالثہ" [1]

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ تمام گناہان کبیرہ کا ارتکاب کرنے والوں پر اگر دو مرتبہ حد جاری کر دی گئی ہو تو تیسری مرتبہ میں وہ قتل کر دیئے جائیں گے۔"

اور اسی طرح بہت سی احادیث وسائل الشیعہ، تہذیب الاحکام اور فروع کافی میں تیسری بار شراب پینے والے کے قتل کے حکم پر مشتمل موجود ہیں۔

صاحب وسائل الشیعہ نے چوتھی بار میں شرابی کے قتل کے لئے صرف اتنا فرمایا ہے: قال الکلینی وقال جمیل وروی عن بعض اصحابنا انّہ یقتل فی الرابعہ "ہمارے بعض محدثین سے روایت کی گئی ہے کہ شرابی چوتھی بار میں قتل کیا جائے گا" جناب صدوق کے حوالے سے بھی یہی کچھ کہا گیا ہے یعنی وروی عنہ انہ یقتل فی الرابعہ [2] ظاہر ہے کہ کوئی حدیث تو بیان نہیں کی گئی ہے

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۴۷۶، تہذیب الاحکام ج ۱۰ ص ۹۵ تا ۹۶ فروع کافی ج ۷ ص ۲۱۹

[2] وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۴۷۷

نہ راویوں کا نام لیا گیا ہے اس لئے بجا طور پر مجتہدین کرام نے چوتھی بار میں قتل کو لفظ "قیل" کہہ کر بے وزن سمجھا ہے اور آیتہ اللہ العظمیٰ جناب خوئی نے اس کا ذکر ہی نہیں فرمایا ہے۔

اگر کوئی شخص بار بار شراب پیئے اور اس پر کبھی حد جاری نہ کی گئی ہو تو سب شراب خواریوں پر ایک ہی حد جاری کی جائے گی[۱] خمر بیچنے والے سے توبہ کرائی جائے گی اگر وہ توبہ کر لے تو قبول کی جائے گی اور اگر وہ توبہ نہ کرے اور اس کا شراب کی خرید و فروخت کا حلال سمجھنا تکذیب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہونچے تو قتل کیا جائے گا۔ دوسرے مسکرات کا بیچنے والا اگرچہ ان کو حلال سمجھ کر ہی کیوں نہ بیچے اور توبہ نہ کرے تو بھی اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، تاہم ان دونوں صورتوں میں مسکرات کی تجارت کرنے والے کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

اگر ایک گواہ شراب پینے کی گواہی دے اور دوسرا قے کرنے کی گواہی دے تو مجرم پر حد جاری کی جائے گی۔ لیکن اگر اس کے حق میں اکراہ کا احتمال ہو یا شبہ ہو تو حد ثابت نہ ہو سکے گی اور اگر دونوں گواہ قے کرنے کی گواہی دیں تب بھی حد قائم نہیں کی جائے گی[۲]

شرابی کی توبہ اگر مے خوار شہادتوں کے گذرنے سے پہلے

---

[۱] تحریر الوسیلہ ج ۲ صہ ۶۱۰ [۲] تحریر الوسیلہ ج ۲ صہ ۶۱۰، مبانی تکملۃ المنہاج، ج اوّل صہ ۲۷۶

توبہ کرلے تو آیۃ اللہ جناب خمینی کے نزدیک حد ساقط ہو جائے گی لیکن آیۃ اللہ العظمیٰ جناب خوئی کے نزدیک حد ساقط نہیں ہو گی۔ اور اگر شہادتیں گذرنے کے بعد توبہ کرے تو سب کے نزدیک حد نافذ اور جاری ہو گی اور اگر شراب خواری کا ثبوت مے خوار کے اقرار سے ہوا ہے تو امام کو حق حاصل ہے کہ چاہیں تو حد جاری کریں چاہے معاف کر دیں۔ لیکن محقق حلیؒ اور آیۃ اللہ خمینی نے فرمایا ہے کہ احوط یہ ہے کہ حاکم حد نافذ کرے اور یہی بیان ہے صاحب الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم کا[1]

چند ضروری مسائل

جن اشیاء کے حرام ہونے پر ملّت اسلامیہ کا اجماع ہے جیسے مردار، خون سؤر کا گوشت اور سود وغیرہ۔ اگر کوئی شخص ان کو حلال سمجھے تو اگر اس کے والدین دونوں مسلمان رہے ہیں یا ان میں سے ایک مسلمان تھا تو وہ قتل کیا جائے گا بشرطیکہ اس کا ان اشیاء کی حرمت سے انکار تکذیب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور شریعت اسلامیہ کے انکار تک پہنچے اور اگر انکار شریعت اسلامیہ یا تکذیب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نہ پائی جاتی ہو تو بطور تعزیر سزا دی جائے گی اور اگر کسی ایسے شبہ کی وجہ سے انکار کر رہا ہے جو کہ اس کے حق میں درست ہے تو اس کو تعزیری سزا بھی

---

[1] مبانی تکملۃ المنہاج، ج اوّل صہ ۲۷۹، تحریر الوسیلہ ج ۲ صہ ۶۱۱ شرائع الاسلام کتاب الحدود صہ ۱۷۰، ۱۷۱، الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم صہ ۲۲۳

نہیں دی جائے گی۔ لیکن اگر اس کا شبہ رفع کر دیا گیا ہو پھر بھی وہ ان چیزوں کے حرام ہونے سے انکار کرے تو تکذیب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائے گا اور اگر کوئی شخص ایسے حرام کا ارتکاب کرے جس میں شارع علیہ السلام نے حد کے طور پر سزا نہیں دی ہے اگرچہ وہ اس کی حرمت سے واقف ہو اور حلال نہ سمجھتا ہو تو اسے تعزیری سزا دی جائے گی چاہے وہ محرمات گناہان کبیرہ سے ہوں یا صغیرہ سے [۱]

اگر کوئی شخص تعزیری سزا یا حد کے نفاذ کی وجہ سے مارا جائے تو اس کی دیت نہیں ہے۔ اگر حاکم نے بطور حد قتل کی سزا دی اور تکمیل سزا کے بعد گواہوں کا فسق ظاہر ہوا تو اس مقتول کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی، حاکم اور اس کا خاندان ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اور اگر حاکم کسی حاملہ پر حد قائم کرنے کا حکم جاری کرے اور ڈر کے مارے اس عورت کا حمل ساقط ہو جائے تو بچے کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی [۲]

---

[۱] مبانی تکملۃ المنہاج، ج اوّل صـ ۲۴۶، تحریر الوسیلہ ج ۲ صـ ۴۱۱ شرائع الاسلام صـ ۱۷۱، الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم صـ ۲۴۳ تا ۲۴۴

[۲] تحریر الوسیلہ ج ۲ صـ ۴۱۱، شرائع الاسلام کتاب الحدود صـ ۱۷۱

چوری

مسلمانوں کی تاریخ کا یہ پہلو اور زاویہ بڑا دلچسپ، عجیب اور اور حیرت ناک ہے کہ خود مسلمان مفکروں کا ایک گروہ یہ رائے رکھتا ہے کہ مسلمانوں نے سنہ ۱۱ ہجری ہی سے اسلام سے اعراض و انحراف اور فرار و ترمیم کا رویہ اپنا لیا تھا، دوسرے بڑے گروہ کا خیال یہ ہے کہ سنہ ۴۰ ہجری کے بعد اسلام سے اعراض و انحراف کا طوفان مسلمان حلقوں میں برپا ہوگیا۔ "خلافت راشدہ" کی اصطلاح بذاتِ خود اس تصور اور اعتقاد کی آئینہ دار ہے، یعنی "خلافت راشدہ" کے ختم ہوتے ہی "حکومت غیر راشدہ" شروع ہو گئی۔ ہم سنہ ۴۰ھ کے بعد والی حکومتوں کو "حکومت غیر راشدہ یا ملک عضوض" کا نام دے ہی نہیں سکتے تھے۔ اگر اسلام کے ضوابط فکر و عمل میں تغیر و تبدل کی کارفرمائی نہ ہوئی ہوتی۔ یہ گروہ جو مسلمانوں کے اسلام سے انحراف کی ابتدا سنہ ۴۰ ہجری سے شروع ہوتا ہے اس کو یہ مان لینا چاہیئے کہ تغیر کی فطرت حادثاتی نہیں ہوا کرتی، وہ آہستہ آہستہ بڑھتا ہے، اُبھرتا ہے اور زندگی کے ضوابط کو کبھی محسوس اور کبھی غیر محسوس طور پر متاثر کرتا ہے۔ اس لئے یہ ماننا ہی پڑے گا کہ سنہ ۴۰ھ کے بعد مسلمانوں کا اسلام سے اعراض یا فرار اور ترمیم پسندی کا جذبہ خاصا پہلے مسلمانوں کے دل و دماغ میں حرکت کرنے لگ گیا تھا اور عمل میں اس کی نمائش ہونے لگی تھی، ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی فرمائش کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانے کی اور آنے والی نسلوں کے لئے نمونۂ کامل تھے۔ آپ محض ایک واعظ، ایک معلم اخلاق اور پندگو

نہیں تھے جو طلاقت لسانی کے سہارے پند و نصائح کے دریا بہا دیتا ہے بلکہ انہوں نے جو کچھ نوع انسانی کو شرف انسانیت حاصل کرنے کے لئے بتایا اس کو عملی حیثیت سے پیش کیا ہدایت قرآن کا " لِمَ تقولون مالا تفعلون " (جو کچھ تم کرتے نہیں وہ کہتے کیوں ہو؟!) کی شکل میں تقاضا بھی رہی تھا لیکن ہوا کیا کہ ۱۱ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لخت جگر کو بوجوہ اپنے باپ کی وراثت نہ ملی قرآن کریم نے واضح طور پہ فرمایا تھا:

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (۱)

" اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ ایک لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے۔"

اور ۔ للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر نصیبا مفروضا (۲)

" جو کچھ والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں اس میں سے مردوں کے لئے کچھ حصہ ہے، اور جو کچھ ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں اس میں سے عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصہ دینا واجب ہے۔"

قرآن مجید کے ان فرامین کی روشنی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورثا کو ان کا حق ملنا چاہیئے تھا اور اگر ان عمومی احکام سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الگ تھے تو واضح طور پہ آپ کا استثناء ضروری تھا جس طرح سے مہر ادا کرنے کی نیت کے ساتھ نکاح کیے بغیر کسی مسلمان کے لئے آزاد عورت پر تصرف جائز

۱۔ القرآن ۴ النساء آیت ۱۱ ، ۲۔ القرآن ۴ النساء آیت ۷

نہیں ہے لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگر کوئی عورت اپنا نفس ہبہ کر دے تو آپ کے لیے خصوصی اجازت تھی کہ اس سے نکاح کر کے تصرف فرمالیں اور اس خصوصی اجازت کو واضح طور پہ بیان کیا گیا۔

یاایھا النبی انّا احللنا لک ازواجک الّتی اٰتیت اجورھن وما ملکت یمینک ممّا افآء اللّٰہ علیک وبنت عمّک وبنٰت عمّٰتک وبنٰت خالک وبنٰت خالاتک الّتی ھاجرن معک وامرأۃ مؤمنۃ وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا خالصۃً لک من دون المؤمنین (ا)

"اے نبیؐ یقیناً ہم نے آپ کے لئے وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جن کے آپ مہر ادا کر چکے، اور وہ لونڈیاں جن کا مالک آپ کا دایاں ہاتھ ہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر بغیر لڑائی کے لوٹا دیا ہے اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور وہ مومنہ عورت جس نے اپنا نفس نبیؐ کے لئے (بغیر مہر) ہبہ کر دیا، اگر نبیؐ نے ارادہ کر لیا کہ اس سے نکاح کرے۔ یہ حکم مومنوں کو چھوڑ کر خالص تمہارے!"

اس لئے اگر قانون میراث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورثا نے بازگشت کو محرومی سے دوچار ہونا تھا اور قرآن کریم میں کسی وجہ سے اس کا ذکر نہیں کیا گیا تھا تو کم از کم متعلق مسئلہ فرد یا افراد کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بتا جاتے تاریخ

(ا) القرآن پ ۲۲ الاحزاب آیت ۵۰

کی کوئی شہادت ایسی موجود نہیں ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے متوقع میراث پانے والوں کو محرومی کی خبر دے دی ہو۔ بہر حال مسلمانوں نے نصِ قرآن سے منہ موڑ لیا اور اس وقت کے معاشرے میں کوئی غیر معمولی اضطراب برپا نہیں ہوا اور یہ شاید اس وجہ سے کہ مسلمان حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بھی مختلف مواقع پر انحراف کا مظاہرہ کر چکے تھے جیشِ اسامہ کی روانگی کا التواء اس جیش میں بعض مسلمانوں کی عدم شمولیت، کچھ مسلمانوں کا اسامہؓ کی سرداری پر اعتراض اور قضیۂ قرطاس وغیرہ اس طرزِ کار کی بین مثالیں ہیں، اور گویا اس طرح مسلمان انحراف سے مانوس ہو چکا تھا۔

ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی آیاتِ احکام کی وضاحت اور ان کے معنیٰ کا تعین سنّت پیغمبرؐ ہی سے ہو سکتا تھا لیکن حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے وصال کے بعد آپ کی احادیث کی طرف سے بے توجہی برتی گئی۔ جو لوگ اقتدار میں تھے ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ قرآن کریم کو جمع کرنے کے ساتھ ساتھ احادیث پیغمبرؐ کو بھی جمع کرتے لیکن ہوا یہ کہ حکم عام دے دیا گیا کہ پیغمبرؐ کی احادیث کو نہ تو لکھا جائے اور نہ ان میں دلچسپی لی جائے بلکہ اگر کچھ لوگوں کے پاس احادیث کے مجموعوں کا پتہ چل گیا تو ان کو حاصل کر کے ضائع کر دیا گیا اور ایک حدیث سنا دی گئی کہ :

لا تکتبوا عنّی غیر القرآن ومن کتب عنّی غیر القرآن فلیمحہ [۱]

"میری طرف سے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھو اور کوئی قرآن کے علاوہ لکھے اس کو مٹا دو۔"

یعنی حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی حدیث لکھنے کی ممانعت فرما دی تھی گویا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ چاہتے تھے کہ جو کچھ بھی انہوں نے کیا یا سکھایا ہے اس کا کوئی مصدقہ اور باضابطہ ریکارڈ نہ رہے تاکہ لوگوں کو اپنی جولانیٔ طبع کے مظاہرے کا

---

[۱] صحیح مسلم ج ۲ ص

موقع ملتا ہے۔۔۔۔۔!!

۹۹ھ میں حدیث نویسی کی پہل کی گئی۔ اور تقریباً تیسری صدی کے نصف تک حدیث کے بہت سے مجموعے عالم وجود میں آگئے۔ بنی اُمیہ کے دورِ حکومت میں حدیث سازی کے ماہرین بھی مشغول کار نظر آتے ہیں جنہوں نے ہزاروں حدیثیں حکام کی خواہش اور مزاج کے مطابق بناکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کر دیں اور شاید بڑی بنیادی وجہ قرن اول میں احادیث کو جمع نہ کرنے کی یہی ہو سکتی ہے کہ برسرِ اقتدار طبقہ جس طرح چاہے اپنے اعمال اور افعال کی سند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے پیش کر سکے۔

۳۵ھ میں حضرت علی علیہ السلام کو خلیفۃ المسلمین منتخب کیا گیا اور ان کے خلاف فوری طور پر ہولناک بغاوتوں کی آگ بھڑکا دی گئی۔ پہلے خلیفہ راشد زمانے میں جن اصحاب کرامؓ نے صرف زکوٰۃ دینے میں تذبذب کا اظہار کیا وہ واجب القتل قرار پائے اور چوتھے خلیفہ راشد کے خلاف مسلح بغاوت کی گئی تو خطاء اجتہادی کی کرسی بچھادی گئی تاکہ ایک اجر تو مل ہی جائے، یہ یاد نہ رہا کہ "تلاش حق کی نیت کے ساتھ اتفاقاً غلط فیصلہ جس کی غلطی کا کوسوں احساس نہ ہو، خطاء اجتہادی کہلاتا ہے۔" لیکن اسلامی ضوابط سے انحراف تو اکثر مسلمانوں کا جزو زندگی بن چکا تھا۔

۴۰ھ کے بعد ۹۹ھ تک منبروں پر حضرت علی علیہ السلام کے خلاف لعن طعن اور گالی گلوچ کا "فریضہ" انجام دیا گیا، یہ بھی خطاء اجتہادی ہی سمجھی گئی اور سمجھی جاتی ہے ورنہ حدیث رسول :۔ من سبّ علیاً فقد سبّنی[1]

کل بھی موجود تھی اور آج بھی موجود ہے۔ تاریخی مطالعہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ خطاء اجتہادی

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح طبع کراچی ص ۵۶۵ سطر ۱

کا فائدہ صرف ان لوگوں کے لئے رکھا گیا ہے جو اولاد رسول کے خلاف دشنہ و خنجر آزمائیوں میں ورنہ اگر کبھی کسی دوسرے بزرگ کے خلاف کسی صحابی یا تابعی نے، عالم یا عامی نے زبان تنقید کھول تو خطاء اجتہادی کا فائدہ ان کو نہیں دیا گیا بلکہ اس کو دین سے بغاوت قرار دے دیا گیا۔

غرضیکہ جب کہ عرض کیا گیا ۹۹ھ کے بعد جو جس کے جی میں آیا حدیث کے نام سے لکھنے میں مشغول ہو گیا۔ تقریباً ۱۲۰ھ کے بعد فقہ کے مدرسے کھلنا شروع ہوئے اور چار اسکول تیار ہو گئے۔ ان چار اسکولوں میں سے وہ ادارے زیادہ پھلے پھولے جن کو حکومتوں کی سرپرستی حاصل ہو گئی، ان بزرگواروں نے دور از کار قیاسات سے کام لے کر اپنی اپنی رائے کے مطابق دین کا نظام تیار کر دیا اور ان کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا۔۔۔۔۔ یا ان بزرگوں کے لئے قرآن کریم یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی نص ہے کہ بس دین کی تشریح کے یہی حضرات ولی و وارث ہیں کسی دوسرے کو ان کی پیروی کے علاوہ اور کوئی حق نہیں ہے یہ آج تک دنیا کو معلوم نہیں ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت کے صاحبان اقتدار کی اغراض اسی طریق کار سے وابستہ تھیں اسی لئے انہی بزرگوں سے متمسک قاضی و مفتی مقرر کئے گئے اور عوام اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر انہی سے مربوط ہوتے چلے گئے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے کہا ہے کہ جس مذہب کے علماء قاضی اور مفتی ہوئے اور ان کی تصنیفات لوگوں میں مشہور ہو گئیں اور انہوں نے قائم کئے وہ مذہب جو دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گیا اور جس مذہب کے علماء گوشہ نشین رہے اور وہ قاضی اور مفتی نہیں بنائے گئے تو عوام نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور کچھ عرصہ بعد وہ مذہب ختم ہو گیا۔[1] عقل یہ ضرور بتاتی ہے کہ اگر دین میں قیاس اور رائے کی کوئی قیمت ہوتی تو بعثت

---

[1] الامام الصادق والمذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۱۶۷

انبیاء کی ضرورت نہ تھی ترسیل کتب کافی تھی لوگ اپنے قیاس کے مطابق مناسب اور موزوں معنی تجویز کرلیا کرتے۔ اور خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا:

من فسر القرآن برائیہ فلیتبوء مقعدہ علی النار (۱)

"جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا"

ظاہر ہے اگر دین میں قیاس کی گنجائش ہوتی تو تفسیر بالرائے کو جرم عظیم قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ جس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ احساس تھا کہ ان کی امت کے اکثر افراد، قرآن کریم کی تاویل وتوجیہہ اپنی رائے اور قیاس سے کریں گے آپ کو یہ بھی واضح اندازہ تھا کہ حدیث مبارک کے تعلق میں بھی گڑبڑ کی جائے گی اسی لئے آپؐ نے حدیث مبارک کے جانچنے کا معیار خود مقرر فرمادیا تھا:

ماسمعتم منی فاعرضوہ علی القرآن فماخالف القرآن فاضربوہ علی الجدار (۲)

"جو کچھ تم مجھ سے سنو اسے قرآن پر پرکھو لیں جو قرآن کے خلاف ہو اسے دیوار پر دے مارو"

اور یہ معیار ایسا سچا اور درست ہے کہ جس میں کبھی غلطی نہیں ہوسکتی اس لئے کہ قرآن اور حدیث دونوں ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش کئے ہوئے ہیں دونوں میں تضاد اور اختلاف ممکن نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن فہمی کا بہترین ذریعہ بھی بتلادیا تھا:

انی تارث فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ماان تمسکتم بھمالن تضلوا بعدی (۳) "بے شک میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنی عترت اہل بیت، اگر تم نے ان دونوں سے تمسک رکھا تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے"۔

---

(۱) جامع ترمذی مطبع سعیدی ص ۲۵۶ جلد ۲

(۲) صحیح مسلم ص ۲۸۷ جلد ۲ سطر ۲۰ کراچی

قرآن اور اہل بیت دونوں سے تمسک حقیقی اسلام کی پابندی کے لئے ضروری ہے۔ یہ بات بڑی حیران کن ہے کہ شارع اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاکید اکید کے باوجود مسلمانوں نے "اہل بیت" سے وابستگی مناسب نہیں سمجھی اور ہمیشہ دینی مسائل میں غیر اہلبیت سے متمسک رہے.......!!

سطور سابقہ میں مذکور چاروں شارحین دین اسلام سے بدرجہا افضل اور بہتر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام موجود تھے لیکن چونکہ وہ سلسلۂ اہل بیت کی ایک کڑی تھے اس لئے ان کی طرف رجوع نہیں کیا گیا۔ اور اگر آپ کی طرف رجوع کیا جاتا تو آپ اسلام سے فرار و انحراف کی اجازت کب دیتے...... حالانکہ ان چاروں بزرگوں نے اپنی حیثیت کا اعلان کر دیا تھا، حضرت ابوحنیفہ نے فرمایا:

"ھذا اسمائی وھذا احسن ما رائیت فمن جاء برائی غیر ھذا قبلناہ"

"یہ میری رائے ہے اور میرے نزدیک یہ بڑی اچھی رائے ہے لیکن اگر کوئی شخص اس رائے کے خلاف بہتر رائے دے گا تو میں اسے قبول کر لوں گا"

حضرت مالک بن انس فرماتے تھے:

انما انا بشر اصیب واخطی فاعرضوا قولی علی الکتاب والسنۃ۔

"میں تو ایک آدمی ہوں کبھی میں درست رائے دیتا ہوں اور کبھی غلط تو تم میرے قول کو کتاب اور سنت سے پرکھو"

حضرت شافعیؒ کا قول ہے:

اذا صح الحدیث بخلاف قولی فاضربوا بقولی الحائط۔

"جب میرے قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث مل جائے تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو"۔

حضرت احمد بن حنبلؒ کا ارشاد ہے:۔

لا تقلد دینك الرجال فانهم لن یسلموا من ان یغلطوا۔

"اپنے دین میں لوگوں کی تقلید نہ کرو کہ وہ غلطیوں سے محفوظ نہیں ہیں"۔[1]

مذکورہ ارشاداتِ عالیہ کے باوجود فہم دین کا انحصار انہی چار بزرگوں میں کر دینا کسی کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ بہر حال ہمارے اس مختصر سے تبصرہ پر نظر ڈالنے والا یہ محسوس کر سکتا ہے کہ مسلمانوں نے پہلے ہی دن سے اسلام سے انحراف کی پالیسی پر عمل شروع کر دیا تھا اور اس لئے ہم یہ کہنے کی پوزیشن میں ہیں کہ حقیقی اسلام صرف قرآن کریم وحدیث رسولؐ کے ذریعہ ہی مل سکتا ہے اور مطالب قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحیح احادیث صرف اہل بیت رسول علیہم السلام اور ان صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم سے مل سکتی ہیں۔ جنہوں نے اہل بیتؑ سے تمسک رکھا، اور احکام اسلام کو ان سے حاصل کر کے نشر کیا جن کے گھر میں شجر اسلام بار آور ہوا تھا۔ اور یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات میں نہ کسی قسم کا تضاد ہے نہ اختلاف ان کا ہر قول وفعل، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قول و فعل کا انعکاس ہے اور آج تک کوئی شخص اہل بیت علیہم السلام کی تلقینات میں اسلامی تعلیمات سے انحراف کا شائبہ تک نہیں دکھا سکا اور شاید اسی وجہ سے کسی حکومت نے بھی اہل بیت علیہم السلام کی معرفت تعبیر دین و دینیات کو قبول نہیں کیا اور نہ کبھی ان کے ماننے والوں کو قاضی ومفتی بنایا گیا۔ اس لئے کہ یہ معلوم تھا کہ وہ مزاج وخواہشِ حکومت کے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اور یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ اثنا عشری تعبیر دین اسلام کو کبھی حکومت کی سرپرستی حاصل نہیں رہی اور یہ مکتب فکر صرف اپنی روحانی توانائی کے بل بوتے پر ہزار ہا مشکلات کے باوجود آگے بڑھتا رہا ہے حکومتوں

---

[1] الامام الصادق والمذاہب اربعہ ج ۱ ص ۱۷۵

نے تو اس کے مٹانے کے لئے اپنے تمام تر وسائل استعمال کرنے کے ریکارڈ قائم کئے ہیں اور اس صورت حال میں یہ دنیا کا پہلا اور آخری تصور حیات ہے جو پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھتا رہا ہے واللہ یہ حقیقت تاریخی ریکارڈ پر موجود ہے کہ جن حلقہ ہائے فکر کی حکومتوں نے مخالفت تو کجا صرف سرپرستی نہیں کی وہ دنیا سے مٹ گئے اور بعض کا صرف نام باقی ہے۔

پاکستان یقیناً ایک نظریاتی مملکت ہے اس ملک کو بنایا ہی اس لئے گیا تھا کہ یہاں زندگی اسلام کے ضوابط کی روشنی میں گزاری جائے گی ۳۶ سال کا عرصہ گذر جانے کے بعد شاید انشاء اللہ اب وقت آچکا ہے کہ اسلام اپنے زندگی بخش اور عزت افروز اصول و فروع اور قواعد و ضوابط کے سہارے نفاذ پذیر ہو جائے۔

سب سے پہلے اسلامی معاشی نظام بروئے کار آنا چاہیئے، تعزیرات کا مرحلہ معاشی نظام کے نفاذ کے بعد ہی آنا چاہیئے لیکن بعض بزرگوں نے تعزیرات سے قبل از وقت بحث شروع کر دی ہے اور جب یہ بحث شروع ہی ہو چکی ہے تو اس بات کی کوشش کرنا چاہیئے کہ واقعی اسلامی سزائیں نافذ ہوں۔ ظاہر ہے کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تمام واجب التعزیر جرم وقوع پذیر ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سزائیں بھی دی تھیں۔ امکانی کوشش کی جانی چاہیئے۔ کہ اسی نوعیت کی سزائیں دی جائیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارک میں نفاذ پذیر ہوئی تھیں۔ قرآن کریم میں چوری کی سزا کا واضح حکم موجود ہے:

والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما جزآء بما کسبا نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم ۝ ؎۲

؎۲ القرآن پ۶ المائدہ آیت ۳۸

"اور چور مرد اور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹو، یہ ان دونوں کے کیئے کی اللہ طرف سے رسوائی کے طور پہ سزا ہے، اور اللہ غالب، حکمت والا ہے۔"

لیکن ہاتھ کاٹنے کی کیفیت اور نوعیت مذکور نہیں ہے اور یہ کہ کونسا ہاتھ کاٹا جائے گا ...... !! اس کی صحیح صورت قیاسات کے سہارے نہیں معلوم کی جاسکتی بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل اس کی تفصیلی کیفیت کی سند مانا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کو ۱۲۰ سال کے بعد کے فقہاء نہیں بیان کر سکتے جب تک کہ ان افراد سے تمسک نہ کیا جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں آپؐ کے پاس کم و بیش ہر وقت حاضر رہتے ہیں، اور ان افراد تک پہنچنے کے ذریعے بھی غیر مشتبہ ہوں اور نظر عقل میں ایسا تکمیلی وسیلہ، سلسلۂ اہل بیت علیہم السلام کے علاوہ ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً امام جعفر صادق علیہ السلام یا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اگر کوئی بات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے بیان فرمائیں گے تو چونکہ ان کا سلسلہ کہیں قطع نہیں ہوتا اس لئے ان کا قول رسولؐ کا قول اور ان کا عمل رسولؐ کو عمل مانا جائے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے والد امام محمد باقر علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنے والد امام زین العابدین علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنے والد یا چچا امام حسین یا امام حسن علیہما السلام سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت علی علیہ السلام سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا یا ان کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھا۔ اس سلسلہ کے علاوہ دنیا میں کوئی سلسلہ موجود نہیں ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و عمل کو من و عن پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

بعض حضرات اس وقت "ترجمان القرآن" اور "ترجمان الحدیث" قسم کی چیزیں شائع کرتے رہتے ہیں۔ کاش یہ بزرگ واقعی قرآن و حدیث کے ترجمان ہوتے لیکن یہ تو قرآن

اور حدیث کا نام لے کر بعض ان بزرگوں کے قیاسات کی ترجمانی فرماتے رہتے ہیں جن کا ظہور اور نفوذ ۱۳۰ھ کے بعد شروع ہوتا ہے۔ لطیفہ تو یہ ہے۔ کہ عظیم المرتبت صحابۂ کرامؓ کے سامنے جب چور کی سزا کا مرحلہ آیا تو سب نے مل جل کر حضرت علی علیہ السلام کے ارشاد پر اجماع کیا۔[1] حضرت علی علیہ السلام نے جو سزا دی اس کی نوعیت کیا تھی اس کا صحیح ریکارڈ صرف انہیؑ کے گھرانے سے مل سکتا ہے اور اگر اسلام کی حقیقی تعلیمات سے انحراف کا جذبہ مضمحل کر کے حقیقی اسلام کے نفاذ کا عزم کیا جائے تو حضرت علی علیہ السلام کے گھرانے سے تمسک لازم ہے۔ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: "اقضاکم علیؑ" یہ ارشاد اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اسلام کی حقیقی تعلیمات صرف حضرت علی علیہ السلام کے وسیلے سے بروئے کار لائی جا سکتی ہیں، لغت سے تمسک، آیات احکام کی تعبیر میں ایک حد تک بیکار ہی ہے اس لئے کہ لغت، اصطلاح کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

چور کے ہاتھ کو پہونچے سے کاٹ دینا قیاس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اسلامی سزاؤں کا فلسفہ واضح ہے کہ مجرم ارتکاب جرم کی جرأت کھو بیٹھے اور دوسروں کو اتنی عبرت اور نصیحت حاصل ہو جائے کہ وہ ارتکاب جرم کا تصور بھی نہ کریں اور معاشرہ ہر طرح پُرامن حالات میں ترقی کرتا رہے۔

عربی اور دیگر زبانوں کے استعمالات میں شانوں کے جوڑ سے لے کر انگلیوں کے پوروں تک کو "ہاتھ" یا "ید" کہا جاتا ہے۔ لیکن ان تمام حصوں میں

---

[1] ترجمان القرآن ص۲۵۶ ج ۸۸ عدد ۶

سے لفظ "ید" کی مراد کو استعمال کے سیاق و سباق سے متعین کر لیا جاتا ہے۔ کبھی لفظ "ید" کا اطلاق صرف انگلیوں پر، کبھی گٹوں تک، کبھی کہنی اور کبھی شانے ہوتا ہے۔ چور کی سزا میں لفظ "ید" کس حصہ کے لئے استعمال ہوا ہے؟ اس کا تعین لغت اور قیاس کے سہارے نہیں ہو سکتا بلکہ عمل پیغمبر اور صرف عمل پیغمبر سے اس کا تعین ہوگا۔ ترجمان القرآن ج ۸۰ عدد ۶ صفحہ ۲۵۹ میں وضاحت کی گئی ہے کہ ید کا اطلاق کبھی کاندھے تک کے تمام حصوں پر ہوتا ہے اور کبھی کہنی تک اور کبھی پہنچے تک۔ وادخل یدك فی جیبك تخرج بیضاء من غیر سوء (لہ) اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کرو اور وہ سفید چمکیلا بغیر عیب نکلے گا۔" اس آیت میں "ید" کا اطلاق پہنچے تک کے حصے پر ہے۔ یا ایها الذین أمنوا اذا قمتم إلى الصلوٰة فاغسلوا وجوهكم وايديكم إلى المرافق (لہ) (اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو جب تم نماز پڑھنے کے لئے آمادہ ہو تو اپنے چہروں کو دھو لو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت) اس آیت میں "ید" کا اطلاق انگلیوں سے کہنی تک کے حصے پر ہوا ہے اور اس کے بعد "ترجمان القرآن" کے مضمون نگار نے اعلان فرما دیا ہے کہ لفظ "ید" کا اطلاق "کف" سے کم حصہ پر نہیں ہو سکتا۔ اور اس طرح سے انہوں نے چور کی سزا میں اہل بیت علیہم السلام کے طریق کار کو بہت کمزور دلیل سے مستدل مانا ہے حالانکہ اگر قرآن کریم کے استعمالات میں معمولی توجہ بھی کی جاتی تو کئی آیتیں موجود ہیں جن لفظ "ید" کا اطلاق انگلیوں پر کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

لہ القرآن پ ۱۹۔ النمل آیت ۱۲

لہ القرآن پ ۶ المائدہ آیت ۶

۱- فلما رای ایدیھم لاتصل الیہ نکرھم [۱] (اور جب جناب ابراہیمؑ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ بھنے ہوئے بچھڑے تک نہیں پہونچتے تو انہیں اجنبی سمجھ لیا)۔ ظاہر ہے کہ کھانا انگلیوں ہی سے مس ہوتا ہے اور کھایا جاتا ہے۔

۲- فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم [۲] (پس ان لوگوں کے لئے افسوس ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں" واضح ہے کہ قلم انگلیوں ہی کی گرفت میں ہوتا ہے اور انگلیوں ہی سے لکھا جاتا ہے تو اس آیت میں بھی لفظ "ید" کا اطلاق انگلیوں پر ہے۔

۳- ولو نزلنا علیک کتاباً فی قرطاس فلمسوہ بایدیھم لقال الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین (۳)" اور ہم اگر آپ پر اے رسولؐ کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب بھی نازل کرتے اور وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی یہ گرفتاران کفر یہی کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے" کون شک کر سکتا ہے اس بات میں کہ کتاب ہو یا کوئی اور چیز انگلیوں ہی سے چھوئی جاتی ہے۔

۴- فویل لھم مما کتبت ایدیھم (۴)"پس ان لوگوں کے لئے افسوس پر افسوس ہے جو کچھ ان کے ہاتھوں نے لکھا" اس آیت میں بھی "ید" سے انگلیاں مراد لی گئی ہیں۔

۵- فلما سمعت بمکرھن ارسلت الیھن واعتدت لھن متکاء واتت کل واحدۃ منھن سکینا وقالت اخرج علیھن فلما

---

[۱] القرآن پ ۱۲ ہود آیت ۷۰، [۲] القرآن پ ۱ البقرہ آیت ۷۹

[۳] القرآن پ ۷ الانعام آیت ۷، [۴] القرآن پ ۱ البقرہ آیت ۷۹

رایتہ اکبرنہ وقطّعن ایدیھن وقلن حاشَ للہ ماھذا بشراً ان ھذا الا ملک کریم ۱ ؎
بشراً لہ" چنانچہ جب زلیخا نے ان کی چال کی بابت سنا تو ان عورتوں کو بلا بھیجا اور ان کے لئے ایک مسند تیار کی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی اور جناب یوسفؑ سے کہا کہ ان عورتوں کے سامنے آ جاؤ پس ان عورتوں نے جناب یوسفؑ کو دیکھا تو مبہوت ہو گئیں اور اپنے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور کہا کہ پاکی خدا ہی کے لئے ہے یہ شخص تو آدمی نہیں" اس آیت میں بھی "ید" کا اطلاق انگلیوں پر کیا گیا ہے۔

ہم نے قرآن مجید کی چند آیتیں اس لئے پیش کی ہیں کہ "ید" کے اطلاقات کے متعلق اہل بیت کے راستے سے ہٹ کر چور کا پہنچے سے ہاتھ کاٹنے والے ان آیتوں سے آنکھ بند کر کے صرف اُن آیتوں کو پیش کرتے ہیں جن میں ہاتھ کا اطلاق انگلیوں کے علاوہ دوسرے حصّوں پر کیا گیا ہے۔ لہٰذا جب قرآن کے استعمالات میں "ید" کے اطلاقات انگلیوں کے لئے زیادہ ہیں تو "والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما" میں لفظ "ید" کا پہنچے تک کے حصّے پر اطلاق محض قیاس ہے۔ اس لئے کہ چوری میں زیادہ کام انگلیوں ہی سے لیا جاتا ہے اور کسی کی انگلیاں کاٹ دی جائیں تو اس کے لئے دوبارہ چوری انتہائی دشوار ہو جاتی ہے اسی لئے اہل بیت علیہم السلام نے "قطع ید" کے معنی انگوٹھا چھوڑ کر چار انگلیوں کا کاٹنا کیے ہیں۔

روی محمد بن عبد اللہ بن ھلال عن ابیہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال: قلت لہ اخبرنی عن السارق لم تقطع یدہ الیمنٰی ورجلہ الیسریٰ ولا تقطع یدہ الیمنٰی ورجلہ الیمنٰی؟ فقال:

---

۱ ؎ القرآن پ ۱۲ سورہ یوسف آیت ۳۱

ما الحسن ماسئلت! اذا قطعت يده اليمنى و رجله اليمنى سقط على جانب الايسر ولا يقدر على القيام واذا قطعت يده اليمنى و رجله اليسرى اعتدل واستوى قائماً۔ قال: قلت له جعلت فداك كيف يقوم وقد قطعت رجله؟؟ قال ان القطع ليس من حيث رأيت تقطع، انما تقطع الرجل من الكعب ويترك له من قدمه مايقوم عليه، يصلى و يعبد الله عزوجل، قلت: فمن أين تقطع اليد؟ قال تقطع الاربع الاصابع و يترك الابهام يعتمد عليها فى الصلوٰة ويغسل بها وجهه للصلاة (لہ) "محمد بن عبداللہ بن ہلال سے روایت ہے کہ ان کے والد نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے بتائیے کہ چور کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کیوں کاٹا جاتا ہے؟ اور داہنا ہاتھ اور داہنا پاؤں کیوں نہیں کاٹا جاتا؟ آپ نے فرمایا: تو نے بڑا اچھا سوال کیا ہے اگر چور کا داہنا ہاتھ اور داہنا ہی پیر کاٹ دیا جائے تو وہ کھڑا نہ رہ سکے گا اور بائیں طرف کو گر جائے گا اور اگر داہنا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا جائے تو اعتدال باقی رہے گا اور وہ کھڑا رہ سکے گا۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان جاؤں پیر کٹ جانے کے بعد وہ کیسے کھڑا رہ سکے گا؟ آپ نے فرمایا جس طرح تم سوچتے ہو اس جگہ سے پیر نہیں کاٹا جائے گا بلکہ پیر کعب سے کاٹا جائے گا اور قدم کا اتنا حصہ چھوڑ دیا جائے گا جس کے سہارے وہ کھڑا ہو سکے، نماز پڑھ سکے، اور اللہ کی عبادت کر سکے، راوی نے عرض کیا: ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے گا؟ آپ نے فرمایا چاروں انگلیاں کاٹی جائیں گی انگوٹھا چھوڑ دیا جائیگا۔

لہ من لا یحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۴۹۔

تاکہ باقی ماندہ ہاتھ سے نماز میں کام لے اور اس سے نماز کے لئے وضو کر سکے۔"

وعن ابی محمد یرفعه الی امیرالمومنین علیه السلام انه اذا کان قطع السارق ترک الابهام والراحة فقیل له یا امیرالمومنین ترکت علیه یده قال: فقال لهم: فان تاب فبای شیئ یتوضؤلان الله یقول "والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما الی قوله فمن تاب منهم من بعد ظلمهم واصلح فان الله غفور رحیم ۝[1]" ابو محمد کہتے ہیں کہ جب بھی امیرالمومنین علیہ السلام چور کو سزا دیتے تھے تو انگوٹھا اور ہتھیلی چھوڑ کر ہاتھ کاٹ دیا کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اے امیرالمومنین آپ تو چور کا ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں۔۔۔۔؟ تو آپ نے فرمایا کہ توبہ کے بعد وضو کیسے کرے گا اس لئے کہ خدا فرماتا ہے: "چور مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دو اور جو ان میں سے ارتکاب جرم کے بعد توبہ کر لے اور طریقہ خیر اپنا لے تو اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

عن حلبی عن أبی عبداللہ علیه السلام قال قلت له: من أین یجب القطع؟ فبسط اصابعه وقال من ھٰھنا یعنی من مفصل الکف[2]

"حلبی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ چور کی سزا میں ہاتھ کس جگہ سے کاٹا جائے گا۔ تو آپ نے انگلیاں کھول دیں اور فرمایا کہ یہاں سے یعنی ہتھیلی اور انگلیوں کے جوڑ سے۔"

علامہ مجلسیؒ نے مفصل کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ای المفصل التی بین الکف والاصابع الی ان قال ویترک له الراحة والابهام ۔۔۔ ہتھیلی اور انگلیوں کے ملنے کی جگہ "مفصل" ہے۔ اس جگہ سے انگلیاں کاٹی

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۴۹۱ [2] وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۴۸۹

جائیں گی اور ہتھیلی اور انگوٹھا چھوڑ دیا جائے گا۔

صاحب المختصر النافع نے بھی یہی فرمایا ہے:

الواجب فی ھذا الحد اول مرۃ قطع الاصابع الاربع من الید الیمنٰی وتترک لہ الراحۃ والابہام لہ "پہلی مرتبہ چوری کی سزا میں داہنے ہاتھ کی چار انگلیوں کا کاٹنا واجب ہے اور چور کی ہتھیلی اور اس کا انگوٹھا چھوڑ دیا جائے

صاحب شرائع الاسلام فرماتے ہیں:

الحد وھو قطع الاصابع الاربع من الید الیمنٰی ویترک لہ الراحۃ والابہام لہ "چوری کی حد یہ ہے کہ پہلی بار چوری کرنے والے کے داہنے ہاتھ کی چار انگلیاں کاٹ دی جائیں گی اور انگوٹھا اور ہتھیلی چھوڑ دیئے جائیں گے۔"

محمد بن مسعود العیاشی فی تفسیرہ زرقان صاحب ابن ابی داؤد عن ابن ابی داؤد انہ رجع من عند المعتصم وھو مغتم، فقلت لہ فی ذٰلک الی ان قال فقال: ان سارقا اقر علٰی نفسہ بالسرقۃ وسأل الخلیفۃ تطہیرہ باقامۃ الحد علیہ فجمع لذٰلک الفقہا فی مجلسہ وقد احضر محمد بن علی علیہما السلام نسألنا عن القطع فی ای موضع یجب ان یقطع، فقلت: من الکرسوع لقول اللہ فی التیمم "فامسحوا بوجوھکم وایدیکم" واتفق معی علٰی ذٰلک قوم وقال اٰخرون: بل یجب القطع من المرفق قال وما الدلیل علی ذٰلک؟ قال لان اللہ "ایدیکم الی المرافق" قال: فالتفت الی محمد بن علی علیہما السلام فقال: ماتقول فی ھذا یا ابا جعفر؟ قال قد تکلم القوم فیہ یا امیر المومنین

لہ المختصر النافع ص ۔ ۔ لہ شرائع الاسلام ص ۳۳۹

قال: دعني مما تكلموا به اى شئ عندك؛ قال اعفني عن هذا يا امير المومنين، قال: اقسمت عليك بالله لما اخبرت بما عندك فيه فقال: أمّا اذا أقسمت عليّ بالله انى اقول: انهم اخطاؤا فيه السنة فانّ القطع يجب أن يكون من مفصل اصول الاصابع فيترك الكف- قال لم؛ قال لقول رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: السجود على سبعة اعضاء الوجه، واليدين والركبتين، والرجلين" فاذا قطعت يده من الكرسوع اوالمرفق لم يبق له يد يسجد عليها و قال الله تبارك وتعالى" وانّ المساجد لله" يعني به هذه الاعضاء السبعة التي يسجد عليها" فلا تدعوا مع الله احدا" وما كان لله لم يقطع قال فاعجب المعتصم ذلك فأمر بقطع يد السارق من مفصل الاصابع دون الكف [1]"

" زرقان ابن ابی دؤاد کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ ابو دؤاد معتصم کے پاس سے غمگین واپس آئے تو میں نے اس کیفیت کے بارے میں ان سے گفتگو کی یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ، ایک چور نے خلیفہ کے سامنے چوری کا خود اقرار کیا اور درخواست کی کہ خلیفہ اس پر حد جاری کر کے اس کو پاک کر دیں۔ معتصم نے اس مقصد کے لئے اپنے دربار میں فقہاء کو جمع کیا اور امام محمد تقی علیہ السلام کو بھی بلایا اور ہم سے قطع ید کے بارے میں پوچھا کہ ہاتھ کس جگہ سے کاٹا جائے تو میں نے کہا کہ گٹے سے کاٹ دیا جائے اس لئے کہ خدا نے آیۂ تیمم میں فرمایا ہے کہ " اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرو" اور اس بات پر کچھ لوگوں نے مجھ سے اتفاق کیا۔ کچھ دوسرے

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۴۹۰

لوگوں نے کہا کہ ہاتھ کا کہنی سے کاٹنا واجب ہے۔ خلیفہ نے پوچھا اس پہ کیا دلیل ہے تو ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے آیۂ وضو میں فرمایا ہے اور ہاتھوں کو دھوؤ کہنیوں تک، یعنی ید سے مراد کہنی تک ہے۔ ابو دواد کہتے ہیں کہ معتصم، امام محمد تقی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ اے ابوجعفر آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا کہ: اے امیر اس تعلق میں لوگ بات کر ہی چکے ہیں، خلیفہ نے کہا: جو کچھ انہوں نے کہا ہے اسے مجھ پہ چھوڑیئے، اس تعلق میں آپ اپنے علم کو ظاہر فرمایئے! آپ نے فرمایا۔ اے امیر مجھے اس گفتگو سے معاف ہی رکھو، معتصم نے کہا۔ میں آپ کو خدا کی قسم ہی دے دی ہے تو کہتا ہوں کہ ان سب نے قطع ید کے متعلق اپنی رائے کے اظہار میں سنت رسولؐ کی خلاف ورزی کی ہے۔ بلاشک قریب انگلیوں کا جڑوں سے کاٹنا واجب ہے اور ہتھیلی چھوڑ دی جائے گی۔ معتصم نے کہا کیوں؟ آپؑ نے فرمایا حدیث رسولؐ ہے کہ سجدہ سات اعضاء پر ہوتا ہے۔ پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں پیر، اگر چور کا ہاتھ گٹے یا کہنی سے کاٹ دیا جائے تو سجدہ کے لئے ہاتھ باقی نہ رہے گا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "مساجد اللہ کے لئے ہیں" یہاں مساجد سے یہی ساتوں اعضاء سجدہ مراد ہیں جن پر انسان سجدہ کرتا ہے تو "اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکارو" اور جو کچھ اللہ کے لئے وہ قطع نہیں کیا جائے گا۔ ابو دواد کہتے ہیں کہ معتصم یہ سن کر خوش ہوا اور اس نے چور کا ہاتھ انگلیوں کی جڑ سے کاٹنے کا حکم دیا ہتھیلی کو چھوڑ کر۔ "مساجد" کا ترجمہ "اعضاء سجدہ" زیر نظر حضرات نے بھی فرمایا ہے (مولانا محمود الحسن، مولانا شاہ رفیع الدین، مولانا شاہ عبدالقادر، مولانا عبدالماجد دریا بادی) [1]

اگر کوئی شخص دوبارہ چوری کرے تو ثبوت شرعی (قاضی کے سامنے دومرتبہ اقرار

---

[1] ترجمہ قرآن پ ۲۹ الجن آیت ۱۸

یا عادل گواہوں کی گواہی) کے بعد بایاں پیر پاؤں کے ابھار سے کاٹ دیا جائے گا۔ اس ابھار کو "کعب" یا "قبۃ القدم" کہتے ہیں۔ سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ الخوئی اور سرکار آیۃ اللہ الخمینی فرماتے ہیں۔ ولو سرق ثانیاً قطعت رجله الیسریٰ من تحت قبة القدم حتی یبقی له النصف من القدم و مقدار قلیل من محل المسح (۱)

"اگر کوئی شخص دوبارہ چوری کرے تو قبۂ قدم کے ذرا نیچے سے اس کا بایاں پیر کاٹ دیا جائے تاکہ اس کا آدھا پیر باقی رہ جائے اور مسح کے لئے تھوڑی سی جگہ"

آیت وضو میں "کعب" سے مراد گٹے سے قرار دے لئے گئے ہیں یہ مراد لینے والوں ہی کو معلوم ہوگا۔ مجمع البحرین ص۱۲۱ پر واضح طور پر لکھا ہوا ہے:

ان الکعب قبة القدم کما جاء فی الحدیث انما تقطع الرجل من الکعب ویترك من قدمه مایقوم به۔

"کعب، قدم کے ابھار کو کہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ چور کا پیر کعب سے کاٹا جائے گا اور اس کے پیر کا اتنا حصہ چھوڑ دیا جائے گا جس کے سہارے وہ کھڑا ہو سکے۔"

"کعب" کے حقیقی معنی سمجھنے کے لئے ایک دفعہ آیت وضو پر پھر نظر ڈال لیجیے:

یا ایھا الذین امنوا اذا قمتم إلی الصلوٰة فاغسلوا وجوھکم وایدیکم إلی المرافق وامسحوا برءوسکم وأرجلکم إلی الکعبین ط

"کعبین" "تثنیہ" کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں دو ابھار۔ اگر کعب سے مراد گٹا ہو تو دونوں پیروں میں چار گٹے ہوتے ہیں اس لئے وامسحوا برءوسکم وأرجلکم إلی الکعوب ہونا چاہیئے تھا، لہٰذا کعب سے مراد پیر کی پشت کا وہ ابھار ہے جس پر جوتے

---

(۱) مبانی تکملة المنهاج ج ۱ ص۲۹۹، تحریر الوسیلہ ج ۲ ص۴۱۸

کا تسمہ باندھا جاتا ہے اور یہی حصہ وہ ہے جہاں سے چور کا قدم اسلامی سزا کے پر کاٹا جائے گا۔

ہم حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام میں "کعب" کے یہی معنی ذکر کر چکے ہیں، چونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام اہل بیت میں سے ہیں اس لئے ان کی وضاحت رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وضاحت ہے اور نص کے ہوتے ہوئے کسی بڑے سے بڑے آدمی کے قیاس کی بھی کوئی قیمت نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قیاس کو دین فہمی کا وسیلہ قرار دینے والوں نے اس تال میل اور ربط وضبط کو جو روح کی حیثیت سے تمام احکام اسلام میں جاری ہے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی ورنہ یہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ افضل العبادات نماز ہے اور کسی کو بھی ایسی سزا نہیں دی جا سکتی جس سے فرائض صلاۃ میں خامی اور کوتاہی پیدا ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ جس کا ہاتھ اور پیر پورا کاٹ دیا جائے تو ایک ہاتھ کی حد تک اس کا وضو ناقص ہو جائے گا اور پیر کی حد تک اس کا مسح یا پیر کا دھونا اس کے لئے ممکن نہ رہے گا اور سجدہ میں بھی ان دو اعضاء کی کمی ہو جائے گی، مقدمۂ نماز اور نماز میں نقص پیدا ہو جائے گا۔ جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ سزا کا مطلب مجرم کو جرم سے روکنا اور دوسروں کے لئے سامان عبرت مہیا کرنا ہے، اتمام وتکمیل صلاۃ سے محروم کرنا نہیں ہے، نہ چوری کے سزا یافتہ کو نماز معاف کر دی گئی ہے۔ جبکہ اس گناہ کی توبہ ہے تو اس توبہ کے وقوع اور وجود کا تصور بغیر نماز کے ہو ہی نہیں سکتا اس لئے حکم قرآن کی تعمیل، عمل وحدیث پیغمبر کی اس وضاحت کی روشنی میں جو ان کی اولاد کے ذمہ دار افراد نے فرمائی ہے کی جائے گی اور چور کا ہاتھ اور پیر اس طرح کاٹا جائے گا کہ وہ اپنے معمولات زندگی کسی نہ کسی طرح انجام دے سکے اور تکمیلی انداز میں افضل العبادات نماز ادا کر سکے۔

چوری کے وقوع اور ثبوت کے تعلق میں اسلامی مکاتب فکر میں کوئی اختلاف نہیں

ہے سوائے اس کے کہ عام فقہاء کے نزدیک چوری کا اقرار سزا کے لئے ایک دفعہ کافی ہے جبکہ اہل بیت علیہم السلام کے نزدیک دو دفعہ اقرار ضروری ہے۔

یہ نوٹ کیا جانا چاہیئے کہ کم سے کم چوری جس کی سزا قطع ید ہے وہ چوتھائی دینار یا اس قیمت کی کوئی چیز ہوگی اس سے کم کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ کوئی دوسری مناسب سزا دی جائے گی۔

راہزنی اور ڈاکہ

جرم و سزا کی داستان بہت پرانی ہے جب انسانی زندگی انفرادیت کی حدود کو پار کر کے اجتماعیت کی منزل پر گامزن ہوئی اور انسان نے معاشرتی توانائی حاصل کی تو امن عمومی کو برقرار رکھنے کیلئے مختلف قسم کی سزاؤں کا اہتمام کیا جانے لگا۔ بعض اقوام و ملل میں یہ سزائیں ہولناک حد تک بھی سخت ہوتی تھیں، درندوں کے سامنے ڈال دینا، زمین میں گاڑ کر شکاری کتوں کو چھوڑ دینا اور زندہ دیواروں میں چنوا دینا بھی مروج رہا ہے۔ وحشی اور غیر مہذب اقوام و ملل کا تو ذکر کیا ہے کئی عباسی خلفا اور مغل سلاطین کے دور میں اس قسم کی سزاؤں کا ریکارڈ ملتا ہے۔ عام طور سے یہ سزائیں حاکم، امراء اور بالادست افراد کی مرضی اور خواہش کی پابند ہوا کرتی تھیں کسی ضابطہ اور قاعدے کو دخل نہ تھا۔ رسمی طور پر قوانین و ضوابط کے موجود ہونے کے باوجود صرف کمزوروں اور بے نواؤں کو مستحق سزا سمجھا جاتا تھا ہندو معاشرے میں برہمن اور چھتری کو شاید ہی کبھی سزا دی گئی ہو، زیادہ تر سزا شودروں کی تقدیر تھی۔ جزیرہ عرب میں بھی قبائلی نظام میں سزاؤں کا وجود تھا لیکن ان کا نفاذ کمزوروں اور معاشرتی و سیاسی طور پر پست ہی لوگوں پر ہوتا تھا اسی وجہ سے جن کا معاشرتی مرتبہ یا سیاسی درجہ بلند ہو جاتا تھا وہ پست ترین جرائم کے ارتکاب کے بعد بھی سزا سے محفوظ رہتے تھے۔ یہ ذہن حضور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارک میں بھی موجود تھا۔ چنانچہ ترجمان القرآن ماہ مارچ ۱۹۶۰ء کے صفحہ ۹ پر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بتلایا گیا ہے بنی مخزوم کی ایک چور عورت کی سفارش کے سلسلے میں اصحاب کرامؓ نے اسامہ بن زید کو استعمال کیا تھا اسلامی احکام کی روح کو جس حد تک سمجھ پائے تھے یہ واقعہ اس کی پوری عکاسی کرتا ہے۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں بھی کچھ بزرگوار اپنے سیاسی اور معاشرتی

اثر و نفوذ کی وجہ سے سزاؤں سے محفوظ رہے بہر حال یہ بھی ایک ذہن تھا جس کا مظاہرہ ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے تاہم یہ حقیقت ہر صاحب عقل کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ اسلام نے جرم و سزا کے جو قواعد اور ضوابط مرتب فرمائے ہیں اگر ان پر بے لاگ اور مخلصانہ عمل کیا جائے تو جرم کی بیخ کنی ہو سکتی ہے۔ اسلام نے نظامِ زندگی کے لئے اعتقاد عمل کا جو سلسلہ قائم کیا ہے اگر اس کو واقعی قبول کر لیا جائے تو جرم کا ارتکاب ممکن نہیں رہتا اور ایک بے عیب و نقص معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔ اسلامی اعتقادات کا مرکز و محور عقیدۂ توحید ہے لیکن ایسا خدائے واحد جو حاضر و ناظر اور اقتدارِ مطلق کا مالک ہے، کسی انسان کا کوئی عمل اس سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ اس کو انسانی قلب و دماغ کے خیالات و احساسات کا بھی علم ہے اور وہ مالک یوم الدین ہے یعنی ایک دن ایسا مقرر ہے کہ جس دن وہ ہر اچھے عمل کی جزا اور ہر بُرے عمل کی سزا دے گا جو عدل کا تقاضا ہے۔ خداوند عالم کا مالک یوم الدین ہونا اس کے عادل ہونے کی دلیل ہے علاوہ ازیں جو اپنے بندوں کو عدل کا حکم دیتا ہے وہ موصوف بعدالت کس طرح نہ ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس عقیدہ کے ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ہر وقت دو فرشتے مقرر ہیں جو اس کے ہر نیک و بد عمل کو لکھتے رہتے ہیں ان کو کراماً کاتبین کہا جاتا ہے حتیٰ کہ زبان سے جو لفظ انسان نکالتا ہے وہ بھی ریکارڈ ہو جاتا ہے۔ مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید (۱)

"وہ منہ سے کوئی بات نہیں نکالنے پاتا مگر یہ اس کے پاس ایک نگہبان تیار رہتا ہے۔"

ظاہر ہے کہ اس عقیدے کے بعد کہ خداوند عالم بھی ہر وقت دیکھ رہا ہے اور دو فرشتے ہمارا ہر قول و عمل ریکارڈ کر رہے ہیں، خلوت اور تنہائی کا تصور یکسر ختم ہو جاتا ہے، اور ارتکاب جرم کے لئے خلوت اور تنہائی کا احساس ضروری ہے اگر واقعی کوئی شخص خدا کو

---

(۱) القرآن پ ۲۶ ق آیت ۱۸

حاضر و ناظر جانتا ہو اور اس کے نگران فرشتوں کو موجود سمجھتا ہو تو کسی حالت میں بھی ارتکاب جرم نہیں کر سکتا۔ اگر مسلمان واقعی مسلمان ہو جائے تو قانون سزا کی ضرورت نہیں رہتی لیکن بہت سے لوگ رسمی طور پر اسلام کا کلمہ پڑھ لیتے ہیں حقیقی اسلام سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی خود رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں منافقین اور مؤلفۃ القلوب ایک بہت بڑی تعداد میں موجود تھے جو اسلام کا اعلان کر کے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابیت کی کلغی لگا کے مسلم معاشرے میں آسانیاں اور وقار حاصل کر لیتے تھے لیکن کسی جرم کے ارتکاب میں کبھی تکلف نہیں فرماتے تھے اسی لئے قانونِ سزا تجویز کیا گیا کہ اسلام کی حقیقی تعلیم سے بے بہرہ لوگ یا بد فطرت افراد ارتکاب جرم کریں تو ان کے حوصلۂ ارتکاب جرم کو توڑ دیا جائے۔

سزا کے جوہری مقاصد چار ہو سکتے ہیں:۔

① نقصان رسیدہ فرد کے نقصان اور خوف کا ازالہ اور اس کی تسکین۔

② مجرم کے حوصلۂ ارتکاب جرم کی بیخ کنی اور اس کو معاشرے کا ایک قانون پسند شہری بنانے کی کوشش۔

③ جن لوگوں کے دل و دماغ میں ارتکاب جرم کا احساس کروٹیں بدلتا ہے، مجرم کے سزایاب ہونے سے ان کی ہمت شکنی۔

④ معاشرے میں امن و سکون کی بحالی تاکہ عوام پر امن ماحول میں اپنے متعلقہ فرائض انجام دیکر قوم و ملک کی ترقی اور استحکام کا سبب بنیں۔

اسلام نے مجرموں کی سزا کے لئے جو ضوابط تجویز کئے ہیں وہ ان چاروں مقاصد کو بدرجۂ اتم پورا کرتے ہیں شرط یہ ہے کہ نفاذ قانون میں سیاسی اور معاشرتی امتیازات کا لحاظ نہ کیا جائے اور آمر و مامور سب کے لئے قانون کی کارفرمائی یکساں ہو ...... ہمارے نزدیک پاکستان میں جرموں کی کثرت کے جہاں اور اسباب ہیں وہاں بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ دستور میں

کچھ دفعات ایسی رکھ دی گئی ہیں جو سیاسی اور معاشرتی طور پر بلند مرتبہ لوگوں کو ارتکاب جرم کے باوجود تحفظ فراہم کرتی ہیں۔ بہر حال اس وقت ساری دنیا میں پاکستان ہی ایک ایسا خطۂ ارض ہے جو بنایا ہی اس لئے گیا ہے کہ یہاں اسلام کا نظامِ زندگی نفاذ پذیر ہو، خدا کرے مسلمان سچے مسلمان کی حیثیت سے اسلام کے نظام زندگی کو قبول کر لیں تو دعویٰ سے کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں ایک بے عیب اور قابل تقلید معاشرہ پیدا ہو جائے گا۔

اسلام کا نظام سزا کوئی الگ چیز نہیں ہے وہ سارے اعتقادات و اعمال کی ایک کڑی ہے۔ معاشرتی اور معاشی انصاف اور قانون عدل کا وجود، نفاذِ تعزیرات پر مقدم ہونا چاہئے اور اس سلسلے میں صرف قرآن و سنت کو مشعل راہ قرار دینا چاہیے۔ اگر تیرے میرے قیاس پر انحصار کیا گیا تو مسلمانوں کی چہار دہ صد سالہ (۱۴) تاریخ ہمارے سامنے ہے جس طرح از منۂ ما فیہ میں ایک قابل تقلید معاشرہ کبھی پیدا نہیں ہو سکا اب بھی پیدا نہیں ہو گا۔

کسی بھی قوم میں عام طور سے چوری ڈاکے کے جرموں کا زیادہ ارتکاب ہوتا ہے۔ رہزن اور ڈاکو کو اسلامی زبان میں محارب کہا جاتا ہے (اسلام کی صرف دو زبانیں ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عام عربی زبان میں "قاطع الطریق" یا لص، کہا جاتا ہے۔

محارب کی تعریف

محارب، رہزن یا ڈاکو اس شخص یا ان اشخاص کو کہتے ہیں جو عوام کو خوفزدہ کر کے اور امن عامہ میں خلل ڈال کے شہر میں یا جنگل میں، راستوں میں یا آبادیوں میں خشکی میں یا دریاؤں میں، دن میں یا رات میں مسلح ہو کر شورہ پشتی کا مظاہرہ کریں اور لوٹ مار مچائیں۔ اگر صنف نازک یہ صورت حالات اپنائے تو وہ بھی اسی حکم میں ہو گی۔

ہتھیار کی تعریف

ہر وہ چیز جس کو کسی علاقے میں ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہو ہتھیار کہلائے گی مثلاً بندوق، پستول، تلوار

نیزہ، تیر کمان، کلہاڑی، خنجر، چھری، چاقو، لاٹھی، بم، پتھر اور اینٹیں، غرضکہ ہر وہ چیز جس سے خوف پیدا کر کے یا زخمی کر کے لوٹ مار مچائی جا سکے ہتھیار کہلائے گی۔

المحارب ھو کل من جرد سلاحہ او جھزہ لاخافۃ الناس وارادۃ الافساد فی الارض فی بر کان او فی بحر، فی مصر او غیرہ، لیلاً او نھاراً ویستوی فیہ الذکر والانثی (لہ) ۔ "محارب وہ ہے جو ہتھیار بند ہو کر یا ہتھیاروں کی نمائش کرے، عوام کو ڈرانے کے لئے اور زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے، خشکی میں یا تری میں، شہر میں یا جنگلوں اور راستوں میں، دن کے وقت یا رات کے ہنگام، عورت اور مرد اس میں برابر ہیں"۔

علامہ قزوینی نے تحریر فرمایا ہے:

والمحارب ھو کل من جرد مایعد سلاحاً عرفاً او حملہ لاخافۃ الناس (لہ) "محارب وہ ہے جو لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے ایسی چیزوں سے مسلح ہو جن کو عرف عام میں ہتھیار کہا جاتا ہے"۔

قرآن مجید میں "محارب" کے لئے "سارق" کی طرح واضح احکام موجود ہیں:۔

انما جزاؤ الذین یحاربون اللہ و رسولہ ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ط ذٰلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم ٥ الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم ٥ (لہ) یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جھگڑا

لہ تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۹۲   لہ الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم ص ۳۴۶ ، شرائع الاسلام کتاب الحدود ، شرح کتاب السادس من الحدود جامع الرضوی ج ۲ ص ۳۴۷

لہ القرآن پ ۶ المائدہ آیت ۳۳ ، ۳۴

کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا ان کو سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ پیر مخالف سمت سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو سرزمین شرارت سے نکال باہر کیا جائے، یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہوگا تاہم وہ لوگ جو تمہارے حیطۂ اقتدار میں آنے سے پہلے توبہ کرلیں تو جان لو کہ یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے"؛

اس آیت کی شان نزول میں مفسرین نے زیر نظر واقعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے توسط سے بیان کیا ہے:

قدم علی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قوم من بنی ضبة مرضة فقال لهم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ اقیموا عندی فاذا برئتم بعثتکم فی سریة فقالوا اخرجنا من المدینة فبعث بهم الی ابل الصدقة یشربون من ابوالها و یاکلون من البانها فلمّا برؤوا واشتدوا قتلوا ثلاثة ممن کانوا فی الابل فبلغ رسول اللہ الخبر فبعث الیهم علیّاً علیه السلام وهم فی وادٍ قد تحیّر وا لیس یقدرون یخرجون منه قریب من ارض الیمن فأسرهم وجاء بهم الی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فنزلت هذه الآیة علیه[1]

"حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بنی ضبہ میں سے کچھ بیمار لوگ حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تم ہمارے پاس ٹھہرو، جب تم تندرست ہو جاؤ گے تو کسی جنگ کے لئے روانہ کر دیا جائے گا۔ انہوں نے درخواست کی کہ ہمیں مدینہ سے باہر بھیج دیجئے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو صدقے کے اونٹوں کے علاقے

---

[1] تفسیر المیزان ج ۵ ص ۳۵۸ تا ۳۵۹، تہذیب الاحکام ص ۱۳۴ تا ۱۳۵، فروع کافی ج ۷ ص ۲۴۴۔

میں بھیج دیا۔ انہوں نے وہاں اونٹوں کا پیشاب بطور دوا استعمال کیا اور دودھ بطور غذا، جب وہ تندرست ہو گئے اور ان میں کچھ قوت آگئی تو اونٹوں کے نگرانوں میں سے تین کو قتل کر دیا اور اونٹ لے کر چلتے بنے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس حادثے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو ان کے تعاقب میں بھیجا، وہ لوگ سرزمین یمن کے قریب ایک علاقے میں راستہ بھول گئے وہیں بھٹکتے پھرے اور اس سے باہر نہ نکل سکے حضرت علی علیہ السلام نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور ان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے" تو ان لوگوں کی سزا کے سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی۔"

آیت کے الفاظ بڑے واضح ہیں، تاہم بعض لوگوں کو اپنی انفرادیت چمکانے کا شوق ہوتا ہے اور اس لئے انہوں نے "محارب" کے ترجمے میں "قاطع الطریق" کو دیکھ کر یہ قیاس کر لیا کہ جرم محاربت صرف غیر آباد علاقوں میں مسلم ہوگا جیسا کہ ترجمان القرآن بابت مارچ ۱۹۷۸ء کے ص ۱۶ پر لکھا گیا ہے......!! ان بزرگوار کے نزدیک شہر یا مضافات شہر میں ارتکاب جرم کیا جائے تو سزائے محارب عائد نہیں ہوگی۔ یہ غلطی لفظ "محارب" کا ترجمہ "قاطع الطریق" کر دینے کی وجہ سے ہوئی ہے حالانکہ "محارب" قرآن کی اپنی اصطلاح ہے اس کا ترجمہ محض "قاطع الطریق" نہیں کیا جا سکتا۔ آیت میں واضح طور پر "ویسعون فی الارض فسادا" کا جملہ موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ لفظ "ارض" صرف راستوں، ویرانوں اور جنگلوں پر نہیں بولا جاتا بلکہ بحروبر، شہر وقصبات، آبادی اور ویرانے سب کے مفہوم پر حاوی ہے۔ اسی لئے جناب شافعی، جناب مالک، جناب احمد بن حنبل اور جناب ابو حنیفہ کے شاگرد رشید قاضی ابو یوسف نے یہ وضاحت کی ہے کہ شہر، قریب شہر، دن اور رات جہاں بھی یہ جرم وقوع پذیر ہو گا حد محارب عائد کی جائے گی جیسا کہ ترجمان القرآن بابت ماہ مارچ ۱۹۷۸ء ص ۱۶ پر ریکارڈ کیا گیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں واضح طور پر کہا گیا ہے:

ان حکم المحاربة فی الامصار فی السبلان علی السواء لقوله ویسعون فی الارض فساداً۔ ھذا مذھب مالک فی اللیث بن سعد، والاوزاعی والشافعی واحمد بن حنبل (رضہ) "محاربت کا حکم شہروں اور راستوں میں یکساں ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں "اور جو زمین میں فساد برپا کریں" آیا ہے۔ یہ جناب ملک، لیث بن سعد، اوزاعی، شافعی اور احمد بن حنبل کا مذہب ہے۔

جناب ابوحنیفہؒ کا یہ قیاس، بڑا دلچسپ ہے کہ "مجرموں پر حد محارب صرف اس صورت میں نافذ ہوگی کہ مظلوموں کی مدد کو کوئی نہ پہنچ سکتا ہو" اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر جنگل اور ویرانے میں بھی ڈاکہ زنی کی جائے اور اتفاقاً وہاں کوئی فوجی دستہ یا پولیس کا جتھہ پہونچ جائے یا مسلح قافلے کا گزر ہو جائے اور وہ مظلوموں کو بچالیں تو ڈاکوؤں کو چھٹی ہے وہ سزائے "محارب" سے محفوظ ہو جائیں گے، کوئی تعزیری سزا تجویز کردی جائے تو الگ بات ہوگی۔۔۔۔۔ !!! اصل میں یہ سب قیاس کی کرشمہ سازی ہے ورنہ حکم تو واضح ہے کہ جو شخص یا گروہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر امن عامہ میں خلل ڈالے گا، لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کرے گا وہ شہر میں ہو یا جنگل میں "محارب" کہلائے گا اور محارب کی سزا کا مستحق ہوگا جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور اس کی تقویت کے لئے امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث بھی حاضر ہے:

عن سورة بن کلیب قال: قلت لأبی عبدالله علیه السلام رجل یخرج من منزله یرید المسجد أو یرید الحاجة فیلقاه رجل ویستعقبه فیضربه ویأخذ ثوبه؟ قال: ای شیٔ یقول فیه من قبلکم؟ قلت: یقولون ھذه دعارة معلنة وانما المحارب فی قریٰ مشرکة، فقال ایھما اعظم حرمة

لہ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص۵۰

دارالاسلام ؟ أو دار الشرك ؟ قال فقلت دار الاسلام! فقال هؤلاء من اهل هذه الآية "انما جزآء الذين يحاربون الله ورسوله" إلى آخر الآية[1]

"سورہ بن کلیب کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک آدمی اپنے گھر سے مسجد جانے کے لئے یا کسی کام سے نکلتا ہے، ایک شخص اس کے پیچھے سے یا سامنے سے آکر اس پر حملہ کرتا ہے، اسے مارتا ہے اور اس کے کپڑے چھین لیتا ہے..... ؟! آپ نے فرمایا جو لوگ تمہارے گردو پیش ہیں وہ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟! میں نے کہا وہ کہتے ہیں یہ کھلی ہوئی خباثت ہے، محارب تو مشرکوں کی آبادی میں ہنگامہ کرنے والا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دارالاسلام کی حرمت زیادہ ہے یا دارالشرک کی ہے۔ میں نے کہا "دارالاسلام" کی! تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ یعنی شہروں میں قانون سے کھیلنے والے، لوٹ مار مچانے والے سماج دشمن عناصر اس آیت: "انما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله" کے اہل ہیں" اس حدیث سے بکمال وضاحت یہ ظاہر ہو گیا کہ شہروں میں ہتھیار بند ہو کر لوٹ مار کرنے والے "محارب" ہیں، راستوں یا ویرانوں وغیرہ کی قید بے معنی ہے۔

محارب کی سزا

محارب کی سزا کے تعلق میں امام علی رضا علیہ السلام نے جو وضاحت فرمائی ہے وہ جناب اسحاق مدائنی کی زبانی اس طرح سے ہے:

قال سئل عن قول الله عزوجل: انما جزآء الذین یحاربون الله ورسوله الآیة فما الذی اذا فعله استوجب واحدة من هذه الاربعة؟ فقال علیه السلام: اذا حارب الله ورسوله وسعیٰ فی الارض فساداً فقتل،

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸، ص ۵۳۸

قتل به۔ وان قتل واخذ المال، قتل وصلب وان اخذ المال ولم یقتل قطعت یدہ ورجلہ من خلاف۔ وإن شهر السیف فحارب اللہ ورسولہ وسعیٰ فی الارض فساداً ولم یقتل ولم یأخذ المال نفی من الارض [1]

"حضرت امام رضا علیہ السلام سے قول خدا انما جزآء الذین یحاربون اللہ ورسولہ کے متعلق پوچھا گیا کہ جب محارب ارتکاب جرم کرے تو آیت میں مذکور چار سزاؤں میں سے کونسی سزا تجویز کی جائے گی؟ آپؑ نے فرمایا: جب کوئی شخص اللہ و رسول کے قانون کو ہاتھ میں لے اور زمین میں فساد برپا کرے اور کسی کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ اور قتل کرے اور مال بھی چھینے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور سولی دی جائے گی اور اگر صرف مال چھینا ہے قتل نہیں کیا تو اس کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹے جائیں گے اور اگر ہتھیار بند ہو کر اللہ اور رسول کے قانون کو کھلونا بنانے کی کوشش کی اور امن عامہ میں خلل ڈالا مگر قتل نہ کیا اور نہ مال چھینا تو اس کو شہر بدر کر دیا جائے گا۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی زیر بحث آیت کے متعلق پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا:

اذا قتل ولم یحارب ولم یأخذ المال قتل، واذا حارب وقتل، قتل وصلب فاذا حارب واخذ المال ولم یقتل قطعت یدہ ورجلہ فاذا حارب ولم یقتل ولم یاخذ المال، نفی [2] "امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر قانون شکن نے قتل کیا ہے اور مال نہیں چھینا تو قتل کیا جائے گا۔ اور اگر ہتھیار بند ہو کر ڈرایا دھمکایا ہے اور قتل کیا ہے تو قتل کیا جائے گا اور سولی بھی دی جائے گی اور اگر قتل نہیں

---

[1] تفسیر المیزان ج ۵ ص ۳۳۹ [2] من لایحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۴۹، فروع کافی ج ۷ ص ۲۴۶،

کیا ہے صرف مال چھینا ہے تو اس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر ہتھیار بند ہو کر امن عامہ میں خلل ڈالتا رہا ہے اور لوگوں کو ڈراتا دھمکاتا رہا ہے تو اس کو خارج البلد کیا جائے گا۔"

"محارب" کی سزا کے سلسلے میں قاضی اور حاکم کو اختیار بھی دیا گیا ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق چاروں سزاؤں میں سے کوئی مناسب سزا دے دے۔ چنانچہ جمیل بن دراج کہتے ہیں کہ: سئلت أباعبدالله علیه السلام عن قول الله عزوجل انما جزآء الذین یحاربون الله و رسوله الآیة فقلت: ای شئی علیهم من هٰذا الحدود التی سمّی الله؟ قال ذٰلك إلی الامام إن شاء قطع وان شاء صلب وان شاء قتل وان شاء نفی (له)" میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے قولِ خدا "انما جزآء الذین یحاربون الله ورسوله" کے بارے میں پوچھا اور عرض کیا کہ جو سزائیں خداوند عالم نے مقرر فرمائی ہیں ان میں سے محارب کو کونسی سزا دی جائے گی؟ تو آپ نے فرمایا: یہ امام کا اختیار ہے چاہے تو ہاتھ پیر کاٹ دے، چاہے سولی دے دے اور مناسب سمجھے تو قتل کر دے یا جلاوطنی کا حکم دے دے۔

آیۃ اللہ جناب خمینی مدظلہ نے محارب کی سزا کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے:

الاقوی فی الحد تخییر الحاکم بین القتل والصلب والقطع مخالفاً والنفی ولایبعد ان یکون الاولیٰ له ان یلاحظ الجنایة ویختار ما یناسبها فلو قتل اختار القتل أو الصلب ولو أخذ المال اختار القطع ولو شهر بالسیف واخاف فقط اختار النفی [2]

---

[1] تہذیب الاحکام ج ۱۰ ص ۱۳۲، الاستبصار ج ۴ ص ۲۵۶، فروع کافی ج ۷، ص ۲۴۶

[2] تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۹۳

"محارب کی سزا کے تعلق میں حاکم کو اختیار ہے کہ مناسب سمجھے تو قتل کر دے یا سولی پر لٹکا دے یا داہنا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دے یا جلا وطن کر دے اور حاکم کے لئے مناسب اور افضل یہ ہے کہ وہ جرم کی نوعیت اور کیفیت پر نظر ڈالے اور جرم کی مناسبت سے سزا تجویز کر دے، پس اگر محارب نے قتل کیا ہے تو قتل کر دے یا سولی پر لٹکا دے اور اگر مال چھینا ہے تو ہاتھ پیر کاٹ دے اور اگر ہتھیار بند ہو کر عوام کو خوفزدہ کرتا رہا ہے تو شہر بدر کر دے۔"

آیت اللہ العظمیٰ سرکار ابو القاسم الخوئی دامت ظلالہٗ نے اسی طرح افادہ فرمایا ہے [1]

سولی کے احکام

اگر ڈاکو اور رہزن کو سولی دی جائے تو اس کو تین دن سے زیادہ سولی پر نہیں رکھا جا سکتا، چوتھے دن اس کو سولی سے اُتار کر غسل و کفن اور نماز کے بعد دفن کر دیا جائے گا۔ دراصل سولی کا مقصد تو یہی ہے کہ معاشرے کے بدنفس اور شورہ پشت لوگ اس منظر سے عبرت حاصل کریں اور اگر ارتکاب جرم کا خیال دل و دماغ کے کسی گوشے میں موجود ہو تو اس عبرت خیز منظر کے ملاحظہ سے عواقب اور نتائج کے پیش نظر ختم ہو جائے اور یہ مقصد تین دن میں بدرجہ اتم پورا ہو سکتا ہے کہ گرد و پیش اور دور و نزدیک کے لوگ ارتکاب جرم کے وبال اور نتیجہ کو دیکھ سکتے ہیں۔

قال الصادق علیه السلام: المصلوب ينزل عن الخشبة بعد ثلاثة ايام ويغسل ويدفن ولا يجوز صلبه اكثر من ثلاثة ايام وفي رواية السكوني عن جعفر بن محمد عن ابيه عليهم السلام ان عليًّا عليه السلام صلب رجلا بالحيرة ثلاثة ايام ثم انزله

---

[1] مبانی تکملۃ المنہاج ج اول ص۳۱۸۔

یوم الرابع فصلی علیہ ودفنہ (۱)" امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: مصلوب سولی سے تین دن کے بعد اتار لیا جائے گا اور غسل دیا جائے گا اور دفن کر دیا جائے گا۔ اور تین دن سے زیادہ سولی پہ چڑھائے رکھنا جائز نہیں ہے اور سکونی کی روایت میں امام جعفر صادق اور امام محمد باقر علیہما السلام کا ارشاد بیان کیا گیا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ایک شخص کو "حیرہ" میں تین دن تک سولی پہ چڑھائے رکھا پھر چوتھے دن اسے اتارا، اس پہ نماز پڑھی اور اسے دفن کر دیا۔"

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بھی بیان فرمائی ہے کہ: لا تدعوا المصلوب بعد ثلاثۃ ایام حتی ینزل ویدفن (۲) "جس شخص کو سولی دی گئی ہے اسے تین دن کے بعد سولی پر نہیں رکھا جائے گا بلکہ اتار کر دفن کر دیا جائے گا۔" علامہ قزوینی نے احادیث معصوم کا مفہوم ان لفظوں میں ادا فرمایا ہے: لا یترک المصلوب علی خشبۃ صلبہ زیادۃ علی ثلاثۃ ایام بل ینزل بعدھا ویجری علیہ احکام الاموات ان کان مسلماً (۳) مصلوب کو سولی پہ تین دن سے زیادہ نہیں رکھا جائے گا بلکہ تین دن کے بعد اسے اتار دیا جائے گا۔ اور اگر مسلمان ہو تو مُردوں کے احکام اس پہ جاری کئے جائیں گے۔" آیۃ اللہ العظمیٰ سرکار خوئی اور آیۃ اللہ خمینی نے بتغیر الفاظ یہی کچھ افادہ فرمایا ہے (۴)

---

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۴۸، فروع کافی ج ۷، ص ۲۴۶، وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۵۴۱، (۲) وسائل الشیعہ ج ۱۸، ص ۵۴۱، (۳) الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم ص ۳۴۷ (۴) مبانی تکملۃ المنہاج ج اول ص ۳۳۲، تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۶۲۳

محارب کی جلاوطنی

جیسا کہ قرآن کریم کی آیت میں واضح طور پر کہا گیا ہے اور آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ جو ڈاکو قتل اور لوٹ مار کا ارتکاب نہ کریں صرف امن عامہ میں خلل ڈالتے رہیں اور ہتھیار بند ہو کر عوام میں خوف وہراس پیدا کرتے رہیں تو یہ شر پسند عناصر شہر بدر رکئے جائیں گے قرآن کریم کے حکم میں کوئی خفا نہیں ہے "نفی" کا تعدیہ "من" سے کیا گیا ہے جس کے معنی لغت اور عرف میں خارج البلد کرنے کے ہیں۔ جہاں تک اُمت مسلمہ کے افاضل کا تعلق ہے کم وبیش سب نے "او ینفوا من الارض" کا ترجمہ "اخراج بلد" کیا ہے اور ایک حد تک اس معنی پر اجماع کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔ جناب محمود الحسن دیوبندی نے "او ینفوا من الارض" کا ترجمہ فرمایا ہے: "یا دور کر دیئے جاویں اس جگہ سے" مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے "کہیں اور لے جا کر قید کر دیں۔ کما ھو مذہب امام ابو حنیفہ (لہ) مولانا شبیر احمد عثمانی کا یہ فرمان کہ ڈاکو کو کہیں اور لے جا کر قید کر دیا جائے ترجمہ نہیں تعبیر ہے اور تعبیر بھی بلا دلیل صرف اس لئے کہ امام ابو حنیفہ نے اس رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ جناب مولانا اشرف علی تھانوی نے "او ینفوا من الارض" کا ترجمہ "یا زمین پر سے نکال دیئے جائیں" کیا ہے (لہ) مولانا شاہ رفیع الدین نے اس آیت کا ترجمہ فرمایا ہے "یا کھونے جاویں زمین سے یعنی قید رکھے جاویں" (ٹہ) لفظ 'یعنی' اس بات کی دلیل ہے کہ "قید رکھے جاویں" کا جملہ تعبیری ہے جو فقیاس کی کرشمہ سازی ہے۔ مولانا فتح محمد خان جالندھری نے اس کا ترجمہ "یا ملک سے نکال دیئے جائیں" کیا ہے (ٹہ) مولانا مفتی احمد رضا خان بریلوی نے اس کا ترجمہ کیا ہے "یا زمین سے دور کر دیئے جائیں (ٹہ) مولانا شاہ عبد القادر محدث دہلوی نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا ہے:

لہ القرآن ص ۱۹۶-۱۹۹، لہ القرآن ص ۱۰۱، ٹہ ترجمۃ القرآن ص ۱۳۷
ٹہ ترجمۃ القرآن ص ۴۹ ٹہ القرآن ص ۱۶۴

"یا دور کر دیں اس ملک سے" (سے) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے مذکورہ آیت کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے: "یا وہ جلا وطن کر دیئے جائیں" (سے) جناب پیر محمد کرم شاہ نے ترجمہ فرمایا ہے "یا جلا وطن کر دیئے جائیں۔ تفسیری نوٹ میں پیر صاحب فرماتے ہیں: محاربین جن کی سزائیں یہاں بیان کی گئی ہیں وہ کون ہیں؟ ان کے متعلق فقہاء کرام نے کہا ہے کہ جن میں یہ تین شرطیں پائی جائیں وہ محارب ہیں:

(۱) وہ بندوق، تلوار، نیزہ وغیرہ ہتھیاروں سے مسلح ہوں۔

(۲) آبادی سے راستے یا صحرا میں وہ راہزنی یا ڈاکے کا ارتکاب کریں۔ لیکن امام شافعی، اوزاعی اور لیث رحمھم اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہر میں ڈاکہ ڈالنے والے بھی محارب کہلائیں گے اور انہی سزاؤں کے مستحق ہوں گے۔

(۳) وہ چھپ کے نہیں بلکہ برملا حملہ آور ہو کر لوٹ مار کریں (سے)

مولانا عبد الماجد دریابادی نے "او ینفوا من الارض" کا ترجمہ کیا ہے "یا وہ ملک سے نکال دیئے جائیں"۔ اور تفسیری وضاحت میں فرمایا ہے۔ ملک سے نکال دیئے جانے سے مراد ایک تو جلا وطنی ہے دوسرے یہ کہ مجرم ملک میں آزادانہ چلنے پھرنے نہ پائیں، ان کی آزادی سلب کر لی جائے اور وہ قید خانے میں بند کر دیئے جائیں۔ فقہاء حنفیہ نے آخری معنی اختیار کیے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جلا وطنی کی صورت میں مجرم یا تو کسی دوسرے اسلامی شہر میں چلا جائے گا تو وہاں جا کر فتنہ و فساد کا باعث بنے گا یا اگر دار الحرب چلا گیا تو وہاں دشمنان اسلام کی تقویت کا سبب بن جائے گا۔ اس لیے یہاں مراد حبس اور قید ہی ہے" (سے)

"ترجمان القرآن" کے مقالہ نگار نے بھی اسی قسم کا دلچسپ افادہ فرمایا ہے: اگر مجرم نے

لے قرآن مجید ص۱۹۴ سے تفہیم القرآن ج اول ص۴۶۵

سے ضیاء القرآن ج اول ص۴۶۳ سے ترجمہ قرآن ص۲۵۱

صرف ڈرانے اور دھمکانے پر اکتفا کیا ہو تو اس کو پیٹنے کے بعد قید کیا جائے گا۔
یہاں تک کہ وہ سچی توبہ کرے یا مر جائے۔ سچی توبہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس سے نیک بن جانے کی علامات ظاہر ہوں۔ اس سزا کی بنیاد قرآن کریم کی آیت "او ینفوا من الارض" پر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قطع الطریق کے مجرم کو زمین سے نکال دیا جائے۔ زمین سے نکالنے کا مفہوم کیا ہے۔ بعض کے نزدیک مجرمین کو دار الاسلام سے نکالنا ہے، بعض کہتے ہیں کہ جس مقام پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے وہاں سے مجرمین کو نکالنا ہے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قسم کے معاملات میں یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اگر مجرم کو ارتکاب جرم کے علاقے سے نکال کر دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ وہاں کے لوگوں کو ستانے لگا۔ اس لئے ایسے لوگوں کو قید خانے میں بند کر دینا چاہیئے۔ یہی زمین سے نکالنا ہے امام ابو حنیفہ نے اسی مسلک کو اختیار فرمایا ہے۔ (لہ)

ان دونوں بیانوں میں قیاس در قیاس کی کار فرمائی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ "نفی من الارض" کے معنی "قید" محاورۂ عرب اور بلاغت قرآن کے خلاف ہیں۔ قرآن مجید مسلمہ طور پر بلیغ ترین کتاب ہے۔ مسلمانوں کا تو ذکر کیا ہے مشرکوں اور دہریوں نے بھی اس کی بلاغت کا لوہا مانا ہے۔ "کلام بلیغ" اس کلام کو کہتے ہیں جس کا مفہوم سمجھنے میں سامع اور مخاطب اضطراب کا شکار نہ ہو اور وہ بآسانی متکلم کے مفہوم کو سمجھ جائے۔ معانی و بیان کی کتابیں موجود ہیں، مختصر المعانی، مطول حتیٰ کہ دروس البلاغۃ میں اور فارسی، اُردو کی اس موضوع سے متعلق تالیفات میں اس حقیقت کو دیکھا جا سکتا ہے۔
بلاغت قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ "نفی من الارض" سے شہر بدری سمجھی جائے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو حنیفہ کے علاوہ ہر زمانے کے علماء نے وہ اسلام کے کسی فرقے سے تعلق

لہ ترجمان القرآن بابت ماہ اپریل ۱۹۷۸ء صفحہ ۳ تا ۱۱۔

رکھتے ہوں یہی مطلب سمجھا ہے۔ اگر محارب کو قید کرنا مطلوب خداوندی ہوتا تو
"اور حبس" کے مشتقات کو آسانی سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لفظ "نفی"
کا انتخاب خود اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ یہاں اخراج عن البلد مراد ہے۔
قید خانے میں ڈالنے کے بعد سچی توبہ کی علامتوں کا ظہور اور احساس بھی بڑا
دلچسپ ہے۔ سلبِ اختیار کے بعد نیک عمل کا ادراک، قیاس ہی کی عجبانگیزی ہے!
دنیا جانتی ہے کہ قید خانے میں بڑے سے بڑا بدمعاش بھی نیک بننے کی کوشش کرتا
ہے۔ سچی توبہ کا احساس وادراک صرف شہر بدر کرنے سے ہی ہو سکتا ہے کہ انسان
اپنے افعال میں مختار رہتا ہے۔ یہ "نتیجہ" کہاں سے نکال لی گئی ہے ...؟ یہ بھی سمجھ
میں آنے والی بات نہیں ہے۔ خارج البلد ہونے کی صورت میں مزید فساد کرنے کا امکان
بھی محض قیاس کا کرشمہ ہے اس لئے کہ شہر بدری بے نتھے بیل کی طرح نہیں کی جائے گی۔
بلکہ ضوابط اور قواعد پہ عمل کیا جائے گا۔ جن کی تفصیل مناسب مرحلے پہ آ رہی ہے۔
حضرت عمرؓ کا حوالہ بے بنیاد معروض ہوتا ہے کہ ان کے ارشاد کے سلسلے میں کسی
کتاب کی طرف رہنمائی نہیں کی گئی ہے جس سے افسانے اور حقیقت کا تجزیہ کیا جا سکے تاہم
یہ مسلّم ہے کہ حضرت عمرؓ احکام اسلام سے مکمل طور پر واقف نہ تھے اور وہ اپنی اس کمزوری کے
تعلق میں اپنے معاشرتی اور سیاسی مرتبے کو آڑے نہیں آنے دیتے تھے بلکہ اخلاقی جرأت
کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ: "دینی مسائل تو پردہ نشین عورتیں بھی عمرؓ سے
زیادہ جانتی ہیں"۔ آپ عام طور سے دینی احکام کے تعلق میں اصحاب کرام خصوصاً حضرت
علی علیہ السلام سے دریافت حقیقت کیا کرتے تھے اور اگر حضرت علی علیہ السلام سے پوچھے بغیر
کوئی غلط حکم دے دیا تو امیر المومنین علیہ السلام اس کی اصلاح فرمادیا کرتے تھے جس پر
حضرت عمرؓ شکریہ ادا کرتے تھے۔ تاریخ اسلام میں یہ ریکارڈ موجود ہے کہ حضرت عمرؓ نے
کئی مرحلوں پر فرمایا: "لولا علی لھلک عمر" اور یہ بھی فرمایا کہ "خدا مجھے اس

دن کے لئے نہ رکھے جس دن کوئی مشکل مسئلہ پیش آئے اور ابوالحسنؑ اس کے حل کرنے کے لئے موجود نہ ہوں ۔ خود چور کی سزا کا علم حضرت عمرؓ کو نہیں تھا جیسا کہ ترجمان القرآن کے مقالہ نگار نے "مرقاۃ المفاتیح ج ، ص۱۹۶ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارق کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو سب نے حضرت علیؑ کے قول پر اجماع کیا (لہ) ظاہر ہے کہ اگر حضرت عمرؓ کو سارق کی سزا کی تفصیل معلوم ہوتی تو صحابہ کرام سے مشورہ کیوں فرماتے ....؟ صحابہ کرامؓ نے بھی حضرت علی علیہ السلام سے ہی چور کی سزا کا علم حاصل کر کے اس پر اجماع کر لیا اس صورت حالات میں حضرت عمر کا "نفی" کے معنی جس کو نا محض الحاق محسوس ہوتا ہے ۔ (حضرت علی علیہ السلام نے اپنے زمانے میں اس قسم کے محارب کو جلا وطنی کی سزا دی ہے) اگر حضرت عمر اپنے زمانے میں قید کی سزا دیتے تو یہ ناممکن تھا کہ حضرت علی علیہ السلام نہ روکتے اور نہ ٹوکتے اور اگر روکا ٹوکا نہیں تھا تو یہ ممکن تھا کہ ایسے شخص کو اپنے زمانے میں خارج البلد کرتے .....!! حضرت عمرؓ کا احکام اسلام سے واقف نہ ہونا تعجب انگیز بات نہیں ہے اس لئے کہ حضرت عمرؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جبکہ مدینے میں ہوا کرتے تھے ایک دن کا فاصلہ دے کر آیا کرتے تھے ۔ اصل میں آپ نے اپنے دینی بھائی سے یہ طے کر لیا تھا کہ ایک دن وہ دربار رسالت میں جائیں گے اور ایک دن خود حضرت عمر، اس کے علاوہ آپ کاروبار کے سلسلہ میں اکثر مدینے سے باہر رہتے تھے، شادی بیاہ اور مرنے جینے کی مصروفیتیں بھی ہوتی تھیں اور جب دربار رسالت میں حاضر ہوتے تھے تو مسئلہ مسائل پوچھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زحمت دینا مناسب نہیں سمجھتے تھے ۔ جہاں تک حضرت علی علیہ السلام کا تعلق ہے وہ مستقل طور پر

لہ ترجمان القرآن بابت ماہ فروری ۱۹۷۸ء ص۱۶ ۔

رسول اللہ کے ذہن کا جیتا جاگتا مرقع تھے۔ کم وبیش ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور احکام اسلام پوچھتے رہتے تھے اگر کبھی حضرت علی علیہ السلام خاموش رہتے تو خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تبلانا شروع کر دیتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ ذقنی رسول اللہ ذقاً یعنی مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حقائق دینیہ بعینہٖ منتقل فرما دیئے تھے۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی "انا مدینۃ العلم وعلی بابہا" کہہ کر اعلان فرما دیا کہ میرے ذہن کا ظہور اور اس کا حصول حضرت علی علیہ السلام کی معرفت ہی ممکن ہے۔ احکام اسلام پر امیر المومنین علیہ السلام کی کامل گرفت کا اعلان شارع اسلام نے ان الفاظ میں فرمایا" اقضاکم علیٰ" حلقہ درس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شرکا میں حضرت علی علیہ السلام سب سے بڑے قاضی ہیں یعنی احکام اسلام کی روح اور اس کی عملی شکلوں کو رسولؐ اللہ کے اعتماد اور بھروسے کے مطابق جانتے ہیں، لہٰذا جب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے دور اقتدار میں جلاوطنی کی سزا دی ہے تو "حبس وقید" معنی قرار دینا قیاس محض ہے اور کسی مجتہد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دور رسول واصحاب رسول گزر جانے کے برسوں بعد "نفی" سے "حبس وقید" مراد لے جس کی تائید مسلمانوں کا کوئی فقہی اسکول نہیں کرتا.... !! ہمارے زمانے میں صرف وہ لوگ تائید فرما سکتے ہیں جو اندھی تقلید کی بیماری میں مبتلا ہیں اور دماغی وذہنی انجماد کا شکار ہو چکے ہیں۔ بہر حال "اؤ ینفوا من الارض" کے معنی جلاوطنی اتنے واضح ہیں کہ "حبس وقید" مراد لینے والے بھی ترجمے میں "جلاوطنی" کا لفظ استعمال کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

علامہ سیوطی نے افادہ فرمایا ہے: واخرج ابن جریر عن سعید بن جبیر فی الآیۃ (انما یحاربون اللہ ورسولہ الآیہ) قال من اخاف سبیل

المومنين نفى من بلد إلى غيره (لہ) "سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کی گزرگاہوں میں امن و امان کا سوال پیدا کر دیں ان کو اس شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکال دیا جائے گا۔ ومن اخاف ا‌ا ولم ياخذ المال نفى من الارض وهذا قول الاكثرين من العلماء، وهو مذهب الشافعى (رحمۃ اللہ علیہ) اور راستوں کو خطرناک بنا دے اور لوٹ مار نہ کرے تو اس سرزمین سے نکال دیا جائے گا اور یہ قول علماء کی اکثریت کا ہے اور جناب شافعیؒ کا مختار ہے۔"

علامہ جار اللہ زمخشری فرماتے ہیں:

أو ينفوا من الارض، والنفى، الحبس عند أبى حنيفه وعند الشافعى النفى من بلد إلى بلد وكانوا ينفونهم إلى "دهلك" وهو بلد فى اقصى تهامة و"ناصع" وهو بلد من بلاد الحبشة (سہ) "ابو حنیفہؒ کے نزدیک "نفی" کے معنی قید ہیں اور شافعیؒ کے نزدیک نفی کے معنی ہیں "شہر بدر کر دینا" اور حکام اور خلفاء اس قسم کے مجرموں کو "دھلک" بھیج دیا کرتے تھے جو تہامہ کے دور افتادہ علاقے میں ہے اور کبھی "ناصع" بھیج دیا کرتے تھے جو حبشہ کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔

اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ جناب ابو حنیفہ کی رائے پر کوئی عمل نہیں کیا کرتا تھا بلکہ مفاد قرآن کے مطابق صاحبان اقتدار مجرموں کو خارج البلد کر دیا کرتے تھے۔

قال سعيد بن جبير وابو اشعثاء والحسن والزهرى والضحاك ومقاتل بن حيان انه ينفى ولا يخرج من ارض الاسلام إلى ان قال

لہ الدر المنثور ج ۲ ص ۲۷۹   ۲ہ تفسیر کبیر رازی ج ۱۱ ص ۲۱۹

۳ہ تفسیر کشاف ج ۱ ص ۲۵۵

واختار ابن جریر ان المراد بالنفی ههنا ان یخرج من بلده الی بلد اٰخر ویسجن فیه [۱] سعید بن جبیر، ابوالشعثاء، حسن زہری، ضحاک اور مقاتل نے کہا ہے کہ مجرم کو خارج البلد کیا جائے گا لیکن مسلمانوں کے علاقے سے باہر نہیں نکالا جائے گا اور ابن جریر نے "ینفوا من الارض" کے معنی یہ فرماتے ہیں کہ وہ متعلقہ شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکال دیا جائے گا اور وہاں قید کر دیا جائے گا۔"

جناب عبد اللہ بن عمر البیضاوی نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے

"اوینفوا من الارض" ینفوا من بلد الی بلد بحیث لایمکنون من القرار فی موضع ان اقتصر علی الاخافة [۲] "خوفزدہ کرنے والے مجرموں کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف اس طرح خارج کیا جائے گا کہ وہ کہیں ٹھہر نہ سکیں۔"

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

المراد بالنفی عندنا ھو الحبس أو السجن وعند الشافعی علیہ الرحمة المراد بہ النفی من بلد الی بلد ولا یزال یطلب وھارب فرقا الیٰ أن یتوب ویرجع وبہ قال ابن عباس والحسن والسدی رضی اللہ تعالیٰ عنھم وابن جبیر وغیرھم [۳] "نفی سے مراد ہمارے نزدیک قید و بند ہے اور شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک نفی کے معنی یہ ہیں کہ مجرم کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکالا جائے گا اور برابر اس کی دیکھ بھال رکھی جائے گی اور وہ ڈر کے مارے بھاگتا پھرے گا یہاں تک کہ توبہ کرے اور واپس بلا لیا جائے۔ اور یہی کچھ حسن، ابن عباس، سدی ابن جبیر وغیرہ

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۱ [۲] تفسیر انوار التنزیل ج ۱ ص ۲۷۳ [۳] تفسیر روح المعانی ج ۶ ص ۱۰۴

نے فرمایا ہے:

مذکورہ تفصیل سے یہ محسوس و مشاہد ہے کہ "نفی" کے حقیقی معنی "خارج البلد" کرنا ہیں۔ آیئے اس سلسلہ میں اہل بیت کے نقطۂ نظر کو بھی دیکھ لیں:

جناب اسحاق مدائنی نے حضرت امام رضا علیہ السلام کا ارشاد اس طرح بیان کیا ہے:

وان شهر السيف فحارب الله ورسوله وسعى فى الارض فسادا ولم يقتل ولم ياخذ المال نفى من الارض؛ فقلت: كيف ينفى؟ وماحد نفيه؟ قال ينفى من المصر الذى فعل فيه ما فعل إلى مصر غيره ويكتب إلى اهل ذلك المصر بانه منفى فلا تجالسوه ولا تبايعوه ولا تناكحوه ولا تؤاكلوه ولا تشاربوه فيفعل ذلك به سنة فان خرج من ذلك المصر إلى غيره كتب إليهم بمثل ذلك حتى تتمت سنة؛ قلت: فان توجه إلى ارض الشرك ليدخلها؟ قال ان توجه إلى ارض الشرك ليدخلها قوتل اهلها۔[۱] "اگر کسی نے ہتھیار بند ہو کر قانون خدا و رسول کو ہاتھ میں لیا اور زمین میں فساد برپا کیا، تاہم نہ کسی کو قتل کیا، نہ کسی کا مال لوٹا تو اس کو اس سرزمین سے نکال دیا جائے گا۔ راوی نے پوچھا وہ کس طرح خارج البلد کیا جائے گا اور شہر بدری کی کیفیت کیا ہوگی؟ امام نے فرمایا جس شہر میں ارتکاب جرم کیا ہے وہاں سے کسی دوسرے شہر کی طرف نکالا جائے گا اور اس شہر والوں کو لکھ دیا جائے گا کہ فلاں شخص خارج البلد ہے تو تم اس سے نہ میل ملاقات کرو، نہ اس سے خرید و فروخت کرو، نہ اس سے رشتہ جوڑو اور نہ اس کے ساتھ کھاؤ پیو۔ یہ طرز عمل ایک سال تک جاری رہنا چاہیے پس اگر وہ اس شہر سے نکل کر کسی دوسرے شہر کی طرف چلا جائے تو اس شہر کے باشندوں کو بھی مذکورہ تفصیلات

---

[۱] تفسیر المیزان ج ۵ ص ۳۵۹

لکھدی جائیں۔ یہاں تک کہ سال پورا ہو جائے۔ راوی نے عرض کیا کہ اگر وہ مشرکوں کے علاقے میں جانے کی کوشش کرے تو.....؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر وہ مشرکوں کے علاقے میں داخل ہو جائے تو مشرکوں سے جنگ کی جائے گی۔

علامہ محسن فیض کاشانی نے مذکورہ حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مشرکوں سے جنگ اس صورت میں کی جائے گی کہ وہ محارب کو سرپرستی اور تحفظ دیں اور اسے مسلمانوں کے حوالے نہ کریں۔

انّما یقاتل اھلھا اذا ارادوا استلحاقہ إلی انفسھم وأبوا اَن یسلموہ إلی المسلمین لیقتلوہ وھذا معنیٰ قوتل أھلھا" [1] ظاہر ہے کہ کہ اس صورت حالات میں مشرکوں کا یہ عمل اعلان جنگ قرار پا جائے گا"

"اَو ینفوا من الارض" کی توضیح کے تعلق میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد اس طرح نقل کیا گیا ہے:

وان حارب اللہ وسعیٰ فی الارض فساداً ولم یقتل ولم یاخذ من المال، نفی من الارض۔ قال قلت: وما حد نفیہ؟ قال سَنة ینفی من الارض التی فعل فیھا إلی غیرھا ثم یکتب إلی ذلك المصر بانہ منفی فلا تواکلوہ ولا تشاربوہ ولا تناکحوہ حتی یخرج إلی غیرہ فیکتب الیہ ایضاً بمثل ذلك فلا یزال ھذہ حالہ سنة فاذا فعل بہ ذلك تاب وھو صاغر۔ [2] " اگر کوئی اللہ و رسول کے قانون کو ہاتھ میں لے اور زمین میں فساد برپا کرے مگر نہ تو قتل کرے اور نہ مال چھینے تو اس کو شہر بدر کیا جائے گا۔ راوی کہتا ہے میں نے پوچھا شہر بدری کی تفصیلات کیا ہوں گی؟

---

[1] تفسیر صافی ج ۱ صفحہ ۴۴۱   [2] تہذیب الاحکام ج ۱۰ ص ۱۳۲، الاستبصار ج ۴ ص ۲۵۶۔

فرمایا: جس علاقے میں اس نے یہ حرکت کی ہے اس سے دوسرے شہر کی طرف نکال دیا جائے گا اور اس شہر کے باشندوں کو لکھدیا جائے گا کہ فلاں شخص خارج البلد ہے نہ اس کے ساتھ کھاؤ، نہ پیو اور نہ شادی بیاہ کرو یہاں تک کہ وہ دوسرے شہر کی طرف نکال دیا جائے تو اس دوسرے شہر والوں کو بھی ایسا ہی کچھ لکھدیا جائے۔ یہ صورتحال اس کے لئے ایک سال تک رہے گی اور جب یہ طرز عمل اس کے ساتھ رکھا جائے گا تو وہ معاشرہ میں ذلیل و رسوا ہو کر توبہ کرے گا۔"

حضرت امام رضا علیہ السلام کا ارشادِ گرامی اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

یفعل ذلك سنة فانه سیتوب قبل ذلك وهو صاغر قلت: فان ام ارض الشرك یدخلها؟ قال یقتل [1]" خارج البلد محارب کے ساتھ مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) کا سلسلہ ایک سال تک جاری رکھا جائیگا. توقع کی جاتی ہے کہ وہ معاشرے میں ذلیل ہو کر توبہ کرے گا۔ راوی نے عرض کیا اگر وہ سرزمین شرک میں داخل ہونے کا ارادہ کرے؟ آپ نے فرمایا اس کو قتل کر دیا جائیگا۔"

علامہ محمد حسین طباطبائیؒ نے اپنی تفسیر المیزان میں نفی" کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: وأمّا قوله" او ینفوا من الارض" هو الطرد والتغییب وفسر فی السنة بطرده من بلد الی بلد [2]" اور ارشاد خداوندی" أو ینفوا من الارض" کے معنی ہیں شہر بدری اور جلاوطنی اور حدیث معصوم میں شہر بدری کی تفصیل ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکالنے سے کی گئی ہے۔"

---

[1] تہذیب الاحکام ج ۱۰ ص ۱۳۳ ، فروع کافی ج ۷ ص ۲۴۶

[2] المیزان ج ۵ ص ۳۵۵

سرکار آیۃ اللہ خمینی نے ارشادات صاحبان عصمت سے استنباط کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اذا نفی المحارب عن بلدہ إلی بلد آخر یکتب الوالی إلی کل بلد یأوی الیہ بالمنع عن مواکلتہ و معاشرتہ ومبایعتہ و مناکحتہ ومشاورتہ والاحوط ان لا یکون أقل من سنۃ وان تاب، ولو لم یتب استمر النفی إلی ان یتوب ولو اراد بلاد الشرک یمنع منھا، قالوا وإن مکنوہ من دخولھا قوتلوا حتی یخرجوہ۔ [1]

"جب ڈاکو کو اپنے شہر سے دوسرے شہر کی طرف دیس نکالا دیا جائے گا تو اس شہر کا حاکم دوسرے تمام شہروں کے حکام کو لکھے گا کہ مجرم کے ساتھ نہ کوئی کھائے پیئے، نہ ملے جلے، نہ خرید و فروخت کرے، نہ شادی بیاہ کرے اور نہ رائے مشورہ میں شامل کرے۔ اور افضل یہ ہے کہ یہ طرز عمل ایک سال تک جاری رکھا جائے اگرچہ وہ توبہ ہی کیوں نہ کرے، اور اگر توبہ نہ کرے تو جلا وطنی و توقع توبہ تک جاری رہے گی (یعنی ایک سال کے ختم ہونے کے بعد جب بھی توبہ کرے گا جلا وطنی کا حکم ختم کر دیا جائے گا) اور اگر بلاد شرک میں جانے کا ارادہ کرے تو اس کو روکا جائے گا اور فرمایا ہے کہ اگر مشرکین اس کو اپنے شہروں میں داخل ہونے دیں تو ان سے جنگ کی جائے گی یہاں تک کہ وہ اسے نکال باہر کریں۔"

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سرکار ابوالقاسم الخوئی نے اپنا استنباط زیر نظر لطیف انداز میں حوالۂ قرطاس فرمایا ہے:

ینفی المحارب من مصر إلی مصر و من بلد إلی آخر ولا یسمح لہ بالاستقرار علی وجہ الارض ولا امان لہ ولا یبایع ولا یؤوی ولا

[1] تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۹۴

يطعم ولا يتصدق عليه حتى يموت ¹

"مجرم ایک علاقے سے دوسرے علاقے اور ایک شہر سے دوسرے کی طرف نکالا جائے گا اور اسے کسی سرزمین میں قیام پذیر نہیں ہونے دیا جائے گا، نہ اسے امان دی جائے گی، نہ اس کے ساتھ خرید وفروخت کی جائے گی، نہ پناہ دی جائے گی، نہ کھانے کو دیا جائے گا اور نہ صدقہ خیرات سے اس کی مدد کی جائے گی۔ یہ صورت حالات اس کی موت تک جاری رہے گی۔"

مذکورہ تفاصیل کے مطالعے اور ملاحظے کے بعد ہر باسواد آدمی سمجھ سکتا ہے کہ وہ شبہات جو مولانا عبدالماجد دریا بادی اور ترجمان القرآن کے مقالہ نگار نے بعض قیاس پسند فقہاء کے حوالے سے تحریر فرمائے ہیں قوت واہمہ کی کارفرمائی ہے، اس لئے کہ کوئی جلاوطن اپنے متعارف علاقے سے ہٹ کر اور اجنبی شہر میں جاکر ارتکاب جرم نہیں کر سکتا، ارتکاب جرم کے لئے پناہ گاہوں، راستوں اور علاقے کے متعلق عمومی معلومات کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ جب ایسے شخص کے خارج البلد ہونے کا اعلان کر دیا جائے گا تو کوئی مسلمان اسے تعاون نہیں دے سکتا وہ تالابوں، نہروں اور دریاؤں سے پانی پیئے گا، اور جنگلوں کے پھل پھلاری اور گھاس پھوس کھانے پہ مجبور ہوگا اس صورت حالات میں کون ارتکاب جرم کا حوصلہ کر سکتا ہے...؟

جہاں تک قید کا تعلق ہے تو اسلام نے شاذ ونادر ہی قید کی سزا تجویز فرمائی ہے اور ہمارے زمانے میں تو قید کی سزا، جرم کی تربیت گاہ بھیجنا ہے۔ جیل خانوں میں ارتکاب جرم کے بڑے بڑے مختصص "تازہ واردان قید خانہ کو ہر طرح کی رہنمائی مہیا کرتے ہیں اور مجرم سزا کاٹنے کے بعد زیادہ طراری سے ارتکاب جرم کرتا ہے۔

---

¹ مبانی تکملۃ المنہاج ج اول ص ۳۲۲ تا ص ۳۲۴

تلاش بسیار کے بعد بھی کوئی ایسا شخص نہ ملے گا جو ایک دفعہ کی قید و بند کے بعد ارتکاب جرم سے باز رہا ہو بلکہ یہ دیکھا گیا ہے کہ جیل خانے کا ماحول ایک خام کار مجرم کو ماہر مجرم بنا دیتا ہے۔ انسانی فطرت کو خداوند عالم سے بہتر کون جانتا ہے اسی لئے اسلامی سزاؤں میں قید کی سزا شاذ و نادر ہی تجویز ہوئی ہے اور عام طور سے اسلام میں قید کی سزا مجرموں کو دائمی دی جاتی ہے تاکہ وہ جیل ہی میں مر جائیں اور معاشرہ ان کی شرارتوں سے ہر حالت میں محفوظ رہے اس لئے "نفی" کے معنی "حبس و قید" اسلامی قانون سزا کی روح کے منافی ہیں اور اسی لئے فقہاء حنفیہ کے علاوہ پورے عالم اسلام نے "اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ" کے معنی جلاوطنی کئے ہیں، کوئی وجہ نہیں ہے کہ عالم اسلام کے متفقہ فیصلے کو نظرانداز کر کے پاکستان میں چند لوگوں کے قیاس کو نافذ اور مسلط کیا جائے۔

محاربت کا ثبوت

مجرم کے جرم کا ثبوت اس کے ایک مرتبہ یا زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ اقرار سے یا دو عادل گواہوں کی شہادت سے ہو جاتا ہے۔ جرم محاربت میں عورتوں کی شہادت خواہ وہ تنہا گواہی دیں یا مرد کے ساتھ شامل ہوں، نہیں قبول کی جائے گی اور ڈاکوؤں اور رہزنوں کی گواہی بھی ایک دوسرے کے خلاف قابل قبول نہ ہوگی۔

سرکار آیۃ اللہ خمینی نے ارشاد فرمایا ہے:

یثبت المحاربۃ بالاقرار مرۃ والاحوط مرتین و بالشھادۃ عدلین ولا تقبل شھادۃ النساء منفردات ولا منضمات ولا تقبل شھادۃ اللصوص والمحاربین بعضھم علی بعض [1]

• محاربت کا ثبوت مجرم کے ایک مرتبہ اقرار سے ہو جاتا ہے جبکہ احوط یہ ہے کہ دو مرتبہ اقرار کرے یا دو عادل گواہوں کی شہادت سے ہوتا ہے اور جرم محاربت

[1] تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۹۳

میں عورتوں کی گواہی خواہ وہ تنہا گواہی دیں یا مرد کے ساتھ مل کر، قبول نہیں کی جائیگی۔ اور ڈاکوؤں اور رہزنوں کی گواہی بھی ایک دوسرے کے خلاف قابل قبول نہ ہوگی"۔

علامہ قزوینی نے فرمایا ہے:

یثبت المحارب باقراره مرة واحدة وبشهادة عدلين من الرجال[1]۔

"محارب ہونے کا ثبوت اس کے ایک دفعہ کے اقرار سے ہو جاتا ہے یا دو عادل مردوں کی گواہی سے"۔

ڈاکوؤں کو اطلاعات فراہم کرنے والے اور ان کے سامان کی حفاظت کرنے والے یا ان کو غذا وغیرہ مہیا کرنے والے، ڈاکوؤں کے حکم میں نہیں ہوں گے ان کو دیگر مناسب تعزیری سزائیں دی جائیں گی۔ صاحب "شرائع الاسلام" نے فرمایا ہے:

لایثبت هذا الحکم للطلیع و للرد ء [2] اور صاحب "شرح لمعہ" نے "طلیع" اور "ردء" کی شرح فرماتے ہوئے کہا ہے:

الطليع للمحارب هو الذي يرقب له من يمر بالطريق فيعلمه به أو يرقب له من يخاف عليه منه فيحذره منه، والرد ء بكسر الرائ وسكون الدال والهمزة وهو المعين له فيما يحتاج اليه[3]

"طلیع" وہ شخص ہے جو لوگوں کے حالات اور قافلوں کی آمد و رفت سے ڈاکوؤں کو آگاہ کرے یا ڈاکوؤں کو جن لوگوں سے خطرہ ہو ان کی نقل و حرکت سے باخبر رکھے۔ اور "ردء" وہ شخص ہے جو ڈاکوؤں کی ضروریات کا بندوبست کرے یعنی غذا وغیرہ مہیا کرے اور ان کے مال کی حفاظت کا فریضہ انجام دے۔

---

[1] الشیعہ فی عقائدهم واحکامهم ص۳۴۷ [2] شرائع الاسلام کتاب الحدود

[3] شرح لمعہ، کتاب الحدود۔

سرکار آیۃ اللہ الخمینی مدظلہ نے افادہ فرمایا ہے:

لا یثبت الحکم للطلیع وھو المراقب للقوافل ونحوھا لیخبر رفقاءہ من قطاع الطریق ولا للردء وھو المعین لضبط الاموال [1]

"حکم محاربت مخبر کے لیے ثابت نہیں ہے اور یہ مخبر وہ ہے جو قافلوں وغیرہ کی خبریں اپنے ساتھی ڈاکوؤں کو پہنچائے اور اس شخص کے لئے بھی ثابت نہیں ہے جو ڈاکوؤں کے مال کی حفاظت کرتا ہے"

اس قسم کے لوگ اگر ڈاکہ یا راہزنی میں عملاً شریک ہو جائیں تو محارب کی سزا کے مستحق ہوں گے ورنہ جیسا کہ عرض کیا گیا مناسب تعزیری سزا دی جائے گی۔

ڈاکہ اور راہزنی کی سزا کے لئے مال کا چھیننا ضروری نہیں ہے اور اگر مال چھینا گیا ہے تو اس کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے جیسا کہ محارب کی تعریف سے ظاہر ہے اور ترجمان القرآن کے مقالہ نگار نے بھی ہدایہ ج ۲ ص۵۵۵، عالمگیری باب قطع الطریق ص۹۹، التشریع الجنائی الاسلامی ج ۲ ص۶۳۹ کے حوالے سے لکھا ہے:

"ارتکاب جرم کے لئے حصول مال لازم نہیں" [2]

مگر بڑی حیرانی کی بات ہے کہ فاضل مقالہ نگار نے چند سطروں کے بعد حد محارب کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"وہ تمام شرائط پائی جائیں جن کا حد سرقہ میں پایا جانا ضروری ہے یعنی نصاب پورا ہو" [3]

جب محاربت میں اخذ مال شرط ہی نہیں ہے تو نصاب پورا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ....!! اگر مال چھینا گیا ہے تو وہ دو آنے کے بقدر ہی کیوں نہ ہو سزا کے لئے کافی ہوگا اور شرع اسلامی کے مطابق ڈاکو کا داہنا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا۔

---

[1] تحریر الوسیلہ ج ۲ ص۹۲۳ [2] ترجمان القرآن ماہ مارچ ۱۹۷۸ء ص۱۵

[3] ترجمان القرآن ماہ مارچ ۱۹۷۸ء ص۱۵

سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئی دامت ظلالہ نے فرمایا ہے:

لافرق فی المال الذی یاخذہ المحارب بین بلوغہ حد النصاب وعدمہ[1]

"جو مال محارب لوٹے اس میں نصاب اور عدم نصاب کی کوئی شرط نہیں ہے۔"

صاحب شرائع الاسلام نے فرمایا ہے:

لایعتبر فی المحارب اخذ النصاب[2]

"محارب کی سزا کے لئے چور کی طرح کوئی نصاب مقرر نہیں ہے۔"

اگرچہ ترجمان القرآن کے فاضل مقالہ نگار نے وضاحت نہیں فرمائی ہے کہ انہوں نے محاربت میں نصاب سرقہ کو موجب حد کہاں سے قرار دے لیا لیکن جیساکہ اوپر حوالہ دیا جاچکا ہے محارب کی سزایابی کے لئے مال چھیننا شرط ہی نہیں ہے تو بقدر نصاب کا سوال بے معنی ہے۔

اگر ڈاکو یا رہزن نے کسی قسم کا مال لوٹا ہے تو چور کی طرح محارب سے بھی مال واپس لے کر صاحب مال کو واپس کیا جائے گا، اگر وہ مال ضائع ہوگیا ہو یا اس میں کمی آگئی ہو خواہ یہ حرکت عمداً کی گئی ہو یا اتفاقاً ہوگئی ہو بہر حال اس کا تاوان اور معاوضہ صاحب مال کو دلایا جائے گا۔

علامہ قزوینی نے فرمایا ہے:

علی السارق ان یعید العین المسروق وعلیہ ضمانہا ان تلفت وان نقصت کان علیہ أرش النقصان۔

"جو کچھ کسی نے چرایا یا لوٹا ہے وہ سب کا سب صاحب مال کو واپس کرنا ہوگا اور اگر ضائع ہو جائے تو اس کا پورا کرنا چور کی ذمہ داری ہے۔ اگر کم ہو جائے تو کمی کا معاوضہ دینا اس کا فرض ہے۔"

---

[1] مبانی تکملۃ المنہاج، ج اول ص۳۲۰ [2] شرائع الاسلام کتاب الحدود، جامع الرضوی ج ۲ ص۳۲۶

سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ السید الخوئی نے بھی یہی کچھ افادہ فرمایا ہے [1]
یاد رہے کہ لوٹے ہوئے اور چوری کئے ہوئے مال کا حکم ایک ہے۔ ترجمان القرآن کے مقالہ نگار نے بدائع الصنائع ج ۷ ، ص ۹۶ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے :
اگر انہوں نے صرف مال لیا ہو اور دیگر کوئی جرم نہ کیا ہو اس صورت میں اگر مال ان کے پاس موجود ہو تو مستغیث کو واپس کیا جائے گا اور اگر ضائع ہو گیا ہو یا انہوں نے ضائع کر دیا ہو تو ان سے تاوان وصول کر کے مستغیث کو دیا جائے گا [2]
امام شافعی کے نزدیک سارق پر ہر حال میں تاوان عائد کیا جائے گا [3]
اس تعلق میں فقہا حنفیہ کا فتویٰ بڑا دلچسپ ہے۔ ترجمان القرآن کے مقالہ نگار فرماتے ہیں :
احناف کے نزدیک سارق پر تاوان لازم نہیں آتا خواہ مال مسروق ضائع ہو گیا ہو یا سارق نے دانستہ ضائع کر دیا ہو۔ اس ارشاد سے پہلے دفعہ ۱۷ کے ذیل میں فرمایا ہے :
حد کے نفاذ کے بعد اگر مال مسروق، سارق کے پاس موجود ہو خواہ کل ہو یا بعض، مسروق منہ کو واپس کیا جائے گا اور وہ کل یا بعض ضائع ہو گیا ہو یا سارق نے ضائع کر دیا ہو خواہ حد کے نفاذ سے پہلے ضائع ہو گیا یا بعد، تو ان صورتوں میں سارق پر تاوان عائد نہ ہوگا۔ چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں :
حد کے نفاذ کے بعد اس صورت میں بھی سارق پر تاوان عائد نہ ہوگا جبکہ اس نے مال کے اندر کوئی نقص پیدا کر دیا ہو البتہ مال کو مسروق منہ کے حوالے کیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ موجود ہو [4] اس طریقہ کار کی جو دلیل عنایت ہوئی ہے وہ بڑی دلچسپ ہے۔

---

[1] مبانی تکملۃ المنہاج ، ج اول ص ۳۱۱ ، [2] ترجمان القرآن بابت ماہ اپریل ۱۹۷۸ء ص ۳۹
[3] ترجمان القرآن ماہ مارچ بحوالہ احکام الجصاص ج ۲ ص ۴۳۳
[4] ترجمان القرآن بابت ماہ مارچ ۱۹۷۸ء ص ۱۰

اور اسے عجوبۂ روزگار کہا جا سکتا ہے " قرآن مجید میں حکم کے الفاظ یہ ہیں :-

" فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ "

اس آیت میں لفظ جزاء کا ذکر ہے اور جزاء نام ہے اس بدلے کا جو کسی عمل کے مقابلے میں دیا جاتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے فعل سرقہ کی پوری جزاء قطع ید قرار دی ہے تو اب مزید کوئی سزا نہیں دی جا سکتی ورنہ کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی جو حرام ہے۔ لہٰذا قطع ید کے بعد سارق پر تاوان عائد نہ ہوگا۔" لہ لائق فقہاء اور قابل احترام حنفی علماء اس حقیقت کو نظر انداز کر گئے ہیں کہ قطع ید تو ارتکاب جرم کی سزا ہے اب رہا وہ مال جو اس نے چرایا تھا اس کے ضائع اور کم ہونے کی صورت میں تاوان، سزا نہیں ہے بلکہ وہ صاحب مال کا حق ہے جو اس کو واپس ملنا ہی چاہیے، چور یا ڈاکو کے ظالمانہ قبضے سے اس کی ملکیت نہیں بن جائے گا جس کے ضائع یا کم ہونے پر تاوان کو سزا قرار دیا جائے۔ بے شک اگر قطع ید کے ساتھ کسی رقم کا جرمانہ بھی عائد کیا جائے تو یہ قرآنی سزا پر اضافہ ہوگا لیکن سرقہ شدہ مال کی واپسی چور اور ڈاکو کے لئے سزا ہے ہی نہیں یہ تو مالک کا حق ہے جو اس کو واپس ملنا ہی چاہیے۔ اگر یہ تاوان، مال تلف ہونے اور نقصان کی صورت میں چور یا ڈاکو پر عائد نہ کیا جائے تو یہ صاحب مال کو سزا ہو جائے گی۔ جو انصاف، انسانیت اور اسلام کے قانون عدل کے تمام تقاضوں کے خلاف ہے اس لئے اگر مال مسروقہ میں کوئی کمی کر دی گئی ہے یا ضائع ہو گیا ہے یا کر دیا گیا ہے تو مجرموں سے وصول کر کے نقصان رسیدہ کو واپس کیا جائے گا تاکہ وہ گناہ بے گناہی کی سزا سے محفوظ رہے۔ اگر ڈاکوؤں اور چوروں کے علم میں یہ بات آجائے کہ ضیاع اور نقصان کی صورت میں مال واپس نہیں دینا ہے

لہ ترجمان القرآن مارچ ۱۹۷۸ء صـ۱۱۔

تو کبھی بھی کسی نقصان رسیدہ کا مال نہ مل سکے گا اور ڈاکوؤں اور چوروں کی یہ بڑی حوصلہ افزائی ہوگی جو عقل وانصاف کے ابتدائی تقاضوں کے بھی خلاف ہے۔ چونکہ مال کا معاملہ حقوق الناس سے متعلق ہے لہٰذا اس کی واپسی کے بغیر مجرم کی توبہ کے بھی کوئی معنی نہیں ہیں۔ اگر صاحب مال مر جائے تو اس کے وارثوں کو مال واپس کرنا ہوگا۔

محارب کی توبہ:

اگر ڈاکو گرفتاری اور قوت مقتدرہ کے قابو میں آ جانے سے پہلے لوٹ مار کا سلسلہ ختم کر دیں اور توبہ کر لیں تو قرآن کریم نے ان کے لئے "الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیہم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم (۱)" کا قانون بنا کر حد کو ساقط کر دیا ہے۔

(مگر وہ لوگ جو تمہارے قابو میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں تو جان لو کہ اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔)

لیکن سقوط حد سے انسانوں کے حقوق ساقط نہیں ہونگے جیسے قتل یا زخمی کرنا یا مال لوٹنا۔ اگر کسی کو قتل کیا ہے تو مجرم قصاص میں قتل کیا جائے گا، زخموں کا بھی قصاص لیا جائے گا، اگر مال موجود ہے تو واپس دلوایا جائے گا اور اگر مال ضائع ہو چکا ہے یا کر دیا گیا ہے تو اس کا تاوان صاحب مال کو دلوایا جائے گا۔

سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئی نے فرمایا ہے۔

---

(۱) القرآن، المائدہ آیت ۳۴

اذا تاب المحارب قبل ان یقدر علیه سقط عنه الحد ولا یسقط عنه ما یتعلق به من الحقوق کالقصاص والمال ولو تاب بعد الظفر به لم یسقط عنه الحد کما لا یسقط غیرہ من الحقوق (۱)

"جب محارب گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرے تو اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے لیکن لوگوں کے حقوق مثلاً قصاص اور مال وغیرہ ساقط نہیں ہوتے اور اگر مجرم گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو نہ حد ساقط ہوتی ہے نہ لوگوں کے حقوق۔"

صاحب جامع الرضوی نے فرمایا ہے:

"ہرگاہ محارب توبہ کند پیش ازاں کہ حاکم قادر شود براو ساقط می شود حد محارب از او، و ساقط نمی شود حقوق مردم مانند قتل و جرح و مال، واگر توبہ کند بعد ازاں کہ حاکم براو ظفریاب ست ہیچ کدام از حد و قصاص و تاوان مال ساقط نمی شود از او۔" (۲)

متعلقہ ضروری مسائل:

اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں آگ لگا دے اور اس گھر یا سامان کو جلا دے تو اس سے گھر اور سامان کا تاوان وصول کیا جائے گا اور اس کے بعد اسے قتل کر دیا جائے گا۔ ایسا شخص "محارب بالنار" کہلاتا ہے

۱۔ مبانی تکملۃ المنہاج، ج اول ص ۳۲۱ تا ۳۲۲

۲۔ جامع الرضوی ج ۲ ص ۳۲۶

عن جعفر عن ابیہ عن علی علیہم السلام فی رجل اقبل بنار فاُشعلہا فی دار قوم فاحترقت واحترق متاعہم انہ یغرم قیمۃ الدار وما فیہا ثم یقتل (۱)

"امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے والد امام محمد باقر علیہ السلام کی زبانی حضرت علی علیہ السلام کا فرمان بیان کیا ہے کہ:

کوئی شخص آگ بھڑکا کر لوگوں کے گھر اور ان کے سامان کو جلا دے تو اس پر گھر اور سامان کی قیمت کا تاوان عائد کیا جائے گا۔ پھر اُسے قتل کر دیا جائے گا۔"

اگر کوئی شخص جعلسازی اور دھوکہ پٹی سے کسی کا مال لے کر بھاگ جائے یا اسلحہ کے بغیر زبردستی اچک لے یا بھنگ یا کوئی دوسری نشہ آور چیز پلا کر مال لے اڑے، یا کوئی فرضی اور جعلی تحریر یا دستاویز تیار کرے تو ایسے شخص کو چور اور ڈاکو کی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ حاکم اپنی صوابدید کے مطابق مناسب سزا دے گا اور ان تمام صورتوں میں مال، مالک کو واپس کیا جائے گا (۲)

علامہ قزوینی کے عیون الفاظ یہ ہیں:-

یعزر المختلس الذی یأخذ المال سرًّا من غیر حرزہ و مثلہ المستلب الذی یاخذ المال علانیۃ ویھرب وکذا المحتال علی آخذ المال بأی وسیلۃ کانت ویرجع

---

(۱) وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۳۸ من لا یحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۱۲۰

(۲) شرح لمعہ کتاب الحدود، شرائع الاسلام کتاب الحدود، جامع الرضوی ج ۲ ص ۲۴۶ الشیعہ فی عقائدھم واحکامھم ص ۴۲۸، تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۹۳

امر تعزیرهم الی نظر الحاکم وعلیهم اعادته:

"اس اچکے کو جو غیر محفوظ جگہ سے مال اڑا لیتا ہے تعزیری سزا دی جائے گی اور اسی طرح سے وہ اٹھائی گیرا جو کھلے بندوں کوئی چیز اٹھا لیتا ہے اور لے بھاگتا ہے اور اسی طرح سے وہ فراڈیے اور حیلہ گر جو کسی بھی چال پٹی سے کسی کا مال لے اڑیں، ان سب کی سزا حاکم کی صوابدید کے مطابق ہوگی اور مال کی واپسی ان سب صورتوں میں ضروری ہے۔"[1]

اگر کوئی شخص چوروں اور ڈاکوؤں سے اپنا دفاع کر سکتا ہو تو اسے دفاع کرنا چاہیئے لیکن دفاع میں سب سے پہلے شور مچائے، اس کے بعد ہاتھا پائی سے کام لے اگر پھر بھی کام نہ بنے تو لاٹھی استعمال کرے اس پر بھی مجرم باز نہ آئیں تو ہتھیار استعمال کرے۔ اگر چور یا ڈاکو زخمی یا قتل ہو جائیں تو اس کا کوئی قصاص اور بدلہ نہیں ہے۔ دشمن بھاگ کھڑا ہو تو اس کا پیچھا نہیں کرنا چاہیئے۔

عن جعفر الصادق عن ابیہ علیہما السلام اذا دخل علیک اللص یرید اُھلک و مالک فان استطعت اَن تبدرہ و تضربہ فابدرہ واضربہ، وقال: اللص محارب اللہ ورسولہ فاقتلہ وعن ابی ایوب قال: سمعت اَبا عبد اللہ علیہ السلام یقول: من دخل علی مؤمن دارہ محاربًا لہ فدمہ مباح فی تلک الحال للمؤمن (الخ)

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۵۰۳

"امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے والد امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ:۔

جب چور ڈاکو تمہارے گھر میں تمہارے اہل اور مال کو نقصان پہنچانے کے ارادے سے آجائیں تو اگر تم تیزی کے ساتھ انہیں گھیر سکو اور مار سکو تو ایسا کرو۔ اور فرمایا: چور اور ڈاکو، اللہ و رسول کے محارب ہیں ان کو قتل کر دو۔ ابو ایوبؒ نے کہا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ: اگر کوئی شخص کسی مومن کے گھر میں چور اور ڈاکو کی حیثیت سے داخل ہو جائے تو اس صورتحال میں مومن کے لئے اس کا خون مباح ہے۔"

علامہ قزوینی نے فرمایا ہے:۔

یجوز للانسان ان یدافع عن نفسه وعن حریمه وعن ماله بقدر المستطاع ویجب فی الاولین و فی الاخیر اذا کان مضطرا الیه۔ وعلی المدافع ان یتبع فی دفاعه ماھو الاسھل فلو اندفع العدو بالصیاح ونحوه واجب الاقتصار علیه والا جاز له التعویل علی یده وان لم یندفع فبالعصا وان لم یکف فبالسلاح وان قتل فدمه ھدر ومثله لو جرح۔ واذا ادبر العدو العدو وجب الکف عنه (۱)

"انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی جان، اپنے اہل وعیال اور اپنے مال کا بقدر

---

(۱) الشیعه فی عقائدھم واحکامھم ص ۲۵۰ تا ۲۵۱

استطاعت دفاع کرے۔ جان اور عیال کے تعلق میں تو دفاع واجب ہے ہی جبکہ مال کے لئے دفاع، حالت اضطرار میں واجب ہوگا۔ دفاع کنندہ پہ لازم ہے کہ وہ دفاع میں سب سے پہلے آسان ترین ذریعہ اختیار کرے چنانچہ اگر دشمن شور وغوغا سے دفع ہوجائے تو اسی پر بس کرے ورنہ اپنے ہاتھوں کی توانائی استعمال کرے۔ اگر پھر بھی مجرم دفع نہ ہو تو لاٹھی استعمال کرے اور اس کے بعد بھی باز نہ آئے تو ہتھیار سے کام لے، اس صورت حال میں اگر مجرم دفع نہ ہو تو لاٹھی استعمال کرے اور اس کے بعد بھی باز نہ آئے تو ہتھیار سے کام لے، اس صورت حالات میں اگر مجرم قتل ہوجائے تو اس کا خون رائیگاں جائے گا اور اسی طرح زخم بھی۔ اور جب دشمن بھاگ جائے تو اس کا پیچھا نہ کیا جائے۔

حصّہ دوئم

اسلام انسانی زندگی کے لئے جامع ، مانع اور مکمل ضابطہ اور دستور العمل ہے۔ اسلام کے اوامر و نواہی کے اتباع کا نتیجہ آخرت میں نجات اور دنیا میں ایک بے عیب معاشرہ کی تخلیق ہے اور اس لئے ضروری ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے جرم کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ اس کی مناسب سزا دی جائے کہ گناہانِ صغیرہ کے مسلسل ارتکاب سے گناہانِ کبیرہ پر جرأت ہو سکتی ہے اور معاشرہ فواحش کا شکار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا معاشرے کو عیوب سے محفوظ رکھنے کے لئے معمولی اور چھوٹے گناہوں پر بھی کڑی نظر رکھنے کی ضرورت اور ان پر زجر و توبیخ عقل کا تقاضا ہے۔ اسی لئے آیۃ اللہ العظمیٰ مجاہد کبیر السید ابوالقاسم الخوئی نے فرمایا ہے :-

من فعل محرماً أو ترك واجباً الهيًّا عالماً عامداً عزره الحاكم بحسب ما يراه من المصلحة - ويثبت موجب التعزير بشهادة شاهدين وبالاقرار (۱)

۱۔ مبانی تکملۃ المنہاج ، ج اول ص ۳۳۶ تا ۳۳۹

• جو شخص علم کے باوجود جان بوجھ کر کسی فعل حرام کا ارتکاب کرے یا امر واجب کو ترک کر دے تو حاکم اپنی مصلحت کے مطابق تعزیری سزا دے گا۔ اور موجب تعزیر امر کا ثبوت دو گواہوں کی گواہی یا مجرم کے اقرار سے ہوتا ہے"

تعزیر کی سزا سے متعلق ایک حدیث:

عن حماد بن عثمان عن أبی عبد اللہ علیہ السلام قال: قلت لہ کم التعزیر؛ فقال دون الحد۔ قال: قلت، دون ثمانین قال لا! ولکن دون أربعین فانّہا حد المملوک۔ قلت وکم ذاک؛ قال علی قدر ما یراہ الوالی من ذنب الرجس وقوۃ بدنہ (۵)

"حماد بن عثمان کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق سے عرض کیا کہ تعزیر کتنی ہونا چاہیئے؟ آپ نے فرمایا؛ کم! میں نے عرض کیا: اسی سے کم؟ فرمایا؛ نہیں بلکہ چالیس سے کم کہ یہ غلام کی حد ہے۔ میں نے پوچھا (چالیس سے کم) کتنی ہونا چاہیئے؟ فرمایا: حاکم المجرم کے گناہ اور اس کی جسمانی طاقت کے پیش نظر جتنی مناسب سمجھے"

بعض احادیث میں تعزیری سزا کی حد مقرر کی گئی ہے لیکن سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئیؒ نے ان پر نقد و تبصرہ کے بعد یہی فرمایا ہے کہ حاکم کی رائے اور مصلحت کے مطابق اس کی مقدار ہونا چاہیئے جو بہر حال "حد" سے کم ہو، اس لئے ہم دیگر احادیث کو ترک کرتے ہیں۔

اس شخص کو جو زنا یا ہم جنسی کا چار مرتبہ سے کم اقرار کرے یعنی دو یا تین بار اقرار

کرے تو اس کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے مجرم پر حد نافذ نہیں کی جا سکتی کہ اس کا انحصار، چار گواہوں پر یا چار مرتبہ کے اقرار پر ہے لیکن چونکہ اس نے فحش کی اشاعت کی ہے اس لئے اس کو تعزیری سزا ضرور ملنا چاہیئے۔

اگر کوئی شخص کسی کنواری کا (جو اس کی زوجہ یا کنیز نہ ہو) پردۂ بکارت اپنی انگلی سے یا اسی قسم کے کسی اور ذریعے سے زائل کر دے تو مشہور قول کے مطابق اسے تعزیری سزا دی جائے گی۔ لیکن اس میں اشکال ہے۔ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ ایسے مجرم کو اسی کوڑے مارے جائیں۔ (۱)

بچوں کو تادیبی سزا پانچ یا چھ کوڑوں کی شکل میں نرمی کے ساتھ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اسی طرح غلام کو تادیبی سزا کے طور پر دس کوڑے تک مارے جا سکتے ہیں (۲)

اگر کوئی شراب کی حرمت سے واقف ہو شراب فروخت کرے اور اس کو کسی صورت میں بھی حلال نہ جانتا ہو تو اسے تعزیری سزا دی جائے گی۔ اور اگر کوئی حرمت ہی سے واقف نہ ہو تو اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اسے حرمت شراب سمجھائی جائے گی تاکہ وہ اس حرکت سے باز رہے۔

اگر کوئی شخص عالم اسلام کے نزدیک حرام چیزوں کو کھائے جیسے خون، یا مرا ہوا جانور یا سؤر کا گوشت تو جبکہ وہ انہیں حلال نہ جانتا ہو اس کو تعزیری سزا دی جائے گی اور اسی طرح سود خور کو بھی تعزیری سزا دی جائے گی۔

۱۔ مبانی تکملۃ المنہاج جلد اول صفحہ ۳۳۹

۲۔ مبانی تکملۃ المنہاج جلد اول صفحہ ۳۴۰

اگر کوئی شخص، کسی کی قبر کھود ڈالے اور کفن نہ چرائے تو اس کو تعزیری سزا دی جائے گی کہ نبش قبر گناہ کبیرہ ہے۔ اور اگر مجرم نے کفن چرا لیا لیکن اس کا داہنا ہاتھ موجود نہیں ہے یا دوبارہ چرایا لیکن اس کا بایاں پیر نہیں ہے تو اس سے حد ساقط ہو گی اور حاکم اپنی مصلحت کے مطابق اسے تعزیری سزا دے گا (لہ)

لٹیرا یعنی جو شخص، کسی کا مال کھلم کھلا لے بھاگے یا وہ اچکا جو کسی کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر یا چپکے سے مال لے اڑے یا وہ مکار جو دھوکے سے اور جھوٹی تحریروں کے ذریعے سے کسی مال پر قبضہ کر لے تو ان سب کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

جانور کے ساتھ بدفعلی:

اگر کوئی بالغ، عاقل اور صاحب اختیار شخص جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اور کسی شبہ کا بھی امکان نہ ہو تو مجرم کو تعزیری سزا دی جائے گی۔ اگر اس فعل کا ارتکاب کسی بچے نے کیا ہے تو اس کے لئے تعزیری سزا نہیں ہے، ڈانٹ ڈپٹ ضرور کی جائے گی اور اگر بچہ سمجھدار ہے تو حاکم اسے جتنی مناسب سمجھے تادیبی سزا دے۔ اسی طرح مجنوں، مجبور اور وہ شخص جس کو شبہ ہو کہ یہ فعل جرم ہے یا نہیں یا یہ میرے سامنے جانور ہے یا نہیں، ان کو بھی کوئی تعزیری سزا نہیں دی جائے گی۔

یہ جرم دو مرد گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے، عورتوں کی گواہی اس میں غیر موثر ہے، اور مجرم کے اقرار سے بھی یہ جرم ثابت ہوتا ہے بشرطیکہ جانور اس کا اپنا ہو، اگر جانور اس کا اپنا نہیں ہے تو مجرم کے اقرار سے اس کے اپنے اوپر تعزیر تو جاری ہو گی لیکن

لہ مبانی تکملۃ المنہاج جلد اول ص ۲۴۲

جانور پر تمام احکام اس کے مالک کی تصدیق کے بغیر جاری نہیں ہوں گے [1]

مجاہد کبیر آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابو القاسم الخوئیؒ نے فرمایا ہے کہ:

یہ جانور حلال ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں حاکم، مجرم کو مناسب تعزیری سزا دے گا۔

اقسام بہائم:

جن جانوروں سے جنسی فعل کیا جائے وہ بہر حال دو قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) ان کا گوشت عام طور پر کھایا جاتا ہے یا

(۲) ان سے سواری یا بار برداری کا کام لیا جاتا ہے جیسے گھوڑا، خچر، گدھا اور اونٹ وغیرہ۔ تو اگر وہ ایسا جانور ہے جس کا گوشت عام طور پر کھایا جاتا ہے اور وہ خود مجرم کا ہے تب بھی یا کسی دوسرے شخص کا ہے تو اس کی قیمت بطور تاوان ادا کرا کے اس کو ذبح کر دیا جائے گا اور اس کو جلا دیا جائے گا تاکہ وہ کسی دوسرے حلال جانور سے مشتبہ نہ ہو جائے۔ اور اگر وہ جانور ایسا ہے جس سے سواری یا بار برداری کا کام لیا جاتا ہے اور عام طور پر اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا، تو اس کو ذبح نہیں کیا جائے گا۔ اگر یہ جانور کسی دوسرے کا ہے تو مجرم سے اس کی قیمت مالک کو بطور تاوان دلوا کر، اور اگر جانور مجرم کا ہے تب بھی اس جانور کو کسی دوسرے شہر میں لے جا کر بیچ دیا جائے گا۔ اب جو اس سے قیمت ملے گی اس کا کیا ہوگا تو بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ خیرات کر دی جائے گی اور بعض نے فرمایا ہے کہ تاوان لینے والے ہی کو دے دی جائے گی۔ لیکن اگر مجرم مالک تھا تو وہ قیمت اسی کو دے دی جائے گی۔

---

[1] تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۳۶

اور محقق حلی کے نزدیک یہ زیادہ بہتر ہے۔[۱]

اس تعلق میں ایک حدیث:

عن سدیر بن ابی جعفر علیہ السلام فی الرجل یأتی البھیمۃ قال یجلد دون الحد ویغرم قیمۃ البھیمۃ لصاحبھا لانہ افسدھا علیہ وتذبح وتحرق ان کانت مما یؤکل لحمہ وان کانت مما یرکب ظھرہ غرم قیمتھا وجلد دون الحد واخرجھا من المدینۃ التی فعل بھا فیھا الی بلاد اخری حیث لا تعرف فیبیعھا فیھا کی لا یعیر بھا صاحبھا (۲)

"سدیر کہتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے اس شخص کے متعلق، جو کسی جانور سے کالا منہ کرے، فرمایا کہ:
اس کو حد سے کم سزا دی جائے گی یعنی تعزیری اور جانور کے مالک کو اس کی قیمت بطور تاوان دلوائی جائے گی۔ کہ اس نے اسے مالک کے لئے فاسد کر دیا ہے اور اگر یہ جانور ایسا ہے کہ جس کا گوشت عام طور پر کھایا جاتا ہے تو اسے ذبح کر کے جلا دیا جائے گا اور اگر وہ سواری کا جانور ہو تب بھی مالک کو اس کی قیمت بطور تاوان دلوائی جائے گی اور مجرم کو حد سے کم، تعزیری، سزا دی جائے گی اور جس شہر میں اس جانور سے اس فعل کا ارتکاب کیا گیا ہو وہاں سے ایسے شہر لے جا کر جہاں اسے کوئی نہ جانتا ہو بیچ دیا جائے گا تاکہ لوگ اس جانور کے مالک

---

[۱] الشیعہ فی عقائدھم و احکامھم ص ۲۴۸ تا ۲۴۹، شرائع الاسلام کتاب الحدود ص ۱۸۷

[۲] وسائل الشیعہ ج ۱۰ ص ۵۷۱، تہذیب الاحکام ج ۱۰ ص ۶۱، فروع کافی ج ۷ ص ۲۰۴

کے خلاف طنز و مزاح کے نشتر نہ چلائیں اور اس پر نکتہ چینی نہ کریں۔"

اگر جانور کے ساتھ یہ گندہ کاری کئی بار کی جائے لیکن سزا نہ دی گئی ہو تو صرف ایک دفعہ سزا دی جائے گی اور اگر تین بار سزا دی جا چکی ہو۔ تو مجاہد کبیر آیۃ اللہ خمینی دامت ظلالہ کے نزدیک چوتھی مرتبہ میں قتل کیا جائے گا۔ [1]

استمنا بالید (جلق لگانا)

جلق لگانے کی بیماری بھی جوان نسل میں عام ہے کوئی ملک اور قوم اس صحت کے لئے تباہ کن حرکت سے محفوظ نہیں ہے۔ ایسا نوجوان ذہنی عوارض اور جنسی امراض کے علاوہ طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بعض نفسیاتی بیماریاں تو مرتے دم تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ اس لئے اس نازیبا حرکت کو روکنے کے لئے نوجوانوں کو مناسب انداز سے اس حرکت کے ہولناک اور خطرناک انجام سے باخبر کرنا چاہیئے تاکہ وہ اپنے حال اور مستقبل کی تباہی کے ساتھ ساتھ ملک اور قوم کو نقصان نہ پہنچائیں کیونکہ ہر فرد ملک اور قوم کا قیمتی سرمایہ ہے۔

اسلام نے اس گناہ کو قابلِ تعزیر جرم قرار دیا ہے اور یہ فعل شنیع دو گواہوں کی گواہی یا مجرم کے اقرار سے ثابت ہوتا ہے۔ اس میں بھی عورتوں کی شہادت کسی حالت میں مؤثر نہیں ہے۔

سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ مجاہد بزرگ السید ابوالقاسم الخوئی نے فرمایا ہے:

من استمنی بیدہ او بغیرھا عزرہ الحاکم حسب مایراہ من الم

---

[1] تحریر الوسیلہ ج ۲ ص ۴۳۶، شرائع الاسلام کتاب الحدود ص ۱۸۸، الشیعہ فی عقائدھم و احکامھم ص ۲۴۹

"جو شخص اپنے ہاتھ سے یا کسی اور طرح منی نکالے تو اسے حاکم اپنی صوابدید کے مطابق مناسب سزا دے گا۔"[۱]

عن طلحه بن زید عن أبي عبد الله علیه السلام أنّ امیر المؤمنین علیه السلام أُوتی برجل عبث بذکره فضرب یده حتی احمرّت ثم زوجه من بیت المال[۲]

"طلحہ بن زید کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص پیش کیا گیا جس نے جلق لگائی تھی آپؑ نے اس کے ہاتھ پر اتنا مارا کہ وہ سرخ ہو گیا پھر بیت المال کے پیسے سے اس کی شادی کر دی"۔

حضرت علی علیہ السلام کا مجرم کے ہاتھ پر مارنا تو تعزیری سزا تھی اور بیت المال سے اس کی شادی کرنا آپ کی عنایت خصوصی تھی۔ اس عنایت خصوصی کو جزاد سزا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اس کی اصلاح کی ایک تدبیر تھی۔ یہی کچھ محقق حلیؒ نے افادہ فرمایا ہے[۳]

جو شخص کعبہ میں جان بوجھ کر پیشاب کر دے یا پاخانہ پھر دے تو کعبہ اور حرم سے نکال کر اس کی گردن ماری جائے گی اور جو مسجد حرام میں عمداً یہ حرکت کرے تو اس پر اذیت ناک ترین تازیانے برسائے جائیں گے[۴]

عن ابی الصباح الکنانی قال قلت لابی عبد الله علیه السلام ایّما

---

[۱] مبانی تکملة المنہاج جلد اول ص۳۳۶ ، تحریر الوسیلہ ج ۲ ص۴۲۶

[۲] وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص۵۷۴ تہذیب الاحکام ج ۱۰ ص۶۳ فروع کافی ج ۷ ص۲۶۵

[۳] شرائع الاسلام کتاب الحدود ص۱۸۹ [۴] مبانی تکملة المنہاج جلد اول ص۳۳۵

افضل الایمان او الاسلام؟ إلی أن قال فقال الایمان! قال قلت فاوجدنی ذلک؟ قال ماتقول فیمن احدث فی المسجد الحرام متعمداً؟ قال قلت یضرب ضرباً شدیداً۔ قال اصبت! فما تقول فیمن احدث فی الکعبة متعمداً قلت یقتل۔ قال: اصبت الاترٰی ان الکعبة افضل من المسجد [1]

"ابو الصباح کنانی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ایمان افضل ہے یا اسلام؟ آپ نے فرمایا کہ ایمان افضل ہے۔ راوی نے عرض کیا یہ مجھے پوری وضاحت کے ساتھ سمجھا دیجیے! آپ نے فرمایا کہ: جو شخص مسجد حرام میں جان بوجھ کر پیشاب یا پاخانہ پھر دے اس کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا اسے خوب اچھی طرح پیٹا جائے گا۔ آپ نے فرمایا تم نے ٹھیک کہا، کیا تم نے غور نہیں کیا کہ کعبہ مسجد سے افضل ہے۔"

جو شخص جھوٹی گواہی دے تو حاکم اپنی مصلحت کے مطابق اس کو کوڑے لگائے گا اور اسے تشہیر کیا جائے گا تاکہ لوگ اسے پہچان لیں اور آئندہ اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلے اور عوام کے سامنے کھلم کھلا اپنی تکذیب نہ کرے (۲)

کلام معصوم میں اس طرح فرمایا گیا ہے:۔

عن سماعة قال سألته عن شھود زور؟ فقال یجلدون

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ صفحہ ۵۷۹، اصول کافی ج ۲ صفحہ ۳۴

[2] مبانی تکملة المنہاج جلد اول صفحہ ۳۴۶ تا ۳۴۷

حدًّا ليس له وقت، فذلك إلى الإمام ويطاف بهم حتى يعرفهم الناس واما قوله تعالىٰ: ولا تقبلوا لهم شهادة ابداً الا الذين تابوا، قال قلت كيف تعرف توبتهم قال يكذب نفسه على رؤس الناس حتى يضرب ويستغفر ربه فاذا فعل ذلك فقد ظهرت توبته [1]

"سماعہ کہتے ہیں کہ میں نے جھوٹے گواہوں کے متعلق امامؑ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ انہیں سزا دی جائے گی جس کا تعین نہیں ہے یہ امام کی مصلحت ہے اور ان کی تشہیر کی جائے گی یہاں تک کہ لوگ انہیں پہچان لیں (اور ان کی گواہی قبول نہ کریں) اور رہا خداوند عالم کا یہ ارشاد کہ ولا تقبلوا لهم شهادة ابداً الا الذين تابوا (اور ان کی گواہی قبول نہ کرو جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلیں) تو ان کی توبہ کیسے پہچانی جائے گی؟ آپؑ نے فرمایا کہ وہ عوام کے سامنے اپنی تکذیب کرے اور اپنے رب سے طلب مغفرت کرتا رہے، جب وہ ایسا کرے گا تو اس کی توبہ کا اظہار ہو جائے گا۔ (یعنی اس کو تائب سمجھ لیا جائے گا)"

دوسری حدیث میں اس طرح فرمایا گیا ہے:۔

شهود الزور يجلدون حدًّا ليس له وقت ذلك إلى الامام ويطاف بهم حتى يعرفوا فلا يعودوا قلت له: فان تابوا واصلحوا تقبل شهادتهم بعده؟ قال اذا تابوا تاب الله

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۵۸۴، فروع کافی ج ۷ ص ۲۴۱

علیهم و قبلت شهادتهم بعده (۱)

"امام علیہ السلام نے فرمایا کہ جھوٹے گواہوں کو تعزیری طور پہ تازیانے مارے جائیں گے جن کی تعداد مقرر نہیں ہے اس کا انحصار امام کی مصلحت پہ ہے۔ اور ان کی تشہیر کی جائے گی۔ اس حد تک کہ وہ پہچان لیے جائیں اور پھر یہ حرکت نہ کر سکیں۔ راوی نے عرض کی کہ اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو کیا اس کے بعد ان کی گواہی قبول کی جائے گی ؟ آپ نے فرمایا کہ: اگر وہ توبہ کریں گے تو اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور اس کے بعد ان کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔"

اگر کوئی شخص کسی اجنبی عورت کے بستر میں داخل ہو جائے تو اسے تعزیری سزا دی جائے گی۔ یاد رہے کہ یہ حرکت گناہ کبیرہ ہے (۲)

جناب امیر علیہ السلام نے اس تعلق میں مجرم کو بڑی دلچسپ سزا دی ہے:۔

عن طلحه بن زید عن جعفر عن ابیه علیهما السلام انه رفع إلی امیر المؤمنین علیه السلام رجل وجد تحت فراش امرأة فی بیتها فقال هل رأیتم غیر ذلك؟ قالوا لا۔ قال فانطلقوا به إلی مخروة فمرغوه علیها ظهراً لبطن ثم خلوا سبیله (۳)

"طلحہ بن زید سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق اور امام محمد باقر علیہما السلام نے فرمایا ہے کہ ایک شخص حضرت علی علیہ السلام کی خدمت

۱۔ فروع کافی ج ۷، ص ۲۴۳، وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۵۸۵

۲۔ مبانی تکملۃ المنہاج جلد اول ص ۳۴۷

۳۔ تہذیب الاحکام ج ۱۰، ص ۴۹، وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۵۸۱

میں پیش کیا گیا جو کسی عورت کے گھر میں اس کے بستر میں داخل ہو گیا تھا۔ آپؑ نے پوچھا تم نے اس کے علاوہ بھی کچھ دیکھا ہے لوگوں نے عرض کیا نہیں! تو آپ نے فرمایا: اس کو "سنڈاس" لے جاؤ اور اس میں گرا کر الٹ پلٹ کرو یعنی اسے گندگی میں لتھیڑ دو اور پھر اسے چھوڑ دو۔"

امیر المومنین علیہ السلام کا یہ فیصلہ جیسا کہ عرض کیا گیا بڑا دلچسپ اور مجرم کے لئے ذلیل کن فیصلہ ہے۔ تاہم اس جرم کی سزا اس فعل پر منحصر نہیں ہے بلکہ حاکم اپنی صوابدید کے مطابق جو مناسب سمجھے سزا دے۔ حضرتؑ نے یہی صورت مناسب سمجھی۔ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرنا چاہے تو اس عورت کے لئے اپنے نفس کو بچانے کی خاطر اس شخص کا قتل کرنا جائز ہے اور اس شخص کا خون رائیگاں جائیگا یعنی نہ قصاص ہوگا نہ دیت (ط)

عن عبد الله بن سنان سمعت أبا عبد الله علیه السلام یقول فی رجل اراد امرأة علی نفسها حراماً فرمته بحجر فاصابت منه مقتلاً قال لیس علیها شئ فیما بینها و بین الله عزّوجل وان قدمت الی امام عادل اهدر دمه (ےه)

◦ عبد اللہ بن سنان کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر ایک شخص ایسی عورت سے جنسی فعل کا ارادہ کرے جو اس پر حرام ہے اور وہ عورت اس کو پتھر کھینچ مارے

له مبانی تکملة المنهاج جلد اوّل صـ ۳۴۸

ےه وسائل الشیعه ج ۱۹ صـ ۴۴ ، فروع کافی ج ۷ صـ ۲۹۱

جس کے نتیجے میں وہ قتل ہو جائے تو اس عورت کی کوئی ذمہ داری نہیں
نہ دیت نہ قصاص، اور اگر وہ عورت امام عادل کے پاس لائی جائے
تو مقتول کا خون رائیگاں قرار دے گا۔

اگر کوئی چور کسی کے گھر زبردستی داخل ہو جائے تو صاحب خانہ کے لئے اس سے لڑنا جائز ہے اور اگر صاحبِ خانہ اپنے نفس، اہل اور مال کو اس کے قتل پر موقوف سمجھتا ہے تو اس کا قتل کرنا بھی اس کے لئے جائز ہوگا اور مقتول کا خون ضائع ہو جائے گا، اور دفاع کرنے والے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ اور اگر صاحبِ خانہ اپنے مال کے سلسلے میں چور سے نہ لڑے اور اس کو قتل نہ کرے تو یہ بھی جائز ہے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ چور نے مال کو اکٹھا کر لیا ہو اور اگر اکٹھا نہ کیا اور اس بات کا احتمال پایا جاتا ہو کہ داخل ہونے والے کا ارادہ ظلم نہیں ہے تو صاحبِ خانہ کے لئے آنے والے کی مار کٹائی اور قتل کی ابتداء کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اسے حق ہے کہ وہ اس کو گھر میں داخل نہ ہونے دے (۱)

اگر کوئی شخص کسی چور کو مارے اور وہ اس ضرب سے معطل اور بے کار ہو جائے تو مارنے والے کے لئے دوبارہ مارنا جائز نہ ہوگا اور اگر دوبارہ مارے گا تو اس کے نقصان کا ضامن ہوگا یعنی چوٹ کی حیثیت کے مطابق دیت یا قصاص عائد ہوں گے۔

اگر کوئی شخص کسی شخص کی بیوی یا کنیز یا لڑکے یا اسی طرح کے دوسرے رشتہ دار پر ظلم کرے اور جنسی فعل کرنا چاہے یا جماع کے سوا صرف بوس وکنار وغیرہ کرنا چاہے تو اس کو حق ہے کہ حملہ آور کو دفع کرے اور اگر اس سے بچنا اس کے قتل ہی پر موقوف

---

(۱) مبانی تکملۃ المنہاج، جلد اول ص ۳۴۹

ہو تو قتل کرنا جائز ہوگا اور مقتول کا خون رائیگاں ہوگا۔

اگر کوئی شخص دوسروں کے گھروں میں تاک جھانک لگائے تاکہ ان کے ناموس پر نظر ڈالے تو ان لوگوں کو حق ہے کہ ایسے شخص کو ڈانٹیں ڈپٹیں۔ اور اگر اس شخص کو باز رکھنا اس کی آنکھیں پھوڑنے یا زخمی کرنے پر موقوف ہو تو ان لوگوں پر کوئی دیت نہیں ہے ہاں اگر جھانکنے والا، صاحب خانہ کی عورتوں کا محرم ہو اور عورتیں برہنہ بھی نہ ہوں تو اس کو زخمی کرنا اور اس کی آنکھوں کا پھوڑنا جائز نہ ہوگا۔

اگر کوئی شخص اپنے مکان میں کسی کو قتل کر ڈالے اور یہ دعویٰ کرے کہ آنے والے نے اس کی جان، عزت اور مال پر ظلم اور حملہ کا قصد کیا تھا لیکن مقتول کے ورثاء اس کو تسلیم نہ کریں تو قاتل پر اپنے دعوے کا اثبات لازم ہوگا، پس اگر وہ اپنے دعوے پر گواہیاں مہیا کر دے تو وہ قابل قبول ہوں گی ورنہ اس سے قصاص لیا جائے گا۔

انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنے نفس اور مال وغیرہ سے حملہ آور جانور کو دفع کرے تو اگر اس صورت میں وہ جانور مارا جائے بشرطیکہ اس کی موت پر ہی حفاظت موقوف ہو تو اس شخص پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر کاٹ کھائے اور وہ اپنا ہاتھ چھڑالے اور اس کھینچا تانی میں کاٹنے والے کے دانت ٹوٹ جائیں تو اس کا نہ قصاص ہوگا نہ دیت۔

اگر دو شخص آپس میں ایک دوسرے پر حملہ کر دیں تو ایک دوسرے کے نقصان کے ذمہ دار ہوں گے اور اگر ایک حملہ سے رک جائے اور دوسرا حملہ کر دے اور روکنے والے کا مقصد اپنی ذات کا دفاع ہو اور اس سے حملہ آور کو نقصان پہنچ جائے تو یہ شخص ذمہ دار نہیں ہوگا۔

اگر دو آدمی باہم ایک دوسرے کو زخمی کر دیں اور ہر شخص یہ کہے کہ اس نے اپنا دفاع کیا ہے تو اگر ان میں سے ایک حلف اٹھائے اور دوسرا نہ اٹھائے تو حلف نہ

اٹھانے والا زخم کا ضامن ہوگا یعنی قصاص یا دیت اس سے متعلق ہو جائے گی اور اگر دونوں ہی حلف اٹھالیں یا دونوں ہی حلف نہ اٹھائیں تو ان میں سے ہر ایک اپنے جرم کا ضامن ہوگا۔

الحمد للہ علی احسانہ وصلّی اللہ علی محمد والہ وسلم

اس کتاب کے دوسرے حصے میں قصاص اور دیت سے گفتگو کی جائے گی۔

وما توفیقی الا باللہ
شبیہ الحسنین محمدی

کتابیات

نام کتاب	مصنف	طابع
۱۔ الامام الصادق والمذاہب الاربعہ	اسد حیدر	مکتبۂ تعمیر ادب لاہور
۲۔ تحریر الوسیلہ	روح اللہ الخمینی	نجف ۱۳۸۷ھ
۳۔ تصانیف احمدیہ	سرسید احمد خاں	علی گڑھ ۱۸۸۲ھ
۴۔ تفسیر ابن کثیر	[دمشقی] ابو الفدا اسماعیل م ۷۷۴	احیاء الکتب العربیہ مصر
۵۔ تفسیر انوار التنزیل	بیضاوی عبداللہ بن عمر م ۶۹۱ھ	مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۸۸
۶۔ تفسیر البرہان	بحرینی، ہاشم بن سلیمان م ۱۱۰۶ھ	ایران
۷۔ تفسیر ترجمان القرآن	آزاد، ابو الکلام	لاہور
۸۔ تفسیر تفہیم القرآن	مودودی، سید ابو الاعلیٰ	تعمیر انسانیت، لاہور
۹۔ تفسیر الخازن	علاؤ الدین علی بن محمد م ۷۲۵ھ	مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۷۵ھ
۱۰۔ تفسیر در منثور	سیوطی جلال الدین م ۹۱۱ھ	محمد امین بیروت
۱۱۔ تفسیر روح المعانی	آلوسی، سید محمود	انتشارات جہان طہران
۱۲۔ تفسیر صافی	کاشانی، ملا محسن فیض	دار الکتب الاسلامیۃ طہران ۱۳۹۳ھ
۱۳۔ تفسیر ضیاء القرآن	پیر سید محمد کرم شاہ	
۱۴۔ تفسیر کشاف	زمخشری، جار اللہ محمود بن عمر م ۵۳۸ھ	مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۶۷ھ
۱۵۔ تفسیر مجمع البیان	طبرسی، ابو علی فضل بن حسن	احیاء التراث العربیۃ بیروت ۱۳۳۹ھ
۱۶۔ تفسیر مظہری	پانی پتی، قاضی محمد ثناء اللہ	اشاعت العلوم حیدر آباد
۱۷۔ تفسیر معالم التنزیل	بغوی، ابو محمود حسین بن مسعود	مصطفیٰ البابی الحلبی مصر

۱۸۔ تفسیر منہج الصادقین	کاشانی، فتح اللہ		دارالکتب الاسلامیہ طہران
۱۹۔ تفسیر المیزان	طباطبائی، محمد حسین		
۲۰۔ تفسیر نور الثقلین	حویزی، عبد علی بن جمعۃ۔ م ۱۱۱۲ھ		دارالکتب العلمیۃ قم
۲۱۔ توضیح المسائل	الخوئی، سید ابوالقاسم		جامعہ تعلیمات اسلامی کراچی
۲۲۔ تہذیب الاحکام	طوسی، ابوجعفر محمد بن حسن		دارالکتب الاسلامیہ طہران
۲۳۔ جامع الاخبار	ابن بابویہ، ابوجعفر قمی		حیدریہ نجف
۲۴۔ جواہر الکلام	شیخ محمد حسن نجفی		تہران ۱۴۰۰ھ
۲۵۔ الحجاب فی الاسلام			قم
۲۶۔ خصال الصدوق	محمد بن بابویہ قمی		ایران
۲۷۔ الزواج المؤقت	علامہ تقی الحکیم		
۲۸۔ سن اینڈ سائنس	ڈائی سن کارٹر		
۲۹۔ سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید	م ۲۷۳ھ	لاہور
۳۰۔ سنن ابی داؤد	ابوداؤد		کراچی
۳۱۔ شرائع الاسلام	محقق حلی، جعفر بن الحسن	م ۶۷۶ھ	نجف
۳۲۔ شرح لمعہ	شہید ثانی، زین الدین		نجف
۳۳۔ الشیعۃ فی عقائدھم واحکامھم	امیر محمد کاظمی		کویت
۳۴۔ صحیح بخاری (مترجم)	محمد بن اسماعیل	م ۲۵۶ھ	کراچی
۳۵۔ صحیح مسلم (مترجم)	نیشاپوری، مسلم بن الحجاج	م ۲۶۱ھ	کراچی
۳۶۔ الغدیر	الامینی عبد الحسین		
۳۷۔ فتح الباری	عسقلانی، ابن حجر	م ۸۵۲ھ	خیریہ مصر ۱۳۲۵ھ

۳۸۔ فروع کافی — کلینی، محمد بن یعقوب م ۳۲۹ھ — دار الکتب الاسلامیہ طہران ۱۳۸۸ھ

۳۹۔ الفقہ — شیرازی، سید محمد حسینی — قم

۴۰۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ — عباسی، منظور احسن — لاہور ۱۹۷۷ء

۴۱۔ فلسفۃ التشریع فی الاسلام — ڈاکٹر صبحی محمصانی — بیروت

۴۲۔ کتاب الوافی — کاشانی، ملا محسن — دار الکتب الاسلامیہ طہران

۴۳۔ مبانی تکملۃ المنہاج — الخوئی، سید ابو القاسم

۴۴۔ مجمع البحرین — طریحی، فخر الدین — کتاب فروشی مصطفوی قم ۱۳۸۸ھ

۴۵۔ المختصر النافع — حلی، جعفر بن حسین — 〃 〃 〃 〃

۴۶۔ مشکوۃ المصابیح — تبریزی، محمد بن عبد اللہ — نور محمد کراچی

۴۷۔ معارف النغمات — ٹھاکر، نواب علی — لاہور

۴۸۔ المکاسب — انصاری، شیخ مرتضیٰ — ایران

۴۹۔ مناقب سلطانی — سلطان حامد بن شیخ — لاہور ۱۳۴۵ھ

۵۰۔ منسوخ القرآن — رحمۃ اللہ طارق — ملتان ۱۹۷۴ء

۵۱۔ من لایحضرہ الفقیہ — ابن بابویہ، ابو جعفر م ۳۸۱ھ — دار الکتب الاسلامیہ طہران

۵۲۔ نیل المرام — نواب صدیق حسن خاں — لکھنؤ

۵۳۔ وسائل الشیعہ — الحر العاملی م ۱۱۰۴ھ — بیروت ۱۴۰۱ھ

۵۴۔ انجیل بایداز اسلام برانیم

۵۵۔ جامع الرضوی — ترجمہ شرائع الاسلام

۵۶۔ تفسیر کبیر — علامہ فخر الدین رازی

۵۷۔ تفسیر القرآن — علامہ شبیر احمد عثمانی

۵۸۔ نہج البلاغہ (ترجمہ) علامہ مرزا یوسف حسین

۵۹۔ " طبع بیروت

۶۰۔ اصول کافی علامہ یعقوب کلینی

قابل مطالعہ کتب

الامام الصادق والمذاہب الاربعہ	۲۵/-
ہمارے اقتصادیات	۲۰/-
جعفری تحفۃ العوام مترجم	۴۵/-

ملنے کا پتہ

سلطان المدارس	علی مراد خیرپور سندھ
مکتبہ عمرانیہ	نیو شالیمار ٹاؤن ۔ لاہور
حق برادرز	۱۶/ انارکلی لاہور
زیدی بک ڈپو	اندرون موچی گیٹ ، لاہور
افتخار بک ڈپو	اسلام پورہ ، لاہور
جعفریہ کتبخانہ	اندرون کربلا گامے شاہ لاہور
محفوظ بک ایجنسی	مارٹن روڈ کراچی
حسن علی بک ڈپو	بمبئی بازار نزد خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی
اسد بک ڈپو	پھاٹک شاہ امام بارگاہ کربلا کراچی
مہران بک اسٹال	خیرپور